COLLEGE OF LANGUAGES HYDERABAD
19. Bachlors Quarters Moazzam Jahi Market,
HYDERABAD-1-(A.P.)

Gh. Zaman Khan.

کالج آف لنگویجس حیدرآباد
COLLEGE OF LANGUAGES HYDERABAD
HYDERABAD-1 (A.P.)

إنّ من الشعر لحكمة وإنّ من البيان لسحرا

حصّہ اول

کلیاتِ اکبر الٰہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلامِ بلاغت نظام عالی جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم پنشنر جج آنریری فیلو
الٰہ آباد یونیورسٹی

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر
باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپا

بار دہم — اگست ۱۹۳۱ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک

Nami Press, Nakhas Lucknow.

S. Zamir Khan

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَّاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

حِصّہ اوّل

کلیات اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالی جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم پنشنر جج۔ آنریری فیلو الہ آباد یونیورسٹی

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپا

بار ہشتم | جملہ حقوق محفوظ ہیں | اگست ۱۹۳۱ء

S. Zaman Khan

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کہو۔ کریگا حفاظت مری خدا میرا ۔۔۔ رہوں جو حق پہ مخالف کریگا کیا میرا
خدا کے واسطے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ ۔۔۔ تو ذرّہ ذرّۂ عالم ہے آشنا میرا
مری حقیقت ہستی یہ مشت خاک نہیں ۔۔۔ بجا ہو مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا
انھیں ہو عقل جو محتاج غیر ہو ہر دم ۔۔۔ مجھے ہو عشق کہ جو خود ہو مدّعا میرا
غرور انھیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہو اکبرؔ ۔۔۔ سوا خدا کے سب ان کا ہو اور خدا میرا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا ۔۔۔ بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا
بزم یاراں سے پھری باد بہاری مایوس ۔۔۔ ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش ۔۔۔ طالب زمزمۂ بلبل شیدا نہ ملا
واہ کیا راہ دکھائی ہو ہمیں مرشد نے ۔۔۔ کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا
رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم ۔۔۔ رنگ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا
سید اُٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے ۔۔۔ شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسا نہ ملا
ہوشیاروں میں تو اِک اِک سے سوا ہیں اکبرؔ ۔۔۔ مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

عنایت تخلیے میں بزم میں نا آشنا ہونا
عضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے با خدا ہونا

مرا محتاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے
مگر ہاں دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

جو وقت ہے وہ یہ ہے دل نہیں ہے میرے کہنے میں
مجھے تسلیم ہے ارشاد واعظ کا بجا ہونا

خدا بنتا تھا منصور اسلئے مشکل یہ پیش آئی
نہ کھنچتا دار پر ثابت اگر کرتا خدا ہونا

بچاتا ہے ہزاروں کفر سے اے واعظ ناداں
بلائے دام گیسوئے بتاں میں مبتلا ہونا

مجھے جوش طبیعت سے ہوا شوق گناہ آخر
عجب کیا ناز سکھلائے اگر اُن کو خفا ہونا

صفات حق تعالیٰ فہم منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

خدا اُنسے ملائے تو نہایت ہی خوش آئیگا
نیا عہد وفا بندھنا گذشتہ کا گلا ہونا

طریق مغربی کی کیا یہی ارشد ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محو ماسوا ہونا

دلیل خود ہیں کر پوچھتی ہے کہ تم مسلم مگر خدا کیا
دل اس سکے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اسکے ہوتے یہ پاس کیا

نہ کچھ تکلف نہ کچھ بناوٹ جواب تھی لیں صاف کہدی
اگر وہ مانیں تو مہربانی اگر نہ مانیں تو پھر گلا کیا

کبھی لرزتا ہوں کفر سے میں کبھی ہوں قربان بھولے پن پر
خدا کو دیتا ہوں واسطے جب تو پوچھتا ہے وہ بت خدا کیا

جو تمھارے لب جاں بخش کا شیدا ہوگا
اُٹھ بھی جائیگا جہاں سے تو مسیحا ہوگا

وہ تو موسیٰ ہوا جو طالب دیدار ہوا
پھر وہ کیا ہوگا کہ جسنے تمھیں دیکھا ہوگا

قیس کا ذکر مری شان جنوں کے آگے
اگلے وقتوں کا کوئی بادیہ پیما ہوگا

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندا ہوگا

لعل لب کا ترے بوسہ تو میں لیتا ہوں مگر
ڈر یہ ہے خون جگر ہجر میں پینا ہوگا

غنچۂ دل کو نسیم عشق نے وا کر دیا
میں مریض ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شان محبوبی صانع کا نشاں رکھا ہے یہ
ورنہ کیا تھا جسنے دل میں درد پیدا کر دیا

دین سے اتنا الگ حد فنا سے یوں قریب
اس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگ دنیا کر دیا

موت ہے غفلت جوانی میں تو لذت دیکھی
ہاں مگر پیری میں اُس نے مجھ کو رسوا کر دیا

کیا مری اک دل کو خوش کرنے پہ وہ قادر نہیں
ایک کن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

بے تمھارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں
سچ بتاؤ جان جان تم نے مجھے کیا کر دیا

رنج سب باہر ہوئے وہم و خرد ہوش و تمیز
خانۂ دل میں تم آؤ ہم نے پردا کر دیا

ہو طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے
بھوک نے نان جویں کو منّ و سلویٰ کر دیا

یوسف معنی کے جلووں کو دکھا کر عشق نے
میری بیداری کو بھی خواب زلیخا کر دیا

ق

شاہد بزم ازل نے اک نگاہ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شور شیریں کا مزا رکھا سر فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ انداز لیلےٰ کر دیا

گردن پروانہ میں ڈالی کمند شوق شمع
رنگ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوق نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردش چشم بتاں سے حشر برپا کر دیا

جسنے یہ سب کچھ کیا اکبر ہیں اُسسے کیا کہوں
اُسنے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

بے غرض ہو کر مزے سے زندگی کٹنے لگی
ترک خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

رنگ اُڑانا اہل یورپ کا تو ہے اکبر محال
مفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کر دیا

نعت

دُر فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ارسطو سے نہ پوچھ اے ہمنشیں خاصیت الفت
مجھے معلوم ہے سن لے اثر مہلک مزا اچھا

نقاب انکے رخ رنگیں سے اُٹھا جیسے محفل میں
کھلایا گل یہ تونے واہ اے باد صبا اچھا

ہٹایا زلف کو انکے رخ رنگیں سے گلشن میں
کھلایا گل یہ تونے واہ اے باد صبا اچھا

دلاکر جھوٹی امیدیں دلوں کو خون کرتے ہو
نہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جاتے ہیں پیدا

نہ یہ طرز ادا اچھی نہ یہ شوق جفا اچھا
جو سچ پوچھو تو ملنے سے نہ ملنے کا گلا اچھا

ابھی بیمار ہیں سب کر رہے ہیں قول و عہد اکبر
اسی کوچے میں پھر ہوں گے ذرا اچھے ہونے دو

تصوف کے بیاں کو ہوش نے روح آشنا پایا
جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی ستانے کو

معانی کچھ نہ سمجھا پر قیامت کا مزا پایا
عروس دہر ہمنے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

ہے کام ترا ساقی اک جام پلا دینا
مستوں کو حقیقت کا اک جلوہ دکھا دینا

یا وہ کو بھلا دینا یا ہیں کو مٹا دینا
موج مے وحدت کو آئینہ بنا دینا

ہجر میں خون جگر آخر کو پینا ہی پڑا
قلب انساں میں کبھی پڑ جاتی ہے اک نیک بات
وضع ان کی دیکھ کر لازم ہوئی قطع امید
تجربے کے بعد نسخے سے کٹا آخر گلاب
دل بھی کانپا ہونٹھ بھی تھرائے شرمایا بھی خوب

موت بھی آئی نہیں مجبور جینا ہی پڑا
جب پڑا لیکن تمھارے دل میں کینا ہی پڑا
کل ستم کی چل رہی تھی منہ کو سینا ہی پڑا
کھلنے لگیں تیرے عارض کا پسینا ہی پڑا
شیخ کو لیکن تری مجلس میں پینا ہی پڑا

الفت احمد پے تکمیل ایماں تھی ضرور
راہ حق جوئی میں اے اکبر مدینا ہی پڑا

اُردو میں وزن قاآنی کا نمونہ

تصور انکا جب بندھا تو پھر نظر میں کیا رہا
زبان خلق پر بس اک فسانۂ فنا رہا
نئے بنائے ساز عیش چرخ نے سدا مگر

نہ بحث این و آں رہی نہ شور ما سوا رہا
نہ ہم رہے نہ دل رہا نہ دل کا مدعا رہا
فنا کی دھن یہ مستقل جہاں بے بقا رہا

بر دا تو ڑا آپ نے اُس بت کو آیا کر دیا
کر گئے تھے حضرت سید عقیدوں کو درست

خود پری تھی اب اُسے پریوں کا سایا کر دیا
چرخ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا

گم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لمپ کی

بڑھ گئی ہو کچھ بصیرت تو جلایا کر دیا

ہم کو زیر آسماں ہو کر گذرنا ہی پڑا
موت کے عشووں کے آگے ناز منطق کچھ نہ تھا
جانتی تھی قوت اپنی مدت عمر عروج

منزل ہستی میں لٹنے کو ٹھہرنا ہی پڑا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا
بحر میں لیکن حبابوں کو ابھرنا ہی پڑا

خوان فلک پہ جو ملے شکر کے ساتھ کر قبول
ساغر مے ہے سامنے شیخ سے کہہ رہے ہیں وہ
اے دل بامتیز و ہوش خرم کا کام یاں نہیں

غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہے پیش کھا بھی جا
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مرد خدا چڑھا بھی جا
لطف فریب حسن اٹھا فقر و نمیں انکو آ بھی جا

بنائے کار جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہم انقلاب کے شائق نہیں زمانے میں

ہمیشہ ہمنے یہاں انقلاب ہی دیکھا
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشق حبیب ہونا
ادھر وہی طبع کی نزاکت اُدھر زمانہ کی آنکھ بدلی
عطا ہوئی ہو اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقام حیرت
رسول اکرم کی ہسٹری کو پڑھو تو اول سے تا بہ آخر
جو لب پہ گذرے کروں گذارش بغیر پیچیدگی و سازش
رہ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل اور چشم پر نم
نظر کر انکی طرف ادب سے تو پھیر دیں تیرے دل کو سب سے

یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہونا
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا
وہ آپ ثابت کریگی اپنا عظیم ہونا عجیب ہونا
فقیہ ہونیکی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا
نہیں مؤثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا
عجب نہیں عاشقان رب سے ظہور کا رعجیب ہونا

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
یہ دھوم دھام کیسی شوق نمود کیسا
بے عشق کی جوانی کٹنی نہیں مناسب

اسکے سوا بتاؤں کیا تمسے کام اپنا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہوگیا
مرانھوں نے پی اب انکے پاس کیونکر دل لگے
فرق ظاہر ہوگیا جب سے قلم اور تیغ کا
کہدیا تھا میں نے کٹجائیں جو ناقص شعر ہوں

وہ زنانے میں گھسے مہمان رخصت ہوگیا
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہوگیا
دل میں انشا کا تھا جو ارمان رخصت ہوگیا
یہ نتیجہ تھا کہ کل دیوان رخصت ہوگیا

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
آئیگی تجھ کو نظر صانع عالم کی جھلک
تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں پیدا دفتر

دلکو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا
سامنے کچھ نہ رکھا آئینۂ فطرت کے سوا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

جلوہ نظر آیا نہیں اے یار تمھارا
بڑھنے تو ذرا دو اثر جذبۂ دل کو
دم بھر کیلئے آکے اُسے شکل دکھا جاؤ
ہر دم نظر شوق کیا کرتا ہوں تم پر
صدمۂ شب فرقت کے اُٹھائے نہیں جاتے
عازم ہو تم اے حضرت دل کوئے بتاں کے
کس ناز سے کہتا ہو شب وصل وہ ظالم

تڑپا ہی کیا طالب دیدار تمھارا
قائم نہیں رہنے کا یہ انکار تمھارا
مہمان دم چند ہے بیمار تمھارا
ہر وقت میں رہتا ہوں گنہگار تمھارا
اب موت کا طالب ہے طلبگار تمھارا
اللہ رہے یار و مددگار تمھارا
برہم نہ کرے گیسوؤں کو پیار تمھارا

اکبر کی تمناؤں سے کہتا ہے یہ گردوں
اس دور سے اُٹھنے کا نہیں بار تمھارا

بُتکدے میں مطمئن رہنا مرا دشوار تھا
اکبر مرحوم کتنا بے خود و سرشار تھا
نزع میں آئی تجلی روئے جاناں کی نظر
دل ہی دل میں ہو گیے مست مئے منصور ہم
خانۂ تن کی خرابی کا میں کرتا رنج کیا

بُت تو اچھے تھے برہمن درپئے آزار تھا
ہوش ساری عمر اُس کی زندگی پر بار تھا
زہر سمجھے تھے جسے وہ شربت دیدار تھا
شرع میں رہنے کا خطرہ تھا نہ خوف دار تھا
گوہر جاں پر فقط اک گرد کا انبار تھا

رنگ گلزار جہاں کا قدرداں مجھسا تھا کون
جو گل رنگیں تھا میرے ہی گلے کا ہار تھا

فسوں بت سے بچا بند باب دیر رہا
تعجب آتا ہو اُن کے مذاق پر مجھ کو

خدا نے فضل کیا طفل دل بخیر رہا
چمن خزاں میں بھی جن کا محل سیر رہا

فسانے رہ گئے اکبر کی بت پرستی کے
نہ بُت رہے نہ برہمن رہے نہ دیر رہا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات
رنج دنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
خیر خواہی وہ نہیں ہو جو ہو ڈر سے پیدا
دل میں تسکیں ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

یہ بُت پنہاں نہیں ہوتے خدا ظاہر نہیں ہوتا
ترا ناوک بھی اے صیاد کیا ہی روح پرور ہے
علوم دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے
تری چشم فسونگر کا اشارہ ہے یہ نرگس سے
نہ خلق اسکی خبر لیتی نہ عقل اُسکی مدد کرتی
حضور قلب اگر حاصل نہیں تجھ کو تعجب کیا

غنیمت وہ زمانہ ہو کہ میں کافر نہیں ہوتا
کہ تیرا صید بسمل رہتا ہے آخر نہیں ہوتا
زباں گو صاف ہو جاتی ہو دل طاہر نہیں ہوتا
فقط نظارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا
خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا
خدا جب دل سے غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

یہ حق گوئی ہے اکبر کی کہ ہے جبکا اثر اتنا
فسوں کیسا مسلماں آدمی ساحر نہیں ہوتا

یہ سست ہے تو پھر کیا وہ تیز ہے تو پھر کیا
رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری
رنج و خوشی کی سب میں تقسیم ہو مناسب
ہر رنگ میں ہیں پاتے بندے خدا کے روزی
جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اُسکی چیزیں

نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا
بابو جو ہے تو پھر کیا چنگیز ہے تو پھر کیا
ہے پنڈت تو پھر کیا رنگریز ہے تو پھر کیا
یاں تخت ہو تو پھر کیا واں میز ہے تو پھر کیا

حق سے اگر ہے غافل ہرگز نہیں ہے عاقل
مفقود ہیں اب اسکے سننے سمجھنے والے
کیسی ہی سلطنت ہو سب خوش نہ رہ سکیں گے
منزل وہی ہے جس کو نبیوں نے ہے بتایا
گھر کا چراغ دیکھو یعنی کہ دل سنبھالو
اسلام و حق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم
دونوں ہی مر رہے ہیں دونوں کا حشر ہوگا

ہنری جو ہے تو پھر کیا پرویز ہے تو پھر کیا
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا
گر ترک ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
اسٹیم ہے تو پھر کیا ہمیز ہے تو پھر کیا
کوئی انار دم بھر گلریز ہے تو پھر کیا
حرص و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

وہ حجاب اُن کا آج تک نہ گیا
اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی
کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غیر

نہ گیا ان کے دل سے شک نہ گیا
وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا
دیکھئے آخرش کھسک نہ گیا

می خانۂ رفارم کی چکنی زمیں پر
کیسی نماز بال میں ناچو جناب شیخ
یہ پاس اور وہ پاس نہ موجد نہ اہل زر

واعظ کا خانداں بھی آخر پھسل گیا
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا
اخبار میں جو چھپ گئے ارماں نکل گیا

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا
پرتو جو اس میں ہے ترے حسن و جمال کا
نظارہ کر رہا ہوں بُتِ بےمثال کا
ہم اپنے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے
اُس مس پہ کون میرے سوا ہو فریفتہ
رکھنا پڑا ہے اُس بُتِ کافر سے میل جول
الفت میں فرض ہے بُتِ کافر کا اتباع
دور فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے

گھٹنا ہے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا
عالم ہے شیفتہ مرے رنگ خیال کا
شان خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا
کملی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا
گاہک میں ہی ہوں ہند میں لندن کے مال کا
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا
ہے بس عروج خاتمہ اُسکے زوال کا

اک عکس ناتمام پہ عالم کو وجد ہے
ماضی[1] تو ختم ہو چکا مستقبل آئے گا
بلبل کی شاخ گل پہ نہ باقی رہے نظر

کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا
ممکن نہیں بیان کروں حال حال کا
نشو و نما جو دیکھ لے اس نونہال کا

طریق عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
پہونچنا داد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے
حریفوں پر خزانے ہیں کھلے یاں ہجر گیسو ہے
یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
چھپا ہے سینہ و رُخ دلستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
حواس و ہوش گم ہیں بحر عرفان الٰہی میں

گئے فرہاد و مجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا
نہیں میں آ گیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا
اُسے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا
وہاں پُربل ہے اور یاں سانپ کا بھی بل نہیں ملتا
مزاج ان کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتاب دل مجھے کافی ہے اکبر درس حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

ہستئ حق کے معانی جو مرا دل سمجھا
وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا
حضرت دل کو چڑھا آیا میں بتخانے میں
ہوئی دنیا میں مرے جوش جنوں کی تکریم
کافری سہل نہ تھی عشق بتاں کھیل نہ تھا
ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی
ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اُسکا ستم
اترا دریا میں پئے غسل جو وہ غیرت گل

اپنی ہستی کو اک اندیشۂ باطل سمجھا
وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا
اُنکے انداز سے اُن کو اسی قابل سمجھا
تیرے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا
بخدا میں تو اسی سے اسے مشکل سمجھا
ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا
یاں زباں ہل نہ سکی وہ متحمل سمجھا
شور امواج کو میں شور عنادل سمجھا

[1] زمانۂ ماضی

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
شیخ نے چشم حقارت سے جو دیکھا مجھ کو
حُسن نے ناز کیے عشق کی تکمیل ہوئی
آپ دیکھیں مجھے اور میں نہ کروں یاد خدا
وہ بھی نافہم ہے جو خضر کا طالب نہ ہوا

یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی نہ مشکل سمجھا
بخدا میں اُسے اللہ سے غافل سمجھا
نہ نظر آپ کی سمجھی نہ مرا دل سمجھا
موت سے آپ نے ایسا مجھے غافل سمجھا
وہ بھی ناداں ہے جو خضر کو منزل سمجھا

نہ کیا یار نے اکبر کے جنوں کو تسلیم
مل گئی آنکھ تو کچھ سوچ کے عاقل سمجھا

مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر
دفتر دُنیا اُلٹ جائے گا بالکل یک قلم
فیصلِ اعمال نامہ کی نہوگی کچھ سند
بچ رہو طاعون سے تو اہل غفلت بول اُٹھے
نہ کرو صاحب تبسم وہ وقت آیا ہے اب

کس طرح اُن سے ہمارا حال دیکھا جائیگا
ذرّہ ذرّہ سب کا اصلی حال دیکھا جائیگا
حشر میں تو نامۂ اعمال دیکھا جائیگا
ابتو مہلت ہے پھر اگلے سال دیکھا جائیگا
بے اثر ہوگی شرافت مال دیکھا جائیگا

رکھ قدم ثابت نہ چھوڑ اکبر صراطِ مستقیم
خیر چل جانے دے اُنکی چال دیکھا جائیگا

سینے کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا
ایسے ستم کئے کہ مرا قلب ہل گیا
تیرا پتہ چمن کو صبا سے جو مل گیا
تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
ہوتا ہے انبساط غذائے لطیف سے
کتنے نگاہ ناز سے دیکھا ہے اسطرف
خوش قسمتی یہ اپنی بجا ہے کروں جو ناز

اچھا ہوا مزہ تو محبت کا مل گیا
اور اسطرح کہ سینہ کا ہر داغ چھل گیا
بلبل کو وجد آگیا غنچہ بھی کھل گیا
سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا
غنچہ کو دیکھئے کہ ہوا کھا کے کھل گیا
فریاد کر رہا ہے جگر ہائے دل گیا
اپنے ہی میں مجھ کو مرا رب بھی مل گیا

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوش دل سے مگر مضمحل گیا

وہ شعلہ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
ملا جو خانۂ تن خاک میں تو مٹنے دو

تری نظر نہ رہی وہ مراد وہ دل نہ رہا
یہ رنج کیا ہے کہ زندان آب و گل نہ رہا

چودھویں منزل میں وہ ماہِ خوش اقبال آگیا
الفت گیسو نے آخر دی مرے دل کو شکست
عالم فطرت پہ ہو میری نظر بھی اے حکیم

صبر و تقوی کا پوچھو بھاری ہے وہی سال آگیا
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آگیا
فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آگیا

دعوی علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہوگیا ساکت مگر جب ذکر اقبال آگیا

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
رنگ رُخ بہار کی زینت ہوئی نئی
فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
حد شہر عافیت کی نئی طرز پر بندھی

نیندیں بدل گئیں وہ فسانا بدل گیا
گلشن میں بلبلوں کا ترانا بدل گیا
پانی فلک پہ کھیت میں دانا بدل گیا
وہ چوکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

اس گوہر نایاب سے واقف نہیں دُنیا
خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا

آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

زلف نے پرتو دیں نام کو رہنے نہ دیا
دو مرادیں جو ملیں چار تمنائیں کیں
موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار

آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا
ہمنے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا
دل نے پیش نظر انجام کو رہنے نہ دیا

نور عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہوگیا
بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہوگیا
انتشار اہل معنی فیض سے خالی نہیں

ہوش میں آنا حجاب روئے جاناں ہوگیا
بیوفاؤں سے کوئی کہدے کہ ہاں ہاں ہوگیا
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہوگیا

باعث تسکیں نہ تھا باغ جہاں کا کوئی رنگ
جس روش پر میں چلا آخر پریشاں ہوگیا

خواب راحت بن گیا خوف خدا بعد فنا
حشر میں حسن عمل گلزار رضواں ہوگیا

ان کی صورت دیکھ کر آنے لگی یاد خدا
نور رخ ان کا چراغ راہ عرفاں ہوگیا

دونوں کو تشبیہ دی تھی عارض محبوب سے
آئنہ حیرت میں آیا گل پریشاں ہوگیا

تیغ کھینچی اس نے ممنون توجہ ہم ہوئے
حسن وہ افسوں ہے جس سے ظلم احساں ہوگیا

ترک دنیا سے ہوئی جمعیت خاطر نصیب
حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہوگیا

طاقت فریاد بھی مجھ میں نہ باقی رہ گئی
ظلم کرنا آپ کو مجھ پر اب آساں ہوگیا

خوان الوان فلک پر کیا مسرت ہو مجھے
گور کا لقمہ ہوا جو اسکا مہماں ہوگیا

فرقت جاناں میں کیسی خوشدلی اے ہمنشیں
انبساط طبع نذر رنج ہجراں ہوگیا

صورت ظاہر میں دل اک قطرۂ خوں تھا فقط
آگیا جب جوش میں معنی کا طوفاں ہوگیا

جس کو کہتے ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ سب وہم ہے
اب ہمارا حال بھی خواب پریشاں ہوگیا

بس یہی دولت مجھے دی تو نے اے عمر دراز
سینہ اک گنجینۂ داغ عزیزاں ہوگیا

اور عالم میں ہوں میں اے فاتحہ خواں بعد مرگ
میں نہ تھا وہ جسم جو مٹی میں پنہاں ہوگیا

بڑھ گئی سوزش جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں
زخم دل کے حق میں ہر غنچہ نمکداں ہوگیا

کردیا اہل بصیرت فیض ساقی نے مجھے
ساغر مے آفتاب اوج عرفاں ہوگیا

اک نظر کا ہے تعلق اس جہاں سے ہوش کو
سب کا سب اک جنبش مژگاں میں پنہاں ہوگیا

دیکھنا مشروط دیں ہوتا تو ہوتا بت پرست
کچھ نہ دیکھا اسکی برکت سے مسلماں ہوگیا

درد نے جا اسمیں کی اک سوز نہاں ہوگیا
للہ الحمد اب مرا دل بھی مسلماں ہوگیا

جلوۂ حسن بتاں آشوب دوراں ہوگیا
اللہ اللہ آفت دین مسلماں ہوگیا

اشک خوں آلود آنکھوں میں نمایاں ہوگیا
دیکھئے دل بھی شریک چشم گریاں ہوگیا

رنگ خوں اب صاف آنکھوں میں نمایاں ہوگیا
دیکھئے دل بھی شریک چشم گریاں ہوگیا

اس نے پوچھا ہوگیا آسودہ بوسہ لے گئے تو
میں نے ناحق کہدیا جلدی میں جی ہاں ہوگیا

سر بھی کھا جائیگا ظالم جان بھی کھا جائیگا
سخت مشکل ہے کہ ناصح میرا مہماں ہوگیا

انقلاب دہر دیکھو بن گیا آقا غلام
قصر کا مالک جو تھا اب اسکا درباں ہوگیا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب
آفت دل آنکھ تھی دل آفت جاں ہوگیا

قبل ہستی ان عوارض سے بری تھا دل مرا
اس سفر میں مبتلائے دین و ایماں ہوگیا

عظمت خالق نہ سمجھا قدر دل اسنے نہ کی
جو پئے لذت مطیع نفس و شیطاں ہوگیا

پوچھتے کیا ہو اصول مذہب رندان عشق
یار کا ارشاد ان کا دین و ایماں ہوگیا

میری قسمت تھی کہ ہر تیا بنا بانگ عسس
بخت دشمن تھا کہ خواب چشم درباں ہوگیا

اس توقع پر کہ تیرے پیرہن میں صرف ہو
ماہ نو بھی چرخ پر شکل گریباں ہوگیا

اس لب شیریں کے بوسوں نے کیا شیریں سخن
لی زباں انکی جو منہ میں میں زباندان ہوگیا

کی ترقی چشم بد دور ایسی اپنے رنگ میں
اکبر اب مسند نشین بزم رنداں ہوگیا

کرگئی کام نگاہ مس پر فن کیسا
اسکو جگر ہی رہا اور یہ خدا تک پہنچا
اصل سے ہو کے جدا نشو و نما کی امید

تج چلے دیر و حرم شیخ و برہمن کیسا
دل پر سوز جو ہاتھ آئے تو انجن کیسا
مجھ کو حیرت ہے کہ بوڑھو نہیں یہ بچپن کیسا

خدا کی ہوتے بتو نکو جو نہیں تھا مطلق گمان ایسا
مگر تمھیں دیکھ کر تو واللہ آچلا مجھ کو دھیان ایسا

وہ چھپتے ہے پردہ سوز ہیں فلک پر سے یہ پوچھتا ہے
بتا تو تیری نظر سے گذرا ہے کوئی خوشرو جوان ایسا

بھلا ہی دیتی ہو جسکو دنیا مٹا ہی دیتا ہے جسکو گردوں
عجب ہے انسان چاہتا ہے جو نام ایسا نشان ایسا

بھرا ہوا دل جو ذوق سے ہو خدا کی یاد اسمیں شوق سے ہو
وہاں کی جلوہ نکا پوچھنا کیا مکین ایسا مکان ایسا

دل و جگر کو فراق بت میں حوالۂ چشم تر کروں گا
کبھی کسی نے کیا نہو گا کنارۂ گنگ وان ایسا

دنیا کے مباحث یہ مری نظروں میں ہیں کیا
اتنا تو کوئی پہلے بتائے مجھے میں کیا

تو کہیئے اگر دعوت عاشق نہیں دل میں
یہ کون سی سیکھی ہے زباں آپ نے تین کیا

زلف پیچاں کا تصور نہ مجھے کرنا ہی نہ تھا
ہو گئی مفت طبیعت میں اک الجھن پیدا

شرم کی جا ہے نہ ہو دل میں جو داغوں کی بہار
سینۂ خاک بھی کر لیتا ہے گلشن پیدا

میری ہر بات کا رخ ہے طرف عارض یار
میرے ہر شعر سے ہیں معنی روشن پیدا

دیدہ دل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبر
دوستوں ہی میں سے ہو جاتے ہیں دشمن پیدا

کوئی ہے دہر میں خون جگر کہیں پیتا
کوئی زمانے میں ہے شیر و انگبیں پیتا

میں انکی بزم سے اٹھ آیا قبل دور شراب
محل شرم تھا کہنا کہ میں نہیں پیتا

سرور روح ہے حاصل دلائے حیدر سے
میں جام کوثر و تسنیم ہوں یہیں پیتا

نہ ملتی پیشے کو دنیا میں قوت پرواز
اگر یہ خون کسی کا براہ کیں پیتا

ہر ایک قطرے کے بدلے میں دیتا اک دانہ
تری طرح کوئی پانی جو اسے زمیں پیتا

جھجکتے کیوں ہو۔ جو ہوتا ہے اعتراض اکبر
جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

شکایت جوش الفت سے ہوئی تھی اے حسیں پیدا
تعجب ہے اگر اس سے ہوئی چین جبیں پیدا

فریب عقل ظاہر بیں ہے یہ سب ورنہ اے اکبر
نہیں فانی ہمیں باقی ہمیں پنہاں ہمیں پیدا

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہ حب قومی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا

کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے جسمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

لطیف الطبع ساتھی چاہیئے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کاروان بو نہیں چلتا

ستم دور گردوں کے سہ جاؤں گا
جو گذرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا

دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ
وگرنہ یوں نہیں مر کے رہ جاؤں گا

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا
مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا

ذرا تو بخت شریفوں کو باغ دہر میں دیکھ
انھیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

جناب شیخ سے جا کر ذرا اللہ کہدینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہدینا

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہدینا

مرے خط میں سلام اغیار کو قاصد کیا معنے
نہایت رنج ہے اسکا مجھے واللہ کہدینا

تمہاری مرحبا سے شعر کی ہو جائیگی عزت
نہ نکلے واہ دل سے تو زباں سے واہ کہدینا

اگرچہ تسکیں طبع ملت ہے حب قومی میں آہ کرنا
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوئے اللہ کرنا

وفائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا تو اب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے اس بلا کی نگاہ کرنا
بنائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اتنا تباہ کرنا

کہیں گے تعمیل ذات پر ہو نشان دو یا تباہ باد
بتوں کے آگے ہے سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا

نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اسکا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دلکو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہوگا دل شکستہ میں راہ کرنا

جہان صورت کا ذرہ ذرہ جمال معنی کا آئنہ ہے
مگر انہیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھیے آکے بزم تہذیب
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا برا ہے گناہ کرنا

وہ دور چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہل تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفل دلکو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

مجھ کو نہ کبھی اس بت دل خواہ نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہونگا جو اللہ نے چاہا

ساتھ ان کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اسنے
شعروں کو مرے خوب ہی اس واہ نے چاہا

خوشی سے باخبر ملنے پہ راضی ہو نہیں سکتا
خیال دین و عزت امر ماضی ہو نہیں سکتا

عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو،
امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

جس روشنی میں لوٹ ہی کی آپ کو سُوجھے
تہذیب کی میں اُس کو تجلی نہ کہوں گا

لاکھوں کو مٹا کر جو ہزاروں کو اُبھارے
اُس کو تو میں دنیا کی ترقی نہ کہوں گا

ہے غضب جلوہ دیر فانی کا
پوچھنا کیا ہے اُسکے بانی کا

دیدہ ہے محو دیر فانی کا
دل ہے مشتاق اُسکے بانی کا

جان دیدی غم حسیناں میں
حق ادا کر دیا جوانی کا

خوب جی بھر کے ہو لیے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا

کرتے ہیں مجھ سے غیر کا شکوہ
شکر ہے اُن کی مہربانی کا

دل میں سوزش ہے آنکھ میں آنسو
عشق ہے کھیل آگ پانی کا

غور کر، کیا ہے زندگی کی بنا
سوچ۔ کیا حق ہے اُسکے بانی کا

نہ ملا خاک میں عمل اپنے
شوق رکھ فیض آسمانی کا

ہوش بھی بار ہے طبیعت پر
کیا کہوں حال ناتوانی کا

قتل سے پہلے ہے کلورا فارم
شکر ہے اُن کی مہربانی کا

شیخ در گور و قوم در کالج
رنگ ہے دور آسمانی کا

ق
انجن آیا نکل گیا زن سے
سن لیا نام آگ پانی کا

بات اِتنی اور اُس پہ یہ طومار
غل ہے یورپ پہ جانفشانی کا

علم پورا ہمیں سکھا دیں اگر
تب کریں شکر مہربانی کا

یوں مری طبع سے ہوتے ہیں معانی پیدا
جیسے ساون کی گھٹاؤں سے ہو پانی پیدا

کیا غضب ہے نگہ مست مس بادہ فروش
شیخ فانی میں ہوا رنگ جوانی پیدا

یہ جوانی ہے کہ پایا ہے جنوں جس سے ظہور
یہ نہ سمجھو کہ جنوں سے ہے جوانی پیدا

بیخودی میں تو یہ جھگڑے نہیں رہتے اے ہوش
تو نے کر رکھا ہے اِک عالم فانی پیدا

کوئی موقع نکل آئے کہ لبس آنکھیں لڑ جائیں
راہیں پھر آپ ہی کر لے گی جوانی پیدا

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اِک ناوِل کا
میری ہر رات سے ہو ایک کہانی پیدا

جنگ ہو جرم محبت ہے خلاف تہذیب
ہو چکا ولولۂ عہد جوانی پیدا

کھو گئی ہند کی فردوس نشانی اکبر
کاش ہو جائے کوئی ملٹن٥ ثانی پیدا

جو ناصح مرے آگے بکنے لگا
میں کیا کرتا منہ اسکا تکنے لگا

محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

بدن چھو گیا آگ سی لگ اُٹھی
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

جو محفل میں اکبر نے کھولی زباں
گلستاں میں بلبل چہکنے لگا

نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اسکا بنانیوالا
ظہور آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنیوالا

نسیم مستانہ چل رہی ہے چمن میں پھر رت بدل رہی ہے
صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانیوالا

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب
تعلق ہوش سے چھوڑا تو پھر عالم سے کیا مطلب

قناعت جسکو ہے وہ رزق مایحتاج پر خوش ہے
سمجھ جسکو ہے اس کو بحث بیش و کم سے کیا مطلب

جسے مرنا نہ ہو وہ حشر تک کی فکر میں اُلجھے
بدلتی ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب

مری فطرت میں مستی ہے حقیقت میں ہے دل میرا
مجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جام جم سے کیا مطلب

خود اپنی ریش میں اُلجھے ہوئے ہیں حضرت واعظ
بھلا ان کو بتوں کے گیسوئے پرخم سے کیا مطلب

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے
جناب ڈارون کو حضرت آدم سے کیا مطلب

صدائے ہندی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں کی کیا پروا مجھے سرگم سے کیا مطلب

خدا کے منکر نہیں ہیں غافل کہاں گئے پیر اور امام صاحب
اُنھیں کے در پر جھکی ہے خلقت سلام صاحب سلام صاحب

٥ MILTON ایک مشہور انگریزی شاعر ۱۲

کہاں کی یہ جانماز کیسی کہاں کی گنگا کہاں کا زمزم
ہزار سمجھاتی ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں ناہدار ہوتے
مگر نہیں مانتا ہے کوئی ہر اک کی یہ التجا ہے اُن سے
مری تمھاری نہیں نبھے گی سدھارتا ہوں یہاں سے

ڈٹا ہے ہوٹل کی در پہ ہر اک ہمیں بھی دو ایک جام صاحب
کرو خموشی و نیکبختی سے جا کے تم گھر کا کام صاحب
مجھے بھی تم چھاپ دو کہیں پر ابھی ہو جائے نام صاحب
سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب

اے جان جہاں حور نہ اچھی نہ پری خوب
تشبیہ میں دونگا اسے رفتار صنم سے
یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
کھلتا ہے مرا غنچۂ دل آہ سحر سے
منہ کھول کے سویا ہے وہ گل صحن چمن میں

ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب
واللہ تری چال ہے اے کبک دری خوب
پھر صاف مکرنا کہ میں ہوں اس سے بری خوب
عاشق کے لئے ہے یہ نسیم سحری خوب
لطف آج اُٹھا لے گی نسیم سحری خوب

سچ یہ ہے کہ واعظ مجھے بھاتا ہے نہ اکبر
وہ خبط ہی اچھا نہ یہ شوریدہ سری خوب

کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقاب روئے دوست
پردۂ فطرت خرد افروز و حکمت خیز ہے
دیکھ لی جسنے جھلک اُسکی وہ پہونچا دار پر

ہے اسی پردے میں پنہاں آفتاب روئے دوست
ہے جنوں انگیز لیکن آب و تاب روئے دوست
زینت منبر ہوا محو حجاب روئے دوست

ذوق معنی ہو تو اسے اکبر نظر آگے بڑھا
عالم نیچر تو ہے لوح کتاب روئے دوست

ماہ نو بھی نہیں چمکا ترے ابرو کی طرح
کون سی تیغ ہے تیغ خم ابرو کی طرح
وہ ادا کی کہ قضا آ گئی خودداری کی،
گل میں وہ شوخی رنگ رخ محبوب کہاں
مجھ کو دم بھر بھی زمانے میں نہیں چین نصیب

نکہت گل بھی نہ نکلی تری خوشبو کی طرح
کہ اشاروں ہی میں چل جاتی ہے جادو کی طرح
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح
سرو میں لوچ کہاں اس قد دلجو کی طرح
مضطرب شیشۂ ساعت میں ہوں بالو کی طرح

حسن میں کب ہو قمر کو ترے مانند ثبات
نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہے اسمیں
کم بضاعت کو جو اک ذرہ بھی ہوتا ہے فروغ
دل کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن
کیا کہوں شوق شہادت کو میں تجھ سے قاتل
خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا اُن کا
گلشن عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں
ہر زمیں میں ترا مضمون ہے مطلوب اے دوست
نیچی نظروں سے مرے دل کو وہ کرتے ہیں شہید
فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
رنگ گل سے بھی سوا شوخ ہے تو رنگ میں یار
ہمسر اس طرۂ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
ٹکڑے میرے دل روشن کے جو دیکھے تو کہا
جام مے غیر کو دو میں نہ کروں گا شکوہ
سر جھکا فکر میں بیٹھ اپنی حقیقت کھل جائے
رشک آتا ہے جو تکیے پہ وہ سر رکھتے ہیں
نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
واعظا تیری زباں پر ہے مذمت مے کی
ہوا شاروں کا اگر اہل نظر کے تابع

کبھی عارض کی طرح ہے کبھی ابرو کی طرح
قطع میں گو ہے ہلال آپ کے ابرو کی طرح
خودنمائی کو وہ اُڑ چلتا ہے جگنو کی طرح
طبع سنجیدہ سامع ہے ترازو کی طرح
روز افزوں ہے تری قوت بازو کی طرح
فرحت افزائے نظر ہے رم آہو کی طرح
خوشنما آہ بھی ہے سرو لب جو کی طرح
کہیں ہو ہو کی طرح ہے کہیں کو کو کی طرح
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح
نکہت گل بھی نہیں ہے تری خوشبو کی طرح
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہے بو کی طرح
کوئی فتنہ نہیں اُس نرگس جادو کی طرح
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح
رنج کی بات ہے پی جاؤں گا آنسو کی طرح
حق نما کون ہے آئینۂ زانو کی طرح
صاحب حسن کہیں ہو مرے زانو کی طرح
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح
یہ سخن تیرا گلوگیر ہے اُچھو کی طرح
خلق آنکھوں پہ جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشن دہر میں اکبر کا کلام رنگیں
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

اظہار مدعا میں کروں گا اسی طرح
چاہونگا تخلیہ نہ زیادہ بٹھاؤں گا

وہ پیش آئیں اچھی طرح یا بُری طرح
تشریف لائیے بھی تو حضرت کسی طرح

دل ہو وفا پسند نظر ہو حیا پسند
توڑو نہ تیرے جھومنے لگتی ہو شاخ گل

جس حسن میں یہ وصف ہو وہ ہو خدا پسند
بیجد ہے تیرا ناچ مجھے اے صبا پسند

پھرتی ہے ارض آفتاب کے گرد
نہیں ٹلتا ہزار اسے ٹالو
شعلہ رویوں میں گھومیں سوختہ دل
کون مستی مری سنبھالے گا

بندہ چکر میں ہو جناب کے گرد
عشق رہتا ہی ہو شباب کے گرد
آنچ لگتی رہی کباب کے گرد
میں تو جاتا نہیں شراب کے گرد

وقت بہار گل دلم از ہوش دور بود
میگفت دوش قصۂ شوقت زبان دل
یک جلوہ کرد و صورت پروانہ سوختم
خوش بود آں زماں خودی از خود خبر نداشت
یکساعت حضور سوی او این چنیں گذشت
بیدل مشو بگفتۂ منکر کہ او ز جہل

موج نسیم دشمن شمع شعور بود
ہر حرف او حکایت موسیٰ طور بود
آرے ہمیں علاج دل ناصبور بود
ہوشم بخواب بود و دلم در حضور بود
من عجز بودم او ہمہ ناز و غرور بود
وہمش بگفت انچہ بچشم تو نور بود

اکبر بہ پیش پیر مغاں کرد اعتراف
غوغائے من بہ خلق ہمہ مکر و زور بود

گذشتند آں قدر یاراں ز حد سید اے اکبر
کہ آں مرحوم اکنوں در شمار شیخ می آید

فسردگی ہوئی پیدا اُس انتشار کے بعد
کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہو پیار کروں
بہت ہی بگڑے وہ کل مجھ سے پہلے بوسے پر
گیا شباب تو اب آئنہ میں کیا دیکھوں

ہزار حیف کہ فالج گرا بخار کے بعد
تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ پیار کے بعد
خموش ہو گئے آخر کو تین چار کے بعد
وہ لطف ہی نہ رہا باغ میں بہار کے بعد

نہ بھول اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسرًا اے اکبر
خدا سکوں بھی دیگا اس اضطرار کے بعد

مذاق درد ہو دل کو مرے ہو آہ پسند
خدا کا شکر دیا اُسنے مجھ کو بوسۂ لب
محل طعن نہیں ہو ہماری مے خواری
یہ بڑی اصولی لغزش بُری ہو سالک کو
نہ حلق سر کا ہو سودا نہ مجھے نہ تیر تبر کا
خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹریچر
گناہ سخت بتوں سے ہے مدعا طلبی
فلاسفی کو ہے مرغوب طبع الا اللہ
رہا رسول کا درجہ سو وہ تو ہو قانون
اب اسکے آگے ہو جو کچھ گروہ بندی ہو

ق

عجب نہیں اُسے کرلے تری نگاہ پسند
کیسے نصیب ہے حلوائے بادشاہ پسند
ہنر کے حکم میں ہو عیب بادشاہ پسند
خدا کے واسطے تم کرلو ایک راہ پسند
بتوں سے گو کہ میں کرتا ہوں رسم و راہ پسند
کرے جو طبع کو بے قید اور گناہ پسند
غضب تو ہو کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند
طریق سئینٹفک کو ہے لا الٰہ پسند
کرے حریف اُسے ناپسند خواہ پسند
ہر اک کو اپنی ہی نسبت ہو واہ واہ پسند

ملحداں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خواہند
غیرت دیں بفروشند بہ یک غمزۂ کفر
روح خود را چو سپردی بہ غلامی حریف
پختہ وضعے کہ خدا عقل و تمیزش داد ست
وز ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر
اے گدایان خرابات خدا یار شماست

مومناں را بجز اشند بہ دشنامے چند
چشم پوشند ز ملت پئے خود کامے چند
چہ کنی ناز بہ نامے و بہ خدامے چند
قدمے ہم نہ نہد در رہ ایں خامے چند
ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند
چشم انعام مدارید ز انعامے چند

دلا لے چل ہمیں سوئے محمدؐ
شب عاشق ہیں گیسوئے محمدؐ
چمن قرآن ہو ہر لفظ اسکا ہو گل

دکھا دے جنت کوئے محمدؐ
خدا کا نور ہے روئے محمدؐ
نہاں ہر گل میں ہو بوئے محمدؐ

مشامِ جاں معطر ہو رہا ہے
محمد پھول ہیں واعظ صبا ہیں
یہ مژدہ اہلِ عالم کو سُنا دو
خدا کے گھر سے ہے الحاق اُنکو
درود اُس پر ملائک بھیجتے ہیں
ہوئی زائل جہاں سے ظلمتِ کفر
ہوئے دل دوز تیرِ الفتِ حق
منور نورِ وحدت سے ہوا دل

زہے سودائے گیسوئے محمدؐ
کہ پھیلاتے پھریں ۔ بوئے محمدؐ
بھری رحمت سے ہے خوئے محمدؐ
یہ دیکھو رفعتِ کوئے محمدؐ
توجہ جس کی ہو سوئے محمدؐ
پڑا جب پرتوِ روئے محمدؐ
کھنچی جب قوسِ ابروئے محمدؐ
نثار پرتوِ روئے محمدؐ

خدا کا پیار ہے اُس دل پہ اکبرؔ
کشش جس دل کی ہے سوئے محمدؐ

آتا ہے وجد مجھ کو ہر دین کی ادا پر
اے برہمن کہونگا ہر بحر کو میں ہائی
پڑ جائے آتے جاتے شاید نگاہِ سلطاں

مسجد میں ناچتا ہوں ناقوس کی صدا پر
موقوف کچھ نہیں ہے گنگا و نربدا پر
جو راہ سے الگ ہے افسوس اُس گدا پر

مجھے ہمنشیں ملا کیا اُنھیں حالِ دل سُنا کر
مری زندگی ہو کیونکر جو تو بےخبر ہو مجھ سے
مرا یار مہ جبیں ہے خوش ادا ہے نازنیں ہے
کرو شوق سے محبت مگر ایک بات سُن لو
نظر آیا چاند پھیکا تو جھپک گئے ستارے

وہ کہہ آئے ساری باتیں مرے دشمنوں سے جا کر
نہ ہو شوق اگر وفا کا تو میں خوش ہوں تو جفا کر
مگر اسکا کم یقیں ہے کہ جیوں گا اُسکو پا کر
کسی اور کام کے پھر نہ رہو گے دل لگا کر
شبِ ماہ بھی نہ چمکی جو تو نکلا جگمگا کر

موقوف کچھ نہیں ہے فقط مے پرست پر
عزت ملی ہے شرکتِ کونسل کی شیخ کو
رندانِ پختہ کار کو موسم کی قید کیا

زاہد کو بھی ہے وجد تری چشمِ مست پر
غازہ ملا گیا ہے رخِ فاقہ مست پر
موقوف میکشی نہیں ماہِ اگست پر

بلبل کی شاخِ گل کی نمو پر نگاہ ہو
پھیکا ہو رنگ مے ترے عارض کے سامنے
منظور مدحِ حسن ہے ہو یا نہ ہو مگر
بند نقاب باندھتے ہیں مجھ کو دیکھ کر
چل پھر نے انکی آنکھوں کی مجھ کو لبھا لیا
اُس باوفا کو حشر کا دن ہوگا روزِ وصل
ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر
اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں
بجلی کو ہاتھ آ گیا تیری ہنسی کا طرز
گو حافظے کو یاد نہ ہو قصۂ ازل
کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز
نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
بس اصل کارِ دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے

میری نظر ہے تاک ہی کے دارِ بست پر
مستی ہے خود نثار ترے حسنِ مست پر
موقوف شاعری نہیں اس ہیئتِ ہست پر
اہلِ نظر کا صاد ہے اس بند و بست پر
کیوں کر نہ پیار آئے غزالوں کی جست پر
قائم رہا جو دہر میں عہدِ الست پر
پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر
رحمت خدا کی چاہو نگاہ اب مے پرست پر
غنچوں کو رشک کیوں نہ ہو اس تیر دست پر
ہم تو جمے ہوئے ہیں قرارِ الست پر
کیوں معترض ہو فرشِ زمیں کی نشست پر
گرا کیں چمکے چمکے بجلیاں دینی عقائد پر
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلامِ باری ذہن میں آ کر
اثر یہ تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسمِ بیجاں
جو ضعف پوشیدہ دیں میں تھا عیاں ہوا وہ ترے عمل سے

پر ایسے بگڑا ہے یہ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آ کر
یہاں تو ہم مر رہے ہیں لیکن بتانِ ترسا کے دم میں آ کر
زبانِ واعظ میں تھی جو طاقت بچی وہ میری قلم میں آ کر

جو شوقِ مستی ہو دل کے اندر تو آپ سنئے کلامِ اکبرؔ
اگر ہو ذوقِ شرابِ ساغر تو پیجئے بزمِ جم میں آ کر

جس نے اُبھارا خلق کو طاعتِ کردگار پر
شاہ و وزیر سے تو نام دب گئے ہسٹری کیساتھ
مغوی تو لیں گے تمھیں شیطان سے بہتر

نقش اُسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر
سکۂ نامِ انبیا۔ اب بھی ہے ہر دیار پر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآں سے بہتر

ذی علم مصنف ہو رہے حامی ملت
ارمان نہیں کوئی اس ارمان سے بہتر

انسان اگر معرفت حق سے ہو غافل
کیا شک کہ بہائم ہیں اس انسان سے بہتر

مخلوق الہی میں عمل پر جو نظر کر
انسان سے بدتر ہے نہ انسان سے بہتر

ہر حال میں ہو دل کے لئے حافظ و ناصر
دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر

یہ ہو کہ جھکاتا ہے مخالف کی بھی گردن
سُن لو کہ کوئی شے نہیں احسان سے بہتر

سُن لے جو توجہ سے بزرگوں کی نصیحت
پھر کان جواہر نہیں اس کان سے بہتر

خدا نے عقل کی نعمت عطا کی مہرباں ہوکر
ادائے شکر کردیوانہ حسن بتاں ہوکر

کھلیں وہ نرگسیں آنکھیں شب وصلت زباں ہوکر
محبت کی نظر نے دی اجازت مجھ کو ہاں ہوکر

کمال اس دام گیسو میں تھا یا کچھ نقص تھا ملیں
پھنسا آخر یہ کیونکر طائر عرش آشیاں ہوکر

عطا کر قسمت تصنیف سعدی یارب اُس گل کو
پھلے پھُولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہوکر

ترا قد دیکھ کر اے گل میں تجھ کو سرو سمجھا تھا
مگر تو سرو سے بھی بڑھ گیا آخر رواں ہوکر

مجھی کو سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہوکر

جھکایا ہے جبیں کو آستان یار پر میں نے
سعادت ہے اگر رہ جائے سنگ آستاں ہوکر

کمال ان کی عنایت ہے نہایت مہربانی ہے
کہیں آئیں محلے میں انھیں جانا یہاں ہوکر

اگر اللہ دیتا قوت گفتار شمعوں کو
تو داد ہمت پروانہ دیتیں یک زباں ہوکر

ہوائے نفس سے ہوکر الگ الفت میں مرجانا
وہ حالت ہے کہ رہ جاتی ہے زندہ داستاں ہوکر

مجال گفتگو کس کو ہے اُنکے حُسن کے آگے
زبانیں بند کر دیں ان بتوں نے بے زباں ہوکر

قریب ختم تھی مجلس کہ آ نکلے ادھر وہ بھی
غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رائگاں ہوکر

یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرت واعظ
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہوکر

نگاہیں ملگئیں تھیں میری انکی رات محفل میں
یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہوکر

بہت مشکل ہوا ہے ختم کرنا مجھ کو نامے کا
وفور شوق ہے رکتا نہیں خامہ رواں ہوکر

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہوکر

بنو گے خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہوکر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہوکر

دلوں کا قرب حاصل کیجیے راحت رساں ہوکر
نفس نے سینہ میں جا پائی ہے آرام جاں ہوکر

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکر ناں ہوکر
امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسن بتاں ہوکر

پئے ضبط محبت عقل مذہب میں ہوئی داخل
بنی وجہ عناد آخر نصیب دشمناں ہوکر

مجال گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہوکر

کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں،
نمازی ہیں ندار دہ گئی خالی اذاں ہوکر

کرم تھا دوستوں پر علم ایام گذشتہ میں
ستم ہے اس زمانے میں نصیب دشمناں ہوکر

جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو
نہو بیکار پیری میں نہو عاشق جواں ہوکر

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہوکر

پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں
سلایا مجھ کو اس مکار نے افسانہ خواں ہوکر

تمھیں اوج و تعلے کا مزہ مجھ کو تواضع کا
یہاں تو خاکساری ہے رہو تم آسماں ہوکر

بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے
دل اچھا ہو تو بنھ جاتی ہے شاید بدزباں ہوکر

زمیں کی طرح جنے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اُسکو ڈھانکا آسماں ہوکر

ضعیفی زور پر آئی ہوے بیدست و پا اکبرؔ
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہوکر

روش ہو راست آزادانہ ساتھ اسکے تواضع بھی
چلو تم مثل تیر اکبر جھکو لیکن کماں ہوکر

خیال عزت مجنوں نہ چھوڑا اے دامن مجنوں
نہیں ہے ہوش اُسکو خود تو اُڑ جا دھجیاں ہوکر

نگین بے بہا تھا دل ضرورت تھی حفاظت کی
ترا نقش تصوّر اس میں بیٹھا پاسباں ہوکر

مری زردی رُخ کا ذکر ہے لبہائے جاناں پر
مزا دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہوکر

بلندی مراتب سے تلوّن ہوگیا پیدا
بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب وہ آسماں ہوکر

اسی سے آشکارا ہے بلندی ترے ایواں کی
بڑا ہو آسماں بھی تیرے در پر آستاں ہوکر

مین سچیایا تلاش پیر کی دے کر صلاح انکو
ہوے وہ اور بھی ظالم مُرید آسماں ہوکر

ق

بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستاں ہوکر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہوکر

بچھا فرش زمرد اہتمام سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش باد صبا عنبر فشاں ہوکر

عروج نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھُومیں
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہوکر

بلائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ رُوے رنگین بتاں ہوکر

جوانان چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہوکر کسی نے ارغواں ہوکر

کیا پھُولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگ اذاں ہوکر

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہوکر

زبان برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہوکر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہوکر

بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشاں ہوکر
چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہوکر

خموشی میں جمال شاہد معنی نظر آیا
عبث اُلجھے رہے لفظوں میں ہم محو بیاں ہوکر

قیامت کیا ہے خلقت کو نہ صبر آنا جدائی پر
یہ فطرت خود بنے گی صور سرگرم فغاں ہوکر

جو راہ معرفت میں کاروان دل قدم رکھے
تو ساری کائنات اُڑ جائے گرد کارواں ہوکر

کیا اچھا جنھوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہوکر

تری فرقت میں ساری عمر جو تکلیف اٹھاتے ہیں
اجل ایجان انھیں کو آتی ہے آرام جاں ہوکر

اشارہ زاہدان خشک سے ہے دختر رز کا
ولی بنیئے مرید حضرت پیر مغاں ہوکر

عجب کیا ہے جو دونوں دن ہیں بیہوشی کے دنیا میں
چلے چپ ہوکے رخصت آگئے جسدن میہماں ہوکر

الگ رکھتی ہے فطرت سر ہوش کو ایسے مواقع پر
کہ تا افشا نہ کردے راز ہستی رازداں ہوکر

نمایاں ہیں ترے دامن کی سلیں کہکشاں ہوکر
اس اطلس کی زمیں اے ماہ چمکی آسماں ہوکر

ہوا ازرد الفت گلرو میں زار و ناتواں ہوکر
مرے باغ جوانی میں بہار آئی خزاں ہوکر

مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہوکر
قیامت ڈھائیگا جنت میں یہ بڈھا جواں ہوکر

بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہوکر

زبانیں دیکھتی ہیں آفت تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہوکر

اُبھارا اسقدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
کہ چل نکلی زمیں قائم مقام آسماں ہوکر

بنی آدم میں اتنے مہر طلعت ہوگئے پیدا
کہ چل نکلی زمیں قائم مقام آسماں ہوکر

دکھا کر ابرو و مژگاں نظر انکی یہ کہتی ہے
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحب تیغ و سناں ہوکر

بٹھا رکھا ہے اُس نامہرباں نے منتظر کرکے
خدا سے ہے مجھے اُمید اُٹھا لے مہرباں ہوکر

لطیف الطبع تیز و تند رنگیں و نشاط افزا
تمھیں سی ہوگئی ہے دختر رز بھی جواں ہوکر

کیا افسردہ نافہموں نے مجھ کو ہمنشیں ہوکر
طبیعت رک گئی افسوس معنی آفریں ہوکر

ہجوم یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی
تمنا پھر گئی آخر در دل سے حزیں ہوکر

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور
گویا زمین اور ہے اور آسمان اور

دل اس بُت فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
میرا طریق اور ہے اسکی ہے شان اور

کیونکر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں
اُسکی زبان اور ہے میری زبان اور

اب شغل زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور

وہ جادوے سخن ہے نہ وہ رنگ انجمن
تہذیب مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

میل نظر ہے زلف مس کجکلاہ پر
سُونا چڑھا رہا ہوں میں تار نگاہ پر

اچھا ہوا مقابلۂ برق حسن و عشق
اُن کو ہنسی جو آگئی عاشق کی آہ پر

یا شہید جلوۂ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ

دین بچنے کا نہیں ان صورتوں کے سامنے
یا پہن زنار اکبر یا در میخانہ چھوڑ

جب مانتے ہو تم کہ خدا بھی ہے کوئی چیز
پھر کیوں نہیں کہتے کہ دعا بھی ہے کوئی چیز

واعظ نے کہا خوف خدا بھی ہے کوئی چیز
اس بت نے کہا میری ادا بھی ہے کوئی چیز

کہتا ہے معالج کہ دوا کا بس اثر دیکھ
فریاد زباں ہے کہ مزا بھی ہے کوئی چیز

پنہاں ہیں خموشی و تصوّر میں کمالات
لیکن اثر لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز

کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز

بیساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز

معنی کو ضرورت نہیں الفاظ کی اکبر
سب جانتے ہیں حسن صدا بھی ہے کوئی چیز

کم سن ہو ابھی تجربہ دنیا کا نہیں ہے
تم خود ہی سمجھ لوگے خدا بھی ہے کوئی چیز

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

ہم مصلحت وقت کے منکر نہیں اکبر
لیکن یہ سمجھ لو کہ وفا بھی ہے کوئی چیز

ق

میں نے کہا کیوں لاش پہ آقا کی ہے مرتا
ہوٹل کی طرف جا کہ غذا بھی ہے کوئی چیز

کتے نے کہا ہو یہ جہالت کہ تعصب
لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

طبع کرتی ہے ترے عشق کی تائید ہنوز
ان جفاؤں پہ بھی ٹوٹی نہیں امید ہنوز

قصۂ شوق کو چھیڑا ہے ازل سے دل نے
خاتمے پر مگر آئی نہیں تمہید ہنوز

نہ خوشی ہوتی ہے دل کو نہ طبیعت کو ابھار
پھر بھی سالانہ کیے جاتے ہیں ہم عید ہنوز

اور کچھ اس کے سوا کر نہیں سکتے ناصح
بس چلی جاتی ہے تعلیم کی تاکید ہنوز

کسقدر حار تھے سید کے وہ اجزائے زقام
علما دے رہے ہیں قوم کو تبرید ہنوز

دل تو مدت سے ہے خاک در دیر اے اکبر
ہاں زباں پر ہے مگر کفر کی تردید ہنوز

غم جاناں سے میں کرنے کا نہیں جان عزیز
ہے سوا جان سے بھی مجھ کو یہ مہمان عزیز

نگاہ اس بت بے دیں کی ہے شراب فروش
عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش

کہا جو اُس نے کہ اب میں پھروں گا بے پردہ
منہ اسکا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

اہل مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع

ایک ہے پریوں کا قائل ایک کو انکار ہے
سب نزاعوں میں جو ہے تو بس یہی اچھی نزاع

علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حرص کم
صلح رہتی منتشر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

شیخ مائل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف
برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف

میں پھنسانے لگا کیوں دام بلا میں دل کو
خود کھنچا جاتا ہے اُس زلف چلیپا کی طرف

دوستوں نے انھیں حضرت کو خضر سمجھا ہے
انکی چالیں تو لیے جاتی ہیں اعدا کی طرف

جوش گریہ ہے یہ کیوں موسم پیری میں مجھے
لوگ جاڑوں میں تو کم جاتی ہیں دریا کی طرف

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک
بے خوف میں کہتا ہوں اُسے یعنی خدا ایک

تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک

کہتے ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب
دس پانچ نہیں مجھ کو دکھا دو تو بھلا ایک

اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب
صف ہو گی شکستہ جو کہیں رخ نہ رہا ایک

یارب رہے جمعیت مسلم یوں نہیں قائم
رخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

پہونچی نگاہ عقل رسا دور دور تک
لیکن نہ جا سکی کبھی اوج حضور تک

جام مئے الست سے ایسی تھی بیخودی
ہستی کا اپنی حس نہ ہوا نفخ صور تک

کھنچی ہے ہم پر اُس سفاک کی تیغ ستم اب تک
یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامئ دیں ایک
قوت کو جو پوچھو کہیں وہ دل بھی نہیں ایک

دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا
باقی ہے مرے پاس فقط جان حزیں ایک

ہر ایک کو دو تم نے کیا تیغ ستم سے
اب رہ گئے ہو عرصۂ ہستی میں تمھیں ایک

کیا جانئے سید تھے حق آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

منطق بھی تو اک چیز ہے اے قبلہ و کعبہ
افلاک تو اس عہد میں ثابت ہوئے معدوم
کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ
مرنا بھی ضروری ہے خدا بھی ہے کوئی چیز

دے سکتی ہے کام آپ کی واللہ کہاں تک
اب کیا کہوں جاتی ہے مری آہ کہاں تک
آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک
اے حرص کے بندو ہوس جاہ کہاں تک

تحسین کے لائق ترا ہر شعر ہے اکبرؔ
احباب کریں بزم میں اب واہ کہاں تک

مل گیا شرع سے شراب کا رنگ
چلدیے شیخ صبح سے پہلے
پائی ہے تم نے چاند سی صورت
صبح کو آپ ہیں گلاب کا پھول
لاکھ جانیں نثار ہیں اس پر
ٹکٹکی بندھ گئی ہے بوڑھوں کی
جوش آتا ہے ہوش جاتا ہے

خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ
آسمانی رہے نقاب کا رنگ
دوپہر کو ہے آفتاب کا رنگ
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

رند عالی مقام ہے اکبرؔ
بو ہے تقوی کی اور شراب کا رنگ

عزیزانِ وطن سوچیں سولسروس سے کیا حاصل
نہ سحر چشم جاناں ہے نہ لطفِ غمزۂ ساقی

یگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا حاصل
تو پھر صحن چمن میں دیدۂ نرگس ہے کیا حاصل

نہو اور اک خالق کا نہ ابھرے شوق طاعت کا
تو ایسے ذہن سے اکبرؔ اور ایسے حس سے کیا حاصل

گو چکاچوند کا عالم ہے نئی روشنی میں
رغبت کفر سے اللہ بچائے سب کو

ہے مگر پیش نظر عرش کا تارا اسلام
نور افگن رہے ہر سینہ میں پیارا اسلام

انکی خواہش مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں،
انکے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ

میں تو کرتا ہوں دعا لائیں نصارا اسلام
میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الفتِ احمد کو نہ چھوڑے اے اکبرؔ
منحصر ہے انھیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

قرار نہیں ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا ہے کہو تو صنم
فراق کی شب نہو گی سحر اجل سے کہو کہ آئے ادھر
خوشی بھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے

اٹھو بھی لبِ اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم
عذاب میں ہوں نجات ملے کہاں تلک اب سہوں میں ستم
نکل چکی دلکی ساری ہوس نظر میں ہے اب سواد عدم

ہوئے ہیں مست مئے عاشقی کے جام سے ہم
نہیں کوئی شب تارِ فراق میں دلِ سوز
زمانہ جس کو مٹائے بھلائے خلق جسے
خوشی بہت ہے جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی
خوشامدی کو مبارک ہو رات دن چکر
اخیر عمر میں آیا ہمیں خیال آل
گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک
ہمیں ہے یاد وہ عہد الست اے غافل
چلا ہے فلسفہ لے کر ہمیں سوئے ظلمات
خیال یار میں الجھا ہوا ہے تار نفس
جبیں کے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی
اگر وہ کہتے ہیں املی تو ہم کہیں گے یہی
ملا نہ امن شبستان دہر میں دم بھر،
اب اور چاہیئے ہیٹو کے واسطے کیا بات

خوشا نصیب چھٹے عاقلی کے دام سے ہم
خموش شمع ہے خود جل رہے ہیں شام سے ہم
عبث ہے خوش ہوں جو ایسے نشان و نام سے ہم
ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم
یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم
بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم
کہ لطف اٹھاتے ہیں اُس بت کی رام رام سے ہم
بہل سکیں گے نہ دنیا کی دھوم دھام سے ہم
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپ بے لگام سے ہم
کبھی نہوں گے رہا عاشقی کے دام سے ہم
تمام ہو گئے اس ماہ ناتمام سے ہم
ضرور کیا ہے کریں بحث جا کے آم سے ہم
چراغ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم
یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم

نگاہ پیر مغاں کہتی ہے مریدوں سے
رہ سلوک میں واقف ہیں ہر مقام سے ہم

فلک کے دور میں ہارے ہیں بازیٔ اقبال
اگرچہ شاہ تھے بدتر ہیں اب غلام سے ہم

ہماری کوہ نوردی نہیں ہے بے معنی
کہ انس رکھتے ہیں اک کبک خوشخرام سے ہم

ہمیں خراب کرے گا خیال ابروے یار
مفر نہ پائیں گے اس تیغ بے نیام سے ہم

سنا ہے حلّت بادہ کا ہو گیا فتوا
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

لیے ہیں ہاتھ میں نامہ کھڑا ہے چپ قاصد
پتا ہے گھر کا نہ واقف ہیں انکے نام سے ہم

اشارہ کرتی ہے ساقی کی چشم مست اکبر
کہ دو جہاں کو بھلاتے ہیں ایک جام سے ہم

چھڑی اُٹھائی خموشی سے چل دیے اکبر
سفر میں رکھتے نہیں کام ٹیم ٹام سے ہم

دل مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
امیدیں اسقدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں

مری بیتابیاں بھی جزو ہیں اک میری ہستی کی
یہ ظاہر ہے کہ موجیں خارج از دریا نہیں ہوتیں

وہی پریاں ہیں اب بھی راجہ اندر کے اکھاڑے میں
مگر شہزادۂ گلفام پر شیدا نہیں ہوتیں

یہاں کی عورتوں کو علم کی پروا نہیں بیشک
مگر یہ شوہروں سے اپنے بے پروا نہیں ہوتیں

تعلق دل کا کیا باقی میں رکھوں بزم دنیا سے
وہ دلکش صورتیں اب انجمن آرا نہیں ہوتیں

ہوا ہوں اسقدر افسردہ رنگ باغ ہستی سے
ہوائیں فصل گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں

قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں

اُن کا گھر چھوڑ کر کہاں جاؤں
دل ہی کیساتھ میں ٹھہرتا ہوں

ہوں اسیر طلسم بحر فنا
نقش بر آب ہی میں بھرتا ہوں

بحر ہستی میں ہوں مثال حباب
مٹ ہی جاتا ہوں جب اُبھرتا ہوں

اتنی آزادی بھی غنیمت ہے
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں

لن ترانی نہیں ہے مانع عشق
میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں

آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج
شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دل میں جو آئے کہہ گزرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہر تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہیں

کشتی دل کی الٰہی بحر ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستان عشق یار
سونے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب مجھ کو پتا ملتا نہیں

صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں

سخت طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشان نقش پا ملتا نہیں

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں
زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیے
کہہ دو بے اسکے جوانی کا مزا ملتا نہیں

اہل ظاہر جسقدر چاہیں کریں بحث و جدال
میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن
ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں

منزل عشق و توکل منزل اعزاز ہے
شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں

بار تکلیفوں کا مجھ پر بار احساں سے ہے سہل
شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

چاندنی راتیں بہار اپنی دکھاتی ہیں تو کیا
بے ترے مجھ کو تو لطف اے مہ لقا ملتا نہیں

معنیٔ دل کا کرے اظہار اکبر کس طرح
لفظ موزوں بہر کشف مدعا ملتا نہیں

کسقدر بے فیض ان روزوں ہوئے دہر ہے
بوئے گل کو دامن باد صبا ملتا نہیں

فیض باطن سے مدعی عشق کا ہو جائے مرید
اہل ظاہر کے ملائے تو خدا ملتا نہیں

ڈھونڈھتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینان دل
کچھ بھی لیکن داغ حسرت کے سوا ملتا نہیں

نیشنل وقعت کے گم ہونیکا ہے اکبر کو غم
آفیشل عزت کا اُس کو کچھ مزا ملتا نہیں

دل کی ہمدردی سے کچھ تسکین ہوتی تھی مگر
اب تو اُس مظلوم کا بھی کچھ پتا ملتا نہیں

بیکسی میری نہ پوچھ اے جادۂ راہ طلب
کارواں کیسا کہ کوئی نقش پا ملتا نہیں

اسکو ارباب طریقت میں کروں میں کیا شمار
آپ کی زلفوں سے جس کا سلسلہ ملتا نہیں

جب کہا میں نے مرا دل مجھ کو واپس کیجیے
ناز و شوخی سے وہ بولے کھو گیا ملتا نہیں

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ
اور جو ملنے جاتا ہوں مرد خدا ملتا نہیں

یوں کہو مل آؤں اُنسے لیکن اکبر سچ یہ ہے
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

پھر اور کون ہوگا جو آئے ہمارے کام
ہو گئے شریک حال ہمارے نہ جب تمھیں

دنیا کے انتظام پہ اکبر نہ ہو ملول
انصاف یہ نہیں ہے کہ پا جاؤ سب تمھیں

یہ فقط نہیں ہے کافی کہ مرا مزاج پوچھیں
مرے درد دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں

تھا زمانہ کل موافق مجھے پوچھتا تھا ہر اک
میں تو انکو دوست سمجھوں کہ جو مجھ کو آج پوچھیں

جنھیں تیری لو لگی ہے وہ جہاں سے بے خبر ہیں
نہ وہ مال و جاہ ڈھونڈیں نہ وہ تخت و تاج پوچھیں

جو مرض ہے ہمکو لاحق وہی شرط زندگی ہے
جو نہ چاہیں اپنا جینا تو کوئی علاج پوچھیں

نہ خود اُن کو لکھ عریضہ نہ کر انتظار اکبر
اُنھیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماچ کی دھن

یہ کلاک اچھے سروں میں تو بجا کرتی ہے
مفت پیدا ہوئی ہے آپکو کیوں واچ کی دھن

نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتین کو شرم
ساز مغرب سے مگر ہو گئی اب ناچ کی دھن

کبھی دل کی ترنگ کا رنگ یہ ہے کہ میں سارے جہان کو پیار کروں
کبھی طبع میں موج سماتی ہے یہ کہ خود اپنی خودی سے بھی عار کروں

مجھے پیاری اگرچہ ہے جان حزیں مگر اس سے سوا یہ عزیز نہیں
وہ گھڑی بھی تو آئے کہ پاؤں انھیں اور انھیں پہ میں اسکو نثار کروں

کبھی غنچہ ہے یہ کبھی شعلہ ہے یہ کبھی آئینہ ہے کبھی قطرۂ خوں
یہ ہے صفحۂ دہر پہ دل کا جو رنگ اسے کونسی شے میں شمار کروں

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
یاں زن نہیں زمین نہیں اور زر نہیں

مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں

اقرار وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے
مجھ سے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں

ہنگامۂ محشر کا تو مقصود ہے معلوم
دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں

جس سے دل رنجور کو پہونچی ہے اذیت
پھر اسکا طلبگار ہے معلوم نہیں کیوں

اے گل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن
پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں

افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی
ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں

انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے
اکبر جگر افگار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جاں اہل جہاں دیتے ہیں اکبر
پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

بھولے پن سے پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں
اس محل پر راز دل ہم اُن پہ ظاہر کیا کریں

ہیں کلکٹر نزع میں عملے کھڑے ہیں دم بخود
جب خدا ہی ہو گیا حاضر تو ناظر کیا کریں

انکی آنکھوں کی خطا کیا خود ہیں ہم الفت میں مست
نمتیں کیں ہاتھ جوڑے سر قدم پر رکھ دیا

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
ہر ملک ادھر تو قحط زدہ اُسطرف یہ وعظ
ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حُسن مِس فرنگ
چھوٹا اگر میں گردش تسبیح سے تو کیا

صبا نے دفتر گل کے بہت ورق اُلٹے
ہیں خاک میں بھی اگر مل گیا تو کیا اُمید
خیال ایسا نہ فرمائیے مری نسبت

ہجر کی رات یوں ہو نمیں حسرت قد یار میں
دل ہی ملول فرقت قامت بُتِ یار میں
سوز نہاں ہے فرقت شمع جمال یار میں
کیا میں خوشی سے ہوں بسا کوچۂ زلف یار میں
ہونے دے انقلاب چرخ کوہ الم کو لے اٹھا
پایا ہوائے دھر کو دشمن انبساط دل
کردیا ایسا زار و خشک منزل عشق نے مجھے
آئی نسیم باغ میں میرے یہاں نہ آئے تم
مستی عشق کا مزا عہد شباب ہی میں ہی
مہر کرم نے آپ کے ذرّہ نوازیاں یہ کیں
تم تو بھلا کے وعدے کو شام ہی پڑ کے سو رہی
سینے سے تیرے متصل شاید اسے قرار ہو

آپ ہم ایمان چھوڑیں تو یہ کافر کیا کریں
پھر بھی ہی تیوری چڑھی ہمپر اب آخر کیا کریں

افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں
کٹتے وہ کھا کہ پیٹ بھرے کر پان سیر میں
بچ بھی گئے تو ہوش اُنھیں آئیگا دیر میں
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

مگر وہ بوُئے معانی روے یار کہاں
وہ آستانہ کہاں اور مرا غبار کہاں
بھلا حضور کہاں اور یہ خاکسار کہاں

جیسے لحد میں ہو کوئی حشر کے انتظار میں
بھاڑ میں جائیں سرو و گل آگ لگے بہار میں
آگ سی ہی لگی ہوئی رشتۂ جان زار میں
کوئی بلا میں کیوں پھنسے دل ہو جو اختیار میں
وزن مگر سبک نہو دیدۂ اعتبار میں
کھلتے ہیں کب گل مراد گلشن روزگار میں
خار چبھی گا مجھ میں کیا میں ہی چھپا ہوں خار میں
لالہ و گل بہت کھلے دل نہ کھلا بہار میں
بادہ کشی کا لطف اگر ہے تو فقط بہار میں
بات تو ورنہ کچھ نہ تھی بندۂ خاکسار میں
جاگا کیا میں صبح تک حسرت و انتظار میں
گوندھ لے میرے دلکو بھی اپنے گلے کے ہار میں

رنگ جہاں کیساتھ کاش میری بھی ہو یونہیں بسر
وقعت ریش شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یقیں
کھلنے پہ آئی ہے کلی بلبلوں کو ہے بیکلی
ذکر مرا ہے کو بکو پھیلی ہے بات چار سو
سینے میں کیوں خلش ہی یہ جانیں کیوں طپش ہی یہ
الفت زلف قہر ہی حق میں ہمارے زہر ہی
بھونرے ہیں مست بوئے گل تیتریاں ہیں سوئے گل
سنبل تر پہ خوب ہے جلوۂ شبنم لطیف
دور شراب لالہ فام کیوں نہو لالہ زار میں
باد صبا کا ناچ ہو نغمہ سرا ہوں بلبلیں
ہو اثر سرورمی کیف میں ہو ہر ایک سے
آنکھ کی ناتوانیاں حُسن کی لن ترانیاں
عشق میں نفع ہے ضرر اشک گریں تو ہی گہر
عشق ہو کسطرح نہاں لب پہ ہی غم کی داستاں

جیسے گل و نسیم کی نبھ گئی چاہ پیار میں
خرمن خس بھی شرط ہی گلشن اعتبار میں
حسن تو ہے اُبھار پر عشق ہی انتظار میں
آتی ہی کچھ جنوں کی بو بیٹھا ہوں کوئے یار میں
عقل کی سرزنش ہی یہ دل کو رکھ اختیار میں
بحر بلا کی لہر ہے روح ہے انتشار میں
سب کو ہی جستجوئے گل موسم خوشگوار میں
زلف پری کے تار میں گوہر آبدار میں
کچھ تو مرا ہو زیست کا کچھ تو کھلیں بہار میں
شاخ کی گود میں ہوں گل وہ ہوں مرے کنار میں
دل میں ہو زمزموں کی لے بول انجبس تار میں
پھر بھی ہیں جانفشانیاں کوچۂ انتظار میں
یاں تو ہیں پارۂ جگر لعل کے اعتبار میں
کہنے میں اب نہیں زباں دل نہیں اختیار میں

بی بہرہ ہیں نور سے وہ آنکھیں جو تیرے لئے غمناک نہیں
بیگانہ سر درسے ہو وہ دل جو تیرے لئے غمناک نہیں
اس خیرہ نظر کا شوق جو ہو آنکھوں کو تو اپنی اشک سے دھو
رشتہ تو بتوں سے الفت کا قائم ہی ہی دل میں مدت سے
ہی مستی عشق نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں دل سے
صورت کی ہی امنیں جلوہ گری معنی سے ہی بالکل بیخبری
پلٹیں یہ نگاہیں لاکھ طرح خود اپنی مشاہد ہو نہ سکیں

سر وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں
سر وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں
بڑا اسکے طہارت دلکی نہیں بڑا اسکی نگاہیں پاک نہیں
زنار یہ بتنی باقی ہی اسمیں بھی مجھے کچھ باک نہیں
حاجت نہیں مے کی میرے لئے انگور کی مجھکو تاک نہیں
ہیں کام تو انکے صاف بہت نیکی مگر یہ پاک نہیں
کیا اصل و حقیقت ہی میری ادراک کو یہ ادراک نہیں

ان مدعیوں کا طرز عمل اکبر یہ شہادت دیتا ہے
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں سمجھے یہ مگر کچھ خاک نہیں

پیش کردینا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں
لیکن ان کو رنج ہوگا مجھ کو کچھ حاصل نہیں

عاشقوں کی زیست پر کیونکر نہ رشک آئے مجھے
زندگی کی بھی مزے پھر موت سے غافل نہیں

کیا طریق طالب دنیا کی جانب رخ کروں
دل کو ہو جسمیں سکوں ایسی کوئی منزل نہیں

قوم میں گو علم پھونکے بھی ہوائے زندگی
جان کیا پیدا ہو جب دو شخص بھی یکدل نہیں

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمھیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

حضرت ہوش ہیں گو دل کے وفادار رفیق
آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

تخت کے قابض وہی دیہیم انکے ہاتھ میں
ملک ان کا رزق کی تقسیم انکے ہاتھ میں

برق کی صورت پہونچتا ہے طبائع پر اثر
آ گیا تار امید و بیم انکے ہاتھ میں

ہم کو سایے پر حزیں وہ دھوپ میں مصروف کار
بس یہ ہے اپنی نظر اور سیم انکے ہاتھ میں

صبر باقی ہے نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اور تعظیم انکے ہاتھ میں

شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں کہتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم انکے ہاتھ میں

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم ان کے ہاتھ میں تعلیم انکے ہاتھ میں

خوب تر ہے سے ہیں انکے دلمیں اخلاقی اصول
گو نہیں ہے دین ابراہیم انکے ہاتھ میں

جج بنا کر اچھے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوش نما دو جیم انکے ہاتھ ہیں

مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی
ایک دن دیکھینگے ہفت اقلیم انکے ہاتھ میں

دلیلیں فلسفہ کو نور باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

ضروری چیز ہے اک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں

طلب کر دین سے اے محو نیچر جوش باطنی
صدائیں مرغ کی کار موذن کر نہیں سکتیں

یہاں کی زینتیں راحت رساں ہیں چشم غافل میں
اگر حق جو کے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

الجھ نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں
اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے و[illegible]

سامنے وہ تھے تو کہتا حالت دل کس طرح
ہوش میں اسوقت میں اے م[illegible]

دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا
آج تک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں

کرلیا ہمنے ازل میں شوق سے عہد الست
پیش چشم اسوقت یہ دیر و برہمن تھا کہاں

دہر میں خار تعلق سے الجھتا کس طرح
کر چکا تھا میں جنوں کو نذر دامن تھا کہاں

سچ ہے کسی کی شان یہ سائے نازنیں نہیں
تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں

میں نے دفور شوق میں شاید سنا نہو
یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں

ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شب وصال
دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں

دست جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا
دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

کیا زور طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض
کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں

میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں
جب تم ہو پیش چشم تو پھر میں کہیں نہیں

میری نگاہ شوق کا اللہ رے اثر
معشوق بھو لجاتے ہیں اپنی نہیں نہیں

جب سے گناہ چھوڑ دیئے سب کھسک گئے
اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا
سچ پوچھیے تو اس کو خدا پر یقیں نہیں

طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثل ماہ
نور جبیں کہاں ہو جو داغ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب
گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں یہیں زیر زمیں تو کچھ نہیں
زندگی جب تک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور
میں یہ کہتا ہوں کہ اے حضرت یہیں تو کچھ نہیں

کار دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو
لیکن اسکے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں

ان کا گھر اور ان کی باتیں دیکھ کر کہنا پڑا
قصر عالی شان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

ان مدعیوں کا طرز عمل اکبر یہ شہادت دیتا ہے
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں سمجھے یہ مگر کچھ خاک نہیں

پیش کر دینا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں
لیکن اُن کو رنج ہو گا مجھ کو کچھ حاصل نہیں

عاشقوں کی زیست پر کیونکر نہ رشک آئے مجھے
زندگی کر بھی مزے پھر موت سے غافل نہیں

کیا طریق طالب دنیا کی جانب رخ کروں
دل کو ہو جسمیں سکوں ایسی کوئی منزل نہیں

قوم میں گو علم پھونکے بھی ہوائے زندگی
جان کیا پیدا ہو جب دو شخص بھی یکدل نہیں

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اُس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمھیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

حضرت ہوش ہیں گو دل کے وفادار رفیق
آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

تخت کے قابض وہی دیہیم اُنکے ہاتھ میں
ملک اُن کا رزق کی تقسیم اُنکے ہاتھ میں

برق کی صورت پہونچتا ہے طبائع پر اثر
آگیا تارِ امید و بیم اُنکے ہاتھ میں

ہم کو سایے پر حزیں وہ دھوپ میں مصروف کار
مس پہ ہے اپنی نظر اور سیم اُنکے ہاتھ میں

صبر باقی ہے نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اور تعظیم اُنکے ہاتھ میں

شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں کہتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم اُنکے ہاتھ میں

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم اُن کے ہاتھ میں تعلیم اُنکے ہاتھ میں

خوب تر ہمسے ہیں اُنکے دلمیں اخلاقی اُصول
گو نہیں ہے دین ابراہیم اُنکے ہاتھ میں

نج بناکر اچھے پھولوں کا لبھا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوش نما دو جیم اُنکے ہاتھ میں

مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی
ایک دن دیکھینگے ہفت اقلیم اُنکے ہاتھ میں

دلیلیں فلسفہ کو نور باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

ضروری چیز ہے اک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں

طلب کر دین سے اے محو نیچر جوش بامعنی
صدائیں مرغ کی کار مؤذن کر نہیں سکتیں

جہاں کی زینتیں راحت رساں ہیں چشم غافل میں
مگر حق جو کے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

کچھ نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں
اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں

سامنے وہ تھے تو کہتا حالت دل کس طرح
ہوش میرا اسوقت میں اے مشفق من تھا کہاں

دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا
آجتک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں

کر لیا ہمنے ازل میں شوق سے عہد الست
پیش چشم اُسوقت یہ دیر و برہمن تھا کہاں

دہر میں خار تعلق سے اُلجھتا کس طرح
کر چکا تھا میں جنوں کو نذر دامن تھا کہاں

سچ ہے کسی کی شان یہ اے نازنیں نہیں
تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں

میں نے وفور شوق میں شاید سنا نہ ہو
یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں

ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شب وصال
دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں

دست جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا
دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

کیا زور طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض
کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں

میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں
جب تم ہو پیش چشم تو پھر میں کہیں نہیں

میری نگاہ شوق کا اللہ رے اثر
معشوق بھو لجاتے ہیں اپنی نہیں نہیں

جب سے گناہ چھوڑ دئے سب کھسک گئے
اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا
سچ پوچھیے تو اُس کو خدا پر یقیں نہیں

طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثل ماہ
نور جبیں کہاں ہو جو داغ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب
گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں یہیں زیر زمیں تو کچھ نہیں
زندگی جب تک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور
میں یہ کہتا ہوں کہ اے حضرت یہیں تو کچھ نہیں

کار دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو
لیکن اسکے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں

ان کا گھر اور ان کی باتیں دیکھ کر کہنا پڑا
قصر عالی شان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

ہوائے نفس کا طوفاں ہے بحرِ زندگانی میں
نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں

حباب آسا رہی وقعت جو ابھرا زندگانی میں
سکونِ قلب کی دولت کہاں دنیائے فانی میں

تری پاکیزہ صورت کر رہی ہے حسنِ ظن پیدا
اجل کی نیند آ جاتی ہے آخر سننے والے کو

نسیم صبحگاہی نکہتِ گل سے ہے بے پروا
حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گذرا

نہ پوچھ اے ہمنشیں وہ قصۂ عیش و طرب ہمسے
کمر کا کیا ہوں عاشق کھلگئی زلف دراز انکی

اُسی صورت میں دلکش خوبی الفاظ ہوتی ہے
زبان حال سے پروانۂ بسمل یہ کہتا ہے

فلک نے مضمحل کر کے ہمیں خس کر دیا آخر

خدا محفوظ رکھے کشتیِ دل کو جوانی میں
حباب آسا مٹا اُبھرا جو بحرِ زندگانی میں

عبث ہے خود نمائی کی ہوا اس بحرِ فانی میں
بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں

مگر آنکھوں کی مستی ڈالتی ہے بدگمانی میں
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کہانی میں

مگر گیسو ترے مصروف ہیں عنبر فشانی میں
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

کسے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی میں
مگر خود پڑ گئی ہے اک بلائے آسمانی میں

کہ حسن یار کا پیدا کرے جلوہ معانی میں
حضوری ہو اگر حاصل مزا ہے نیم جانی میں

بہے جاتے ہیں بے مقصود بحرِ زندگانی میں

ادائے شکر کرکے احتراز اولیٰ ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں ان کی مہربانی میں

پریشاں ہوش کو کرتے ہیں کڑی دو لکے کرتے ہیں
حریفوں سے لگاوٹ کرتے ہیں آپسمیں لڑتے ہیں

خوشامد کرتے ہیں غیر قومی اور آپسمیں لڑتے ہیں
بزرگوں سے عداوت دوستی بادہ فروشوں سے

اُلجھنا زلف مغرب میں دکھاتا ہے رہ دُنیا
تعجب نخوت اہل زمیں پر مجھ کو آتا ہے

مگر عاقل بھی ہیں کرتے ہیں جو کچھ ملکے کرتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں
اور اسپر مدعی تہذیب کے بنکر اکڑتے ہیں

مگر دینی مقاصد میں ہزاروں پیچ پڑتے ہیں
اسپر کیوں اکڑتے ہیں کہ جسمیں مرکے گڑتے ہیں

ہمارا جوش میں آنا دکھا ہی دیگا رنگ اپنا
ابھی اس میکدے میں ہم پڑے گوشے میں سڑتے ہیں

تحیّر آپ کی غزلوں پر آتا ہے مجھے اکبر
بتوں پر آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

ضرورت جب نہیں پھر طبع کا کیوں رُخ بدلتے ہیں
عوض قرآں کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاروں میں

ہمارا داغ دل کرتا ہے روشن بزم معنی کو

چمن ہوتے ہوئے بیفائدہ کانٹوں میں چلتے ہیں
جہاں تھے حضرت آدم وہاں بندر اچھلتے ہیں

تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غمزوں سے جلتے ہیں

واعظ ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
موسیقی و شراب و جوانی و حسن و ناز

ہم پوچھتے ہیں عالم ہستی میں آئے کیوں
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

حاصل انھیں کیا ایک ہے جو افسانۂ حسرت کہتے ہیں
ہے شاق جدائی آپکی اب دن رات پریشاں رہتے ہیں

ہے پاس شریعت بھی ہمکو ہیں عشق کی لہریں بھی دل میں

عاقل تو وہی ہیں اے اکبر جو سہتے ہیں اور چپ رہتے ہیں
ہم آپکو سجدہ جانتے ہیں دل سے ہیں فدا سچ کہتے ہیں

پابند ہیں ساحل مذہب کے دریا کی طرح سے بہتے ہیں

اکبر کی برائی اچھائی تو پوچھ محلے والوں سے
نظم اُنکی سنی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

وزن اب اُن کا معین نہیں ہو سکتا کچھ
داغ اب انکی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں

علم نے رسم نے مذہب نے جو لی تھی بندش
تسبیح کو وجد میں لائی ہیں پیانوں کی گتیں

برف کی طرح مسلمان گھلے جاتے ہیں
نئی تہذیب کی موجوں سے دھلے جاتے ہیں

ٹوٹی جاتی ہے وہ سب بند کھلے جاتے ہیں
پیچ دستار فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

تمھیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ محو حور جنت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو

مے گلگوں کی جانب دل بہت کھنچتا ہے اے اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

جس کو سارا قصۂ عہد جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہد پیری میں جو وہ ناشاد ہو

شوخ ایسا ہے کہ اُس بت کو اگر کافر کہو
ہنس کے کہتا ہے کہ پیار الفظ ہے یہ پھر کہو

جو کہو چھا جائے اُن آنکھوں پہ مستی کی طرح
فتنۂ دوراں کہو ساقی کہو ساحر کہو

قیمت دل سنکے کہتے ہو کہ سودا ہے مجھے
خیر سودا ہی سہی تم بھی تو کچھ آخر کہو

خوشدلی عشق میں دستور یہی ہے کہ نہ ہو
ہاں اور اُن کو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہو

مرض عشق بھی کیا چیز ہے جس کی صحت
آرزوئے دل رنجور یہی ہے کہ نہو

جلایا دل کو تڑپایا جگر کو
خدا رکھے سلامت اس نظر کو

دل سوزاں کی گرمی بڑھتی ہے اور
خدا کے واسطے پہلو سے سرکو

جوانی مار ہی رکھتی ہے اکبر
سنبھالو دل کو یارو کو نظر کو

آبرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو
ناک رکھتے ہو تو تیغ تیز سے ڈرتے رہو

ہو مصیبت تو نہیں کچھ خوف سیل اشک سے
عیش ہو تو نفس طوفاں خیز سے ڈرتے رہو

دید نرگس سے چمن میں لطف اُٹھاؤ بے خطر
لیکن اُس چشم جنوں انگیز سے ڈرتے رہو

تا بہ سینہ گردنیں جھکنے لگیں تسلیم کو
درد دل اُٹھا خیال یار کی تعظیم کو

گردن محراب مسجد خم ہوئی تسلیم کو
اُٹھی آواز اذاں اسلام کی تعظیم کو

طفل دل نے مکتب ادراک میں رکھا جو پاؤں
عشق پیدا کر دیا اللہ نے تعلیم کو

فہم و ادراک میں ہو عقل میں ہو جان میں ہو
حق تو یہ ہے کہ تمہیں جلوہ گر انسان میں ہو

ہاتھ ہو کام میں اور دل ترے ارمان میں ہو
ہے یہی طرز عمل خوب جو امکان میں ہو

میں تو سو جان سے مرتا ہوں مری جان تم پر
تم مری جان بچاؤ اگر امکان میں ہو

چاند پیارا ہے تو کیا اس سے سوا پیارا ہے
صحن میں بیٹھوں میں کیوں یار جو دالان میں ہو

پیاری صورت پہ تو انساں کو آنا ہی ہے پیار
دل کو روکیں کوئی صاحب اگر امکان میں ہو

حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو
بند کرلے مگر آنکھیں اگر انسان میں ہو

جھوٹ سے نفرت کلی ہو طمع سے پرہیز
ہو نہ کچھ اور پر اتنا تو مسلمان میں ہو

دل جہاں ہو گا وہاں عشق بھی ہو گا پیدا
خواہ افریقہ میں ہو خواہ پرستان میں ہو

ہے غلامی ہی جو قسمت میں تو ہو لطف کے ساتھ
کہہ نہ ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو

آپ کی آنکھ میں کس نے یہ بھرا ہے جادو
اسکا ایما ہے کہ لغزش مرے ایمان میں ہو

کاہلی اور توکّل میں بڑا فرق ہے یار
اُٹھو کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو

ٹھیک ہو دل کی جو نسبت تو اثر دیں نالے
سُر میں آواز ہو اکبر تو مزا تان میں ہو

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دل حزیں نہ ہو
میرا ہی حال دیکھ لے جس کو یقیں نہ ہو

گرم نظّارہ ہر اک سمت سر راہ نہو
رہزن عقل کوئی صورت دلخواہ نہ ہو

شارح معنی حُسن بت دلخواہ نہ ہو
فہمیں قاصر ہوں خلقت کہیں گمراہ نہ ہو

یار کے دل میں اثر ہو یہ ہے مقصود کلام
اسکی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہ ہو

یہ چمک اسکی ہے اے جان تمھارے دم سے
تم جو پہلو میں نہ ہو لطف شب ماہ نہ ہو

قلقل شیشہ کو سنیئے تو ذرا حضرت شیخ
دیکھئے تو کہیں اس قل میں ہو اللہ نہ ہو

جانتا ہوں میں شب وصل کی کوتاہی کو
یہ دُعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو

یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی واللہ نہ ہو

اِک زمانہ ہے مرے قصۂ غم سے واقف
اس کا باعث جو ہے شاید وہی آگاہ نہ ہو

بے رُخی اُس بُت کمسن کی نہیں باعث یاس
نظر شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو

کیوں گلابی کے عوض پہنا ہے جوڑا کاہی
طعنہ زن گل پہ مری جان کہیں کاہ نہ ہو

شیخ کہتا ہے بُرائی بُت خوش رو کی کرو
دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

چشم کافر کا اشارہ ہے کہ ایماں کیسا
یہ چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو

اِک ترحّم کی نظر یار نے کی ہے آخر
دل سے نکلے تو کہاں تک اثر آہ نہ ہو

ق

اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیہ میں جام شراب
اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند
جوشش گریۂ پیہم کا ہو باعث رُخ یار
ہو نمود اور حسینوں کی پہلے جائیں جو آپ
میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہوں جنت میں
دست کا دوست نہو جو۔ وہ مراد شمن ہے
سالک راہ محبت کو خرد سے کیا کام
خرچ کیسا ہیں فقط جمع کے شائق احباب
گل پہ بلبل بھی فدا باد صبا بھی صدقے
نرگس مست تری قاتل عالم نکلی
پھر جو آئی ہے شب ہجر تو آجائے اجل
منتوں کی اُدھر افراط ادھر کھٹکوں کی
زلف ابجد کی کہیں نفی نہ کر دے ہندی
مرد آزاد ہوں مجھ سے یہ تکلف کیسا
دسترس صید پہ حاصل نہ تجھے ہو خواہ نہو
ذوق آرام بجا شوق تعلّے بیجا
دل کو بے عشق حقیقی نہیں ہوتی حرکت
خیر خواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
محو کیں رہے نفرت ہو سبک وضعی سے
شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال
یا قدم منزل یوسف میں نہ رکھ اے طالب

شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو
غالبًا جاڑے دل میں یوں بھی انھیں اکراہ نہ ہو
جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو
رونق آجائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو
نہ ملے مجھ سے وہ۔ اسکا بر ہی خواہ نہ ہو
وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو
میں تو خوش ہوں اگر افزایش تنخواہ نہ ہو
صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو
کہیں صیاد اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو
ایسی تکلیف نہ مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو
ڈھونڈھوں وہ شہر کہ جسمیں کوئی درگاہ نہ ہو
لام کی جا کہیں لا اسے مرے اللہ نہ ہو
بس مرے ساتھ تو یہ واللہ دباللہ نہ ہو
شیر ہی بن کے نکل صورت رُوباہ نہ ہو
طلب رزق ہو لیکن ہوس جاہ نہ ہو
وہیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھاہ نہ ہو
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو
صورت کوہ ہو انساں صفت کاہ نہ ہو
کفر ہی جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو
یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

بند کر بیٹھا ہو آنکھیں جو تمھاری دھن میں ۔۔۔ کیا عجب شور قیامت سے بھی آگاہ نہ ہو
ہے اگر منزل راحت کی تلاش اے اکبر ۔۔۔ وہ جگہ ڈھونڈھ تمنا کی جہاں راہ نہ ہو

تم اگر چاہو برائی نہ کسی کی اکبر
پھر تمھارا بھی جہاں میں کوئی بدخواہ نہو

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو ۔۔۔ یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو
شیخ صاسب کا تعصب ہے جو فرماتے ہیں ۔۔۔ اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو
یہ سوال ان کا ہے البتہ بہت بامعنی ۔۔۔ کہ سمجھ بوجھ کے قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو
دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو ۔۔۔ مذہبی درس الف بے ہو علیگڑھ سے تے ہو

بہت رہتی ہے حیراں دیکھ کر گو تیری قدرت کو ۔۔۔ ادا کرتی نہیں چشم تماشا حق حیرت کو
بہت خوش ہے کہ قد لعبت چیں کے مطابق ہے ۔۔۔ ہمارے طفل دل نے کھیل سمجھا ہے قیامت کو

سب ہو چلے ہیں اس بت کافر ادا کیساتھ ۔۔۔ رہ جائیں گے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ
جادو کیا یہ کس بت کافر نگاہ نے ۔۔۔ اسلام میں وفا نہ رہی اتقا کے ساتھ
خواب اجل ہی نیند کے بدلے اب آئیگا ۔۔۔ دیوانہ کر دیا نہ مجھے اک شب سلا کے ساتھ
واعظ کے اعتراض سے تنگ آ گیا ہوں میں ۔۔۔ اسکو بھی دیکھ لو کبھی تم اک ادا کے ساتھ

اکبر دعا کا ذوق ہو کیونکر نصیب دل
اُٹھے نہ درد دل بھی جو دست دعا کیساتھ

کرتے ہو تم خوشامد دنیا بڑھا کے ہاتھ ۔۔۔ اللہ کی طرف نہیں اُٹھتے دعا کے ہاتھ

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ ۔۔۔ وہ بھی ہے بُری ہو جو ضرورت سے زیادہ
اے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سُن لے ۔۔۔ سیرت پہ نظر چاہیے صورت سے زیادہ
سید سے علی گڈھ میں یہ جا کر کوئی کہدے ۔۔۔ ہے تجھ کو طلب قوم کی قسمت سے زیادہ
مجھ رند سے اسدرجہ نہو محترز اے شیخ ۔۔۔ تو پاک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

3775

اک بوسہ پہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ ۔ سمجھے کہ کسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

عشق بتاں میں اکبر ناداں تیری یہ حالت توبہ توبہ ۔ ایسے مسلم فخر حرم کی دیر میں ذلت توبہ توبہ
دیوانوں سی شعر خوانی سب کا خلاصہ مجھ سے سنیے ۔ آپ کی صورت سبحان اللہ میری نیت توبہ توبہ
مذہب چھوڑو ملت چھوڑو صورت بدلو عمر گنواؤ ۔ صرف کلرکی کی امید اور اتنی مصیبت توبہ توبہ
ٹرک کھنچی ہے دست تجسس پر بوئے بد بھی آتی ہے اس سے ۔ ایسی چیز پہ بھائی صاحب آپکو رغبت توبہ توبہ

خرمن گل کو خزاں لیجائیگی اک بار باندھ ۔ آشیانہ یاں نہ تو اے عندلیب زار باندھ
شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ ۔ اے مسلماں سبحہ لے اے برہمن زنار باندھ
سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے ۔ مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ
خلق تجھ سے بیخبر ہے دے خبر خالق کو تو ۔ تار برقی گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار باندھ

بیکار شب کو یوں سر بستر پڑا نہ رہ ۔ اکبر جو تجھ کو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصد سکوت ۔ معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ
نام خدا بڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے ۔ چودہ شبیں وہاں ہیں تو یاں سال چاردہ
یہ عمر یہ جمال یہ جادو بھری نگہ ۔ پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

ٹٹو پہ جس طرح سے ہو تازی کا ساز بوجھ ۔ یوں بابوان ہند پہ ہے اب نماز بوجھ
کپتاں اپنی موج میں ہے ہم ہیں ڈوبتے ۔ واللہ قوم پر ہے یہ قومی جہاز بوجھ
منصور سر کٹا کے سبک دوش ہو گیا ۔ تھا سخت اسکے دل پہ انا الحق کا راز بوجھ

اکبر کے واسطے بھی وہی شرط پاس کی
ہر ایک پر نہ لادیئے بے امتیاز بوجھ

جو کردے حسن کو مشتاق و بیتاب ۔ غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ

سنا خون جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

آئینہ رکھدے بہار غفلت افزا ہو چکی ۔ دل سنوار اپنا جوانی خود آرا ہو چکی
خانۂ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر ۔ زینت و آرایش قصر معلّے ہو چکی
بیخودی کی دیکھ لذت کر کے ترک آرزو ۔ ہو چکی حد ہوس مشق تمنا ہو چکی
حسن مطلق کے تصور سے بھی لیدو اک جام ۔ روئے زیبا ہو چکا زلف چلیپا ہو چکی

چل بسے یاران ہمدم اٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر اکبر فکر دنیا ہو چکی

نکہت گل سے شمیم زلف یاد آ ہی گئی ۔ آج تو مجھ کو نسیم صبح تڑپا ہی گئی
بادۂ عرفاں کی مستی روح کو بھا ہی گئی ۔ عقل سر میں رہ گئی دل میں کچھ اور آ ہی گئی
اس جفا پر بھی طبیعت اس پہ بس آ ہی گئی ۔ اک ادا ظالم نے ایسی کی کہ وہ بھا ہی گئی
عاشقوں میں رسم عیش دنیوی رائج نہیں ۔ قیس کب دولھا بنا لیلی کہاں بیاہی گئی
اک لطافت قلب میں تھی عقل و حکمت کے سوا ۔ رہ گئے سب وہ مگر پرتو ترا پا ہی گئی
مختلف شکلوں میں آکر ہو گئی آخر ہوا ۔ ابر کی پھبتی مری امید پر چھا ہی گئی
عشوہ ہائے دشمن ایماں کا اک طوفان تھا ۔ دیکھ کر بت کو مگر یاد خدا آ ہی گئی
خوش نصیبی زال دنیا کی تعجب خیز ہے ۔ چاہے جانیکے نہ تھی لائق مگر چاہی گئی
مستی مے سے نظر آئی تھی تیغ بے نیام ۔ نشۂ عشق و جنوں سے پھر بھی شرما ہی گئی
سیکھ لو بدلی سے تم طرز عمل اے عالمو ۔ جو سمندر سے لیا تھا ہم پہ برسا ہی گئی
اپنے تمکین و تحمل پر بہت نازاں تھا میں ۔ اک بت کافر کی چشم مست تڑپا ہی گئی

رقص کرتی ہے صبا نغمہ سرا ہے بلبل ۔ شاہد گل کے لئے ناچ بھی ہے گانا بھی
ہر رکاوٹ کی وہ دھج ہے کہ تڑپ جاتا ہے دل ۔ کسی استاد سے تم سیکھے ہو شرمانا بھی
کچھ طرز ستم بھی ہے کچھ انداز وفا بھی ۔ کھلتا نہیں حال انکی طبیعت کا ذرا بھی
عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی ۔ ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی

ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی گلہ بھی
اب اسکو بھلادو کبھی اگر میں نے کہا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی

سالک کو دم تیغ ہے قطع رہ توحید
دو ہوگیا اک آن میں چوکا جو ذرا بھی

کچھ قدر نہ کی عہد جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامت زیبا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدمبوسی جاناں
لینے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

داڑھی پہ بھی واعظ کے ہے تلووں پہ بھی انکے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہی حنا بھی

باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینئ باطن سے ہی عزت
پامال نظر آتی ہے مجھ کو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھ کو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشق بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہوا ہوگا خدا بھی

نظر لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

چمن کی یہ کیسی ہوا ہوگئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہوگئی

عیادت کو آئے شفا ہوگئی
علالت ہماری دوا ہوگئی

وہ اُٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اٹھے
چلے تو قیامت بپا ہوگئی

پڑھی یاد رخ میں جو میں نے نماز
عجب حُسن کے ساتھ ادا ہوگئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت رسوا ہوگئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہوگئی

لگاوٹ بہت ہی تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہوگئی

میں ممنون ہوں وعدۂ یار کا
تسلی تو خیر اک ذرا ہوگئی

بتوں نے بھلایا جو دل سے مجھے
مرے ساتھ یاد خدا ہوگئی

اُنھیں نے عطا کی تھی جان حزیں
ہوا خوب اُنھیں پر فدا ہوگئی

مری روح تن سے جدا ہوگئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہوگئی

بہت دختر رز تھی رنگیں مزاج
نظر ملتے ہی آشنا ہوگئی

مریض محبت ترا مرگیا
خدا کی طرف سے دوا ہوگئی

نہیں تھی تو نام کمر کیوں ہوا
جو پیدا ہوئی تھی تو کیا ہوگئی

نہ تھا منزل عافیت کا پتا
قناعت مری رہنما ہوگئی

ملا میں بھی اک رات دنیا سے خوب
مرے گھر بھی یہ بیسوا ہوگئی

ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تری مہربانی جفا ہوگئی

گھٹی گو کہ رندی سے وقعت مری
طبیعت مگر بے ریا ہوگئی

گوارا نہ تھا ذکر خون جگر
مگر اب تو میری غذا ہوگئی

بتوں کو محبت نہ ہوتی مری
خدا کا کرم ہوگیا ہوگئی

اشارہ کیا بیٹھنے کا مجھے
عنایت کی آج انتہا ہوگئی

رہ معرفت میں جو رکھا قدم
خودی بھی بس اک نقش پا ہوگئی

کتاب حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر اک خبر مبتدا ہوگئی

وہ ساری امیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اُٹھی تھی ہوا ہوگئی

فلک سے مٹا دل کا سارا اُبھار
جو بدلی اُٹھی تھی ہوا ہوگئی

یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہوگئی

پھنسی جسم خاکی میں روح لطیف
اسیر کمند ہوا ہوگئی

دوا کیا کہ وقت دعا بھی نہیں
تری حالت اکبر یہ کیا ہوگئی

عاشق جو آستانۂ مشکل کشا کی ہے
تابش مری جبین پہ نور خدا کی ہے

حب علیؑ سے ہوگی دلوں کو شگفتگی
کلیوں کو احتیاج نسیم و صبا کی ہے

رو بہ مزاجیاں سگ دنیا کی دیکھیں
حسرت بس اب زیارت شیر خدا کی ہے

صورت شگفتہ ہر گل رنگیں قبا کی ہے
مستانہ چال باغ میں باد صبا کی ہے

ق

آزار ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشک و آہ
دنیا میں دھوم خوبی آب و ہوا کی ہے

پھولوں سے لو لگائے ہے باد صبا کی لے
دمساز تان بلبل شیریں نوا کی ہے

سبزہ لہک رہا ہے بصد انبساط طبع
سنبل میں آب یار کی زلف دوتا کی ہے

مرغان باغ وجد میں ہیں فرط شوق سے
ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ہوا کی ہے

آراستہ ہے ایک طرف بزم مومنیں
کثرت لبوں پہ حمد و درود و دعا کی ہے

پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اٹھے ملک
پیدائش آج حضرت مشکل کشا کی ہے

دل مرا اُن پہ جو آیا تو قضا بھی آئی
درد کے ساتھ ہی ساتھ اسکی دوا بھی آئی

آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا
میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی

وائے قسمت کہ مرے کفر کی وقعت نہ ہوئی
بت کو دیکھا تو مجھے یاد خدا بھی آئی

ہوس آغاز جوانی میں نگاہیں نیچی
نشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی

ڈس لیا افعی شام شب فرقت نے مجھے
پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

فارسی اُٹھ گئی اُردو کی وہ عزت نہ رہی
ہے زباں منہ میں مگر اسکی وہ قوت نہ رہی

بند کر اپنی زباں ترک سخن کر اکبر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی
شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹا دے اے دوست
قوت دل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

موقع بحث نہیں صاحب اقبال ہیں آپ
میری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

شب برات اچھی ہے ایجان نہ اچھی شب قدر
آپ حصے میں مرے آئیں وہی رات اچھی

ہم بغل شاہد دلجو ہو تو جاڑا اچھا
ہم نشیں ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

مائل ضبط بھی ہوں شایق فریاد بھی ہوں
جو پسند آپ کو آجائے وہی بات اچھی

فتنہ ان آنکھوں سے اُٹھا تو مچی واہ کی دھوم
سچ یہ ہے صاحب اقبال کی ہر بات اچھی

ہو نمود اپنی تو اندھیر کی پروا کس کو
کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی

آپ کے جور و ستم بھی ہیں دلآویز مجھے
چشم عاشق میں ہے معشوق کی ہر بات اچھی

بار خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد بُرا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

آپ کا خیر طلب لائق عزت نہ سہی
رحم ہی کیجئے للہ محبت نہ سہی

ہو رہو خاک در پیر مغاں اے اکبر
زندگی لطف سے کٹ جائیگی عزت نہ سہی

کر دیا کنج قناعت میں بسر اکبر نے
عزت دل تو سلامت رہی دولت نہ سہی

سکھائے طبیعت جس سے تری کہ شغل اپنا وراثت ہی
جو دل میں سمائی من بھائے ہے تیرے لئے حق بات وہی

کیا دیتا ہے اگلے وقتوں کو تہ کر دے تو اپنے نو جوانوں کو
بھٹکاتی ہیں جو انسے ہو الگ پھر ان ہی ہی اور بات وہی

دھرتی ذی جو بدرنگ لگ تو کیا تو اپنی نظر اوپر کو اٹھا
داتا کی کرم میں کیا ہے کمی بدلی ہے وہی برسات وہی

مری ناکامیابی کی کوئی حد ہو نہیں سکتی
صداقت چل نہیں سکتی خوشامد ہو نہیں سکتی

مری ہستی ہے خود شاہد وجود ذات باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نہیں ہاتھ آتی دولت نام رٹنے سے بزرگوں کے
ہجا سے جد کے ترکیب زبرجد ہو نہیں سکتی

نہایت خوشنما پتھر پڑے ہیں عقل پر اُن کی
جنھیں تسکین بے لعل و زمرد ہو نہیں سکتی

ترنم ساز ہستی کا تجھے کیا لطف دے غافل
تری روح آشنائے صوت سرمد ہو نہیں سکتی

بہار آتی ہے اے واعظ ابھی معذور رکھ مجھ کو
محل توبہ فصل گل کی آمد ہو نہیں سکتی

بری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن
کسی کو دیکھ کر اکبر میں جھکتا ہوں کسی در پر

طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی
نظر اپنی مرید طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اس بزم سے ممکن نہیں اکبر
کہ جس میں عزت نام محمد ہو نہیں سکتی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
کیا ہوا شمع حرم تو نے بجھا دی اے دوست

نہ دوا کی نہ سہی رخصت فریاد تو دی
دیر کے شعلہ زبانوں نے تجھے داد تو دی

بہر قرار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی
تو خوشامد کا ہے محو اور میں قناعت کا مرید
پالسی تیرے لئے میرے لئے صبر و رضا
کھوئے دیتے ہو جو تم مذہب و ملت اے یار

ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی
کیا سمجھتے ہو کہ مل جائے گی تقدیر نئی

الفت سے تری قطع نظر ہو نہیں سکتی
افسوس کہ دل شوق حضوری میں ہے بیتاب
اغیار کی کی آمد و شد آپ نے جاری

یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی
دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی
راحت مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

ختم کیا صبا نے رقص گل پہ نثار ہو چکی
نیک و بد زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
رنگ بنفشہ مٹ گیا - سنبل تر نہیں رہا
مستیٔ لالہ اب کہاں - اسکا پیالہ اب کہاں
رت وہ جو تھی بدل گئی - آئی بہار اور نکل گئی

جوش نشاط ہو چکا صوت ہزار ہو چکی
لطف نسیم ہو چکا - کاوش خار ہو چکی
صحن چمن میں زینت نقش و نگار ہو چکی
دور طرب گذر گیا - آمد یار ہو چکی
تھی جو ہوا میں نکہت مشک تتار ہو چکی

اب تک اسی روش پہ ہے اکبر مست بیخبر
کہدے کوئی عزیز من فصل بہار ہو چکی

بہت رہا ہے کبھی لطف یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی

عروس دہر کو آیا تھا پیار ہم پر بھی
بٹھا چکا ہے زمانہ ہمیں بھی مسند پر
عدو کو بھی جو بنایا ہے تم نے محرم راز
خطا کسی کی ہو لیکن کھلی جو انکی زباں
ہم ایسے رند مگر یہ زمانہ ہے وہ غضب

یہ بیسوا تھی کسی شب نثار ہم پر بھی
ہوا کئے ہیں جواہر نثار ہم پر بھی
تو فخر کیا جو ہوا اعتبار ہم پر بھی
تو ہو ہی جاتے ہیں دو ایک وار ہم پر بھی
کہ ڈال ہی دیا دنیا کا بار ہم پر بھی

ہمیں بھی آتش الفت جلا چکی اکبر
حرام ہو گئی دوزخ کی نار ہم پر بھی

انکی نگاہ دشمن اسلام ہی رہی
یاروں نے سو طرح کے مشاغل کیے بہم

شرم و حیا کے ساتھ بھی بدنام ہی رہی
لیکن مجھے تو فکر مئے جام ہی رہی

تسکین دل اس بزم میں اللہ نہ پائی
معنی سے معرا نظر آیا مجھے ہر نقش
غواص رہی بحر حقیقت کی ہمیشہ
دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے ہمیں
بار دل پر غم میں کبھی ہوتی کچھ اس سے
ملت کا ادب اٹھ گیا جس قوم کے دل سے

چاہا تھا نکل جائیں مگر راہ نہ پائی
آنکھوں نے کوئی صورت دلخواہ نہ پائی
فکر حکما نے بھی مگر تھاہ نہ پائی
کچھ لذت شان و حشم و جاہ نہ پائی
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی
اقبال کے سمت اسنے کبھی راہ نہ پائی

کفر کی رغبت بھی ہے دل میں تو نکی چاہ بھی
اب تو نقدی سے کوئی صاحب مرا دل خوش کریں
واہ کیا جلوہ ہے پیش چشم ادراک بشر

کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی
سن چکا ہوں مرحبا بھی آفریں بھی واہ بھی
شبہ بھی ہاں بھی نہیں بھی وہم بھی اللہ بھی

حالت تو یہ پہونچی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی
اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی

کیا کام چلے ان کی توجہ نہیں اکبر
اب کہئے خوشامد کی تو وہ کی نہیں جاتی

نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرمجوشی کی
کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

تمہاری پالیسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالیسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی

چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے
نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہمنے جشن تاجپوشی کی

شکستِ رنگ مذہب کا اثر دیکھیں نئے مرشد
مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں
حماقت حاکموں سے ہے توقع گرمجوشی کی

ہمارے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا جو دیدیں مہربانی ہے یہ جوشی کی

حسن ہے بے وفا بھی فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی

بڑھتا جاتا ہے حسن قوم مگر
ساتھ ہی اسکے ناتوانی بھی

سب پہ حاوی ہیں لعبتانِ فرنگ
چپ ہیں بیگم بھی بت ہیں رانی بھی

دل مبتلائے غفلت تو ہے محو دیر فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ ملگیا اُسی سے
نہ ہوائے رب ارنی نہ صدائے لن ترانی

میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیثِ حسن مطلق
کہ نہ بار لفظ اُٹھائے گی نزاکت معانی

میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس میں
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطف زندگانی

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی
بادہ خواری پہ بھی اس شوخ سے گاڑھی نہ چھنی

گم ہوئے ہوش جو دیکھا بتِ ترسا کا جمال
اسقدر کبر یہ عشوے یہ دھج اللہ غنی

آپکے ہو نہیں سکتے ہیں یہ غربی ریزے
دل نہ ٹھہرے تو نگل جائیے ہیرے کی کنی

پاؤں کانپا ہی کئے خوف سے انکے در پر
چست پتلون پہننے پہ بھی پنڈلی نہ تنی

دل ہی دیتا تھا یہ۔ وہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے تو ان سے نہ بنی

آئی ہوگی کسی کو ہجر میں موت
مجھ کو تو نیند بھی نہیں آتی

عاقبت میں بشر سے ہے یہ سوا
جانور کو ہنسی نہیں آتی

حال وہ پوچھتے ہیں میں ہوں خموش
کیا کہوں شاعری نہیں آتی

ہم نشیں بک کے اپنا سر پھرا
رنج میں ہوں ہنسی نہیں آتی

عشق کو دل میں دے جگہ اکبر
علم سے شاعری نہیں آتی

دشت غربت ہے علالت بھی ہے تنہائی بھی
اور ان سب پہ فزوں بادیہ پیمائی بھی

خواب راحت ہے کہاں نیند بھی آتی نہیں اب
بس اُچٹ جانے کو آئی جو کبھی آئی بھی

ق

یاد ہے مجھ کو وہ بے فکری و آغاز شباب
سخن آرائی بھی تھی انجمن آرائی بھی

صحن گلزار بھی تھا ساقی گلفام بھی تھا
مے گلرنگ بھی تھی نے بھی تھی اور نائی بھی

نگہ شوق و تمنا کی وہ دلکش تھی کمند
جس پہ ہو جاتے تھے رام آہوئے صحرائی بھی

ہم صنم خانہ جہاں کرتے تھے اپنا قائم
پھر کھڑے ہوتے تھے واں حور کے شیدائی بھی

اب نہ وہ عمر نہ وہ لوگ نہ وہ لیل و نہار
بجھ گئی طبع کبھی جوش پہ گر آئی بھی

اب تو شب بھی مجھے دیو نظر آتے ہیں
اُس زمانہ میں پری زاد تھی رسوائی بھی

میں تو آنکھوں میں جگہ دینے کو حاضر تھا اسے
نیند ظالم نے یہ پوچھو کہ کبھی آئی بھی

اب تلک گونڈے سے امید رہائی نہیں کچھ
لیجئے ہوگئی ختم آج تو جولائی بھی

کام کی بات جو کہنی ہے وہ کہہ لو اکبر
دم میں چھن جائیگی یہ طاقت گویائی بھی

عشق مذہب میں دو رنگی ہوگئی
دین و دل میں خانہ جنگی ہوگئی

سختی ایام کا دیکھو اثر
گلبدن کی جا پہ سنگی ہوگئی

دختِ رز شیشہ سے نکلی بے حجاب
سامنے رندوں کے ننگی ہوگئی

علم یورپ کا ہوا میداں وسیع
کر دیا نزع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی

زنگ حافظ پہ بہک جاتے ہیں ارباب مجاز
فرقت یار میں بدلی کا مزا کچھ نہ ملا
میں توبت خانمیں گاہک نہوا غرت کا

رزق میں ہندی کے تنگی ہوگئی
ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی
یہ سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی
میری نظروں میں تو روتی تھی برستی کیا تھی
دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

الوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی
غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے

گمان ہوشیاری جس پہ تھا وہ بیہشی نکلی
جو دیکھی فال تو بس اسمیں بندِ خاموشی نکلی

وقت پیری آگیا اکبر جوانی ہوچکی
ہجر میں دل کی سزا اے میرے جانی ہوچکی
ایڑیوں تک پہونچی زلف انکی تو مجکو کیا امید
وقت لطف و مہر ہے ایجان عشوے چھوڑ دے
ضعف ایسا ہے تو قصد کوئے جاناں کیا کروں
از رنگ گلزار جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات
ایک عالم منتظر ہے بس الٹئے اب نقاب
عاشقی شاہد کالج ہے بربادی عمر
حضرت دل ہوگئے اس عہد میں جزو شکم

سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہوچکی
ملیے اب بہر خدا نامہربانی ہوچکی
راحت جاں یہ بلائے آسمانی ہوچکی
کیجئے دلداریاں۔ اب دلستانی ہوچکی
ہمت عالی تو نذر ناتوانی ہوچکی
دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہوچکی
کیجئے برپا قیامت کج ترانی ہوچکی
پاس تک پہونچے نہیں ہم اور جوانی ہوچکی
کیجئے عرضی نویسی شعر خوانی ہوچکی

رفیق حرص مکاری دلیری ہو نہیں سکتی
کسی کے ساتھ دنیا نے وفا کی ہے نہیں اتبک
کہ دن جھگڑے کے ہوتے کیوں شب تار انکی زلفوں کو
خدا ہی جانے کتنے قالبوں میں شترک ہو گی
محبت اپنی ہی پریوں سے رکھیں حضرت اندر

جو ہیں روباہ طینت انمیں شیری ہو نہیں سکتی
تو ہیں کیوں ہو ہوں اسکا جو میری ہو نہیں سکتی
جب اتنے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی
یہ خاک جسم بھی دنیا میں تیری ہو نہیں سکتی
مس مغرور لندن ان کی چیری ہو نہیں سکتی

فزوں ہے دلکشی مشرق کی مغرب کی لطافت سے
خدا کا ہے جو کچھ ہے آپ ہم دو دن کے مہماں ہیں

حریف بلبل گلشن کنیری ہو نہیں سکتی
خردمندوں میں باہم میری تیری ہو نہیں سکتی

غزل میں حالت دل نظم کر سکتا ہوں اے اکبر
مگر ان سے کہوں اتنی دلیری ہو نہیں سکتی

طپش دل مجھے ہوتی ہے کہیں اس سے سوا
پسند آئی ہے عزلت میں ہوں اب اور گھر کا گوشہ ہے
طبیعت اوج پر ہے رزق ما یحتاج ہے ملتا

بیٹھے تو رہیے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے
خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشہ ہے
ہمیں اک خوشہ گندم یہاں پر دیں کا خوشا ہے

طرح پیام یار

اپنا رنگ ان سے ملانا چاہیئے
خوب وہ دکھلا رہے ہیں سبز باغ
چال میں تلوار ہے دل کی گھڑی
قول بابو ہے کہ جب بل پیش ہو
کچھ نہ ہاتھ آئے مگر عزت تو ہے

آج کل پینا پلانا چاہیئے
ہم کو بھی کچھ گل کھلانا چاہیئے
توپ سے اس کو ملانا چاہیئے
پیش حاکم بلبلانا چاہیئے
ہاتھ اس مس سے ملانا چاہیئے

دو عالم کی بنا کیا جانے کیا ہے
مری نظروں میں ہے اللہ ہی اللہ
حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے
ہوا ہوں انکا عاشق ہے یہ اک جرم
مرے مقصود دل تو بس تمھیں ہو
لگاوٹ بھی ہے ساتھ اسکے جفا بھی

نشان ماسوا کیا جانے کیا ہے
دلیل ماسوا کیا جانے کیا ہے
بھلا اس کو صبا کیا جانے کیا ہے
مگر اس کی سزا کیا جانے کیا ہے
تمھارا مدعا کیا جانے کیا ہے
تمھارا مدعا کیا جانے کیا ہے

نہ اکبر سا کوئی ناداں نہ ذی ہوش
ہر اک شے کو کہا کیا جانے کیا ہے

ہم ان کی خوشی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے، ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اسکے، سوا کچھ نہیں کرتے

بتخانے سے کچھ فیض نہو گا تمھیں اکبر
تم یاں بھی بجز ذکر خدا کچھ نہیں کرتے

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے

جنونِ عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو باخدا ہوتے

لیا نہ تخلیہ میں اُن کا بوسہ چوک ہوئی
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے

ستم کا حس ہی کسے سب ہیں تیرے محوِ جمال
کبھی سُنا نہیں میں نے ترا گلا ہوتے

نہ ہوتی گر یہ حسینان چیں کی پابندی
تو ان کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے

سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ نہیں خفا ہوتے

یہ خاکسار بھی کچھ عرض حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے

یہ جسنے آنکھ ہمیں دی ہے وہ قابل دید
پھر اُس کو چھوڑ کے کیا محو ماسوا ہوتے

مجھ ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشق خدا ہوتے

دلوں کو الفت دُنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے نفس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے

گناہگاروں نے دیکھا جمال رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے

ہے زاہدوں کو جو وحشت جمال انساں سے
تو کاش دختر رز ہی کے آشنا ہوتے

وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی بندہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے

جناب حضرت ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

مذاق عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ انکی بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائل جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں وہ دوست مرے
اُمید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

وضو سے ہو گئی جائز نماز یاروں کو
جواز عشق بھی ہوتا جو دل صفا ہوتے

تمھارے حسن کے بھی تذکرے ہیں شہروں میں
مرے سخن کے بھی چرچے ہیں جا بجا ہوتے

محل شکر ہیں اکبر یہ درفشاں نظمیں
ہر اک زباں کو یہ موتی نہیں عطا ہوتے

ضروری کام نیچر کا جو ہو کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

خدا کو ماننا ہی پڑتا ہے دنیا کو جب برتو
خیال مرگ سے انسان کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

آپ کے قصر دل آویز کا کہنا کیا ہے
مگر اکبر کو غرض کیا اسے رہنا کیا ہے

سانس لینے کو ذرا ٹھہرا ہوں نہیں دنیا میں
کیسا سامان اقامت مجھے رہنا کیا ہے

کہہ چکا اسقدر اور پھر وہی اُلجھن دلکی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے

مسکرا کر وہ لگے کہنے کہ ذلت ذلت
جب یہ پوچھا کہ سوا رنج کے سہنا کیا ہے

اُمید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہی نہیں رکھتے
سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے

تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہمکو مطمئن رکھنا
فقیر بینوا ہیں شوکت شاہی نہیں رکھتے

لب آشنائے دعا ہوں نہ ماسوا کیلئے
پکاریئے جو خدا کو تو بس خدا کے لئے

مقام شوق میں اے دل وہ رنگ پیدا کر
نظر زباں بنے عرض مدعا کے لئے

سوائے مرگ نہیں کچھ علاج درد فراق
اجل کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم دوا کے لئے

جو ہو سکے تو اُنھیں لاؤ بس میں اچھا ہوں
یہ اہتمام عبث ہے مری دوا کے لئے

جو آرزوئے اجل ہو تو دل کسی سے لگا
بہانہ چاہیئے آخر کوئی قضا کے لئے

شب فراق میں آیا خیال زلفِ سیاہ
یہ اور طُرّہ ہوا گیسوئے بلا کے لئے

حسین ہونا ہی کافی ہے ظلم کرنے کو
تلاش عُذر یہ کیوں ہے تمھیں جفا کے لئے

بتوں کے واسطے جاتا ہوں میں تو جانب دیر
سدھاریں شیخ ہی جی کعبہ کو خدا کے لئے

جہاں جہاں صفت اُس فخر انبیا کے لئے
کہ عالم اُس کے لئے اور وہ خدا کے لئے

طریقِ عشق میں دل خضر بن کے پچتایا
زبانِ چشمِ بتاں کا نہ پوچھیے عالم
حنا اب دل کو جو اس نے کیا تو خوب کیا

سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے
وہ شوخیوں کے لئے یہ ہی حیا کے لئے
بنا بھی تھا یہ اُسی چشمِ فتنہ زا کے لئے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
از راہِ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
نیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہی کیا غم
ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر

انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے
انگریز تو نیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے
گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے
ہم ان سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

دو ہی دن میں رُخِ گل زرد ہوا جاتا ہے
علم و تقوے پہ بڑا ناز تھا مجھ کو لیکن
ہو رہی ہے مری فریاد کی اُلٹی تاثیر

چمن ادھر سے دل سرد ہوا جاتا ہے
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

یہ بت جو دلکش ہیں آج اتنے یہ روح پر کل عذاب ہونگے
ہماری حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
ڈنر کا مجھ کو نہیں ہے جسکا وگرنہ ہے کارڈ میں تو لکھا
بگاڑ میں بھی بنے رہینگے جو مستند طرز پر ہیں قائم

نہیں سمجھتے جو حضرتِ دل تو آپ اکدن خراب ہونگے
جو کوئی سوئیگا وہم ہونگے جو کوئی دیکھیگا خواب ہونگے
شراب ہوگی کباب ہونگے حضورِ عالی جناب ہونگے
جو ذا اصولی کی ہیں مقلد وہ ہوکے ابتر خراب ہونگے

خواہشِ زر میں نئی تہذیب کے پیرو بنے
بوسے ہی تک ہم تو پہونچے تھے رہِ تہذیب میں

وہ نہ ہاتھ آیا مگر گنجِ معائب ہو گئے
کھائی وہ منہ کی کہ اب اس سے بھی تائب ہو گئے

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے

لیکن حضور فرقِ مراتب ضرور ہے
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے
میری نہ ہو تقدیر مناسب تو یہی ہے

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے
کرتا ہے حقارت کی نظر پیرِ مغاں بھی

اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے
افسوس اگر اُن سے شراب اب بھی نہ چھوٹے

قلعی بھی ریاکار کی کھلتی رہے اکبر
طعنوں سے مگر طرزِ مہذب بھی نہ چھوٹے

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے تو یہ ہے
کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مس رعنا
یہ بات تو اچھی ہے کہ الفت ہو مسوں سے
پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلینڈ
پبلک میں ذرا ہاتھ ملا لیجئے مجھ سے

نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہے تو یہ ہے
نیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
حور اُن کو سمجھتے ہیں قیامت ہے تو یہ ہے
زلفوں میں اُلجھ آتے ہیں شامت ہے تو یہ ہے
صاحب مرے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

عبث ہر طاقت و دولت پہ تجکو رشک و حسرت ہے
تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور و غوغا پر
مجھے بیچین کرتا ہے نظارہ سنبل و گل کا
فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر

نہ ہر طاقت میں نیکی ہے نہ ہر دولت میں راحت ہے
کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوبصورت ہے
ادھر ہے پیچ گیسو کا ادھر عارض کی رنگت ہے
طلسمِ زندگانی بھی عجب اک رازِ فطرت ہے

کون ایسا ہے جو یوں مجھ پہ عنایت رکھے
سچ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شرط
نہ شریعت نہ طریقت نہ محبت نہ حیا
آدمی کے لئے دنیا میں مصائب ہیں بہت

صد و سی سال خدا تم کو سلامت رکھے
بُت کو چاہے تو برہمن کی طبیعت رکھے
جس پہ جو چاہے وہ اس عہد میں تہمت رکھے
خوش نصیبی ہے جو وہ صبر کی عادت رکھے

کیا بتاؤں تمھیں اچھائی کی پہچاں اکبر
بس وہی خوب ہے جو تم سے محبت رکھے

میرے حواس عشق میں کیا کم ہیں منتشر
دل جسکے ہاتھ میں ہو نہ ہو اسپہ دسترس
پروانہ رینگتا رہے اور شمع جل بجھے
مطلق نہیں محل عجب موت دہر میں

مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے
بیشک یہ اہلِ دل کی مصیبت کی بات ہے
اس سے زیادہ کونسی ذلت کی بات ہے
مجھ کو تو یہ حیات ہی حیرت کی بات ہے

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں
دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے

راضی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیر عشق سے
موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے
پھر بھی انکار مری جان یہ کوئی بات بھی ہے

لطف ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا
رحمت حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

وہ بے خبر ہے غلغلۂ کائنات سے
جس کی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

سن چکے آپ کو پیش آئے تھے حالات ایسے
یہی باعث تھا کہ بیچین تھے ہم رات ایسے

میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو
تذکرے خوب نہیں وقت ملاقات ایسے

ان کو واپس کیا یہ کہکے کہ تائب ہوئے وہ
ہوتے جاتے ہیں ملازم مرے بدذات ایسے

دشمن دیں سے تمھیں ہوگی کچھ امید فلاح
ہم تو سنتے نہیں اقوال خرافات ایسے

اے دل اس ابرو و مژگان و نظر سے دبجا
صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے

بحث سے بچیے کہ طاعت پہ کریں دلکو رجوع
پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہل کرامات ایسے

واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرز سخن
حسن بندش تو یہ اور اسپہ خیالات ایسے

گئے ملت سے جو، دیکھی گی دنیا ان کو عبرت سے
گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے

قیامت کر رہی ہیں لعبتان مغربی اکبر
تھیٹر کو بڑھایا ہے انھیں حوروں نے جنت سے

مرا جس پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبر
جو سچ پوچھو تو حسن بمبئی ہے اسکی صورت سے

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علاج سے
واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے

دل ملیں تو کیا ملیں اہل قوم کے بہم
ایک آیا کعبے سے ایک آیا لاج سے

اکبر کچھ آ رہے ہو نظر بند بند سے
آخر ضرر ہوا تمھیں ناصح کی پند سے

سرائے دہر تو ہے رہزن اجل کا مقام
یہاں بھی کیا کوئی دل آن کر ٹھہرتا ہے

؎ اب متروک ہو ۱۲

دل کو مرے تم ایک نظر دیکھ تو لیتے
ہوتے نہ خریدار مگر دیکھ تو لیتے

رہ گئے اہل خرد دہر کے چکر میں پھنسے
وہی اچھے جو تری زلف معنبر میں پھنسے

دل کو مرے فروغ تمھاری نظر سے ہے
بجلی بنا ہوا یہ اسی کے اثر سے ہے

ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے
چشم عبرت کے لئے دنیا محل غور ہے

لالہ و گل اک طرف طاعون کا غل اک طرف
ہے جنوں یاروں کو لیکن رنگ ہی کچھ اور ہے

بستان بخور بنوش بزن کار دہر ہے
دل اسمیں اہل دل جو لگائیں تو قہر ہے

بس ذکر ہی ہیں بادۂ گلگوں کے ہے مزا
چکھنا نہ ہم نشیں اسے واللہ زہر ہے

ملک میں مجکو ذلیل و خوار رہنے دیجئے
آپ اپنی عزت دربار رہنے دیجئے

دل ہی دلمیں باہمی اقرار رہنے دیجئے
بس خدا ہی کو گواہ اے یار رہنے دیجئے

اتقا کا آج کل اظہار رہنے دیجئے
پیجئے قبلہ یہ استغفار رہنے دیجئے

خوب فرمایا کہ اپنا پیار رہنے دیجئے
آپ ہی یہ غمزہ و انکار رہنے دیجئے

دیکھئے گا لطف کیا کیا گل کھلیں گے شوق سے
مجکو آپ اپنے گلے کا ہار رہنے دیجئے

چاندنی برسات کی نکھری ہے چلتی ہے نسیم
آج تو للہ یہ انکار رہنے دیجئے

چشم بد دور آپکی نظریں ہیں خود موج شراب
بس مجھے بے مے پیئے سرشار رہنے دیجئے

کیجئے اپنی نگاہ فتنہ افزا کا علاج
نرگس بیمار کو بیمار رہنے دیجئے

کس بلاغت سے کہا اسنے کہ رکھیئے حد میں شوق
مدعا کو قابل اظہار رہنے دیجئے

لن ترانی خود شراب معرفت ہے اے کلیم
آرزوئے شربت دیدار رہنے دیجئے

چھوٹنے کا میں نہیں اب آپکو اے جان جاں
ہے اگر مجھ پر خدا کی مار رہنے دیجئے

کیجئے ثابت خوش اخلاقی سے اپنی خوبیاں
یہ نمود جبہ و دستار رہنے دیجئے

ظالمانہ مشورے دلمیں ہیں نہیں ہونگا شریک
غیر ہی کو محرم اسرار رہنے دیجئے

کھل گیا مجھ پر بہت ہیں آپ میرے خیر خواہ
خیر خندہ لیجئے طومار رہنے دیجئے

کیجئے رشوت ستانی سے ذرا پرہیز آپ
مل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث وجدال
ٹیمز میں ممکن نہیں نظارۂ موج فرات

خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجئے
بے نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجئے
ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجئے

ہمکنار اُس بحر خوبی سے نہونگے اکبر آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجئے

سو رنگ تصوّر میں ہم ایجان در آئے
اے خضر مری راہ تو بس راہ جنوں ہے
دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھ کو
یہ حُسن بتوں کا یہ جنوں خیز نگاہیں
بے رونقی انجمن عشق نہ چاہی
عکس آپ کا تھا طالب گوہر پئے تزئیں

ہر رنگ میں تم آفت ایماں نظر آئے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے
ناصح سے تو پوچھو کہ یہ حضرت کدھر آئے
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر ٹوٹ کر آئے
خالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے
ڈرتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

طلب ہے حق کی تو مل آکے ہمسے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

خطا معاف مرے نگا میں حور ہی کیلئے
کوئی گناہ ہو مد نظر معاذ اللہ
خلاف شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ

مئیں بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کیلئے
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلئے
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلئے

بانکی وہی ادا بھی ہے ترچھی وہی نظر بھی ہے
ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے
دل پہ مری ہے انکی دانت میں ہوں لب اُنکے چوستا
شرط لگائی آپ نے میری امید کم ہوئی

جان پہ میری بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے
حسن کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے
دولت وصل یار میں لعل بھی ہے گہر بھی ہے
وعدے پہ کیا خوشی کروں اسمیں حبب اک مگر بھی ہے

دُنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے
اے صانع ازل تری قدرت کے میں نثار

شاید ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے
کیا صورتیں بنائیں ہیں مشتِ غبار سے

تری باتوں سے گو دلمیں ملال اے یار آتا ہے
جو چلتا ہے دل سوزاں کا انجن راہ الفت میں
جو راہ عشق میں دل پر مصیبت کوئی پڑتی ہے

مگر جب دیکھتا ہوں تیری صورت پیار آتا ہے
خبر دینے کو فورًا آنسوؤں کا تار آتا ہے
خبر دینے کو فورًا آنسوؤں کا تار آتا ہے

دل ہو خراب دیں پہ جو کچھ اثر پڑے
عشق بتاں کا دیں پہ جو کچھ اثر پڑے
مذہب چھڑایا عشوۂ دنیا نے شیخ سے
بہتر یہی ہے قصد ادھر کا کریں نہ وہ
بہتر یہی ہے قصد ادھر کا کریں نہ وہ
ہم چاہتے ہیں میل وجود و عدم میں ہو
دانا وہی ہے دل جو کرے آپکا خیال
ہونی نہ چاہیے تھی محبت مگر ہوئی
شیطان کی نہ مان جو راحت نصیب ہے

اب کار عاشقی تو بہر کیف کر پڑے
اتنا تو نباہنا ہے جو اک کام کر پڑے
دیکھی جو ریل اونٹ سے آخر اتر پڑے
یہ کیا ضرور تھا کہ انھیں پر نظر پڑے
ایسا نہو کہ راہ میں دشمن کا گھر پڑے
ممکن تو ہے جو بیچ میں انکی کمر پڑے
بینا وہی نظر ہے کہ جو آپ پر پڑے
پڑنا نہ چاہئے تھا غضب میں مگر پڑے
اللہ کو پکار مصیبت اگر پڑے

اے شیخ ان بتوں کی یہ چالاکیاں تو دیکھ
نکلے اگر حرم سے تو اکبر کے گھر پڑے

ادھر ہماری تو یہ لگاوٹ حضور ایسے حضور ایسے
خدا کی ہستی میں شبہ کرنا اور اپنی ہستی کو مان لینا
ہمیں نے چاہا نہ قرب انکا فریب دنیا کے دوں میں آکر

ادھر یہ فرما کے مسکرانا کہ ہونگے کم اہل زر ایسے
پھر اسپہ طرہ اس ادعا کا کہ ہم ہیں اہل شعور ایسے
وگرنہ ایمان کی جو پوچھو تھے وہ کچھ ہمسے دور ایسے

ہمارے مصحف ایماں کا اول ہے نہ آخر ہے
خدا کی شان آیت ہے مذاق دل مفسر ہے

قرآن چھوڑ بھاگے شیطان کے مقابل
بوڑھے میں ہستی کو اپنی ثابت کریں تو کیونکر
مجنوں نے نام پایا اور کوہ کن بھی ابھرا

اس معرکہ میں اکثر احباب ہیں نکلے
جب دانت نہیں ہے پھر کون چنیں نکلے
اس مدرسے کے لڑکے سب خوش تمیز نکلے

جو قانع ہو کسی دن اسکی قسمت لڑ ہی جاتی ہی
جو اہلِ حرص ہیں انپر مصیبت پڑ ہی جاتی ہی

حسینانِ جہاں سے آنکھ اپنی لڑ ہی جاتی ہی
دل آ ہی جاتا ہی آخر مصیبت پڑ ہی جاتی ہی

جوانی میں ہلاکت دل کی ہی اُسکا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گرمیوں میں سڑ ہی جاتی ہی

گلستاں میں گلِ رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا
مگر اس لعل پر الماسِ شبنم جڑ ہی جاتی ہی

ق

ہے قوم جسم سلطنت اسمیں ہی مثلِ روح
جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہی

سعی شغال و گرگ سے جنبش ہوئی اگر
نافہم نے سمجھے قوم میں خود انتعاش ہی

البتہ زندگانیٔ شخصی کا ہے وجود
قانون میں ہر اک کے لئے زندہ باش ہی

پیمانہائے ساختۂ شاہِ وقت پر
محدود طالبین کی فکرِ معاش ہی

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست
اسکی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہی

کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہونگے جزوِ غیر
یہ مسئلہ صحیح ہے گو دل خراش ہی

اپنی یہ احتیاط کہ تُو سے پر اکتفا
اسپر بھی یہ عتاب کہ تو بدمعاش ہی

اپنے برتاؤ سے گو وہ نہ مجھے ناخوش رکھے
ہے دعا میری یہی اس کو خدا خوش رکھے

منہ چھپا لیتی ہیں زلفوں سے میں گو ہوں ناخوش
ہنس کے کہتے ہیں نہ تجھے میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے
لطفِ باری نہ تجھے اے بادِ صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفا سے مطلب
بس خوشامد سے کوئی اُن کو ذرا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں
رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اُس مس شوخ سے راحت نہ ملے گی مجھ کو
عمر بھر خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو
خود جو مغموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

مثلِ بلبل زمزمونکا خود یہاں اک رنگ ہی
ارغنوں اس انجمن میں خارج از آہنگ ہی

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطربِ شیریں نوا
ہر نفس سینے میں اک موجِ صدائے چنگ ہی

ہر تصور ہی مرا عکسِ جمالِ روئے دوست
میرا ہر مجموعۂ وہم اک گلِ خوش رنگ ہی

لوحِ دل ہر جنبشِ مژگاں سے ہی معنی پذیر
ہر رگِ اندیشہ نقشِ خامۂ ارژنگ ہی

ہر حباب بحرِ جوشِ طبع ہی اک آسماں
دشتِ دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہم سنگ ہی

عکس تیرا پڑ کے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر
اے بت کافر مری آنکھوں نہیں فیض گنگ ہی

نظمِ اکبر سے بلاغت سیکھ لیں اربابِ عشق
اصطلاحاتِ جنوں میں بے بہا فرہنگ ہی

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

اُلجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ مرے دل نے مدد طولِ امل سے

ان کی نگہ مست ہے لبریز معانی
ملتی ہوئی تاثیر میں حافظ کی غزل سے

ادراک نے آنکھیں شبِ اوہام میں کھوئیں
واقف نہ ہوا روشنیٔ صبحِ ازل سے

قرآں ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہی
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسنِ عمل سے

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ
عظمت ترے پیغام کی ظاہر ہی اجل سے

درجہ متحیر کا ہے سب سے فروتر
ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے

بحث کہن و نو میں سمجھتا نہیں اکبر
جو ذرہ ہی موجود ہے وہ روزِ ازل سے

ہو دعوے توحید مبارک تمہیں اکبر
ثابت بھی کرو اسکو مگر طرزِ عمل سے

مذہب ہی سے حفاظتِ قومی ہی اے عزیز
ناداں ہے کو اڑ ہٹائے جو چول سے

اتنا ہی آدمی میں سمجھیے کمالِ فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے

جو کام آئے میرے کروں اسطرف کو رُخ
تخصیص ہو رستے ہی نہ دشت ببول سے

ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو ممدِ قوم
خالی ملے جو ذکر خدا و رسول سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یوں ہی کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہی

جو قانع ہو کسی دن اسکی قسمت لڑ ہی جاتی ہے
جو اہل حرص ہیں انپر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

حسینان جہاں سے آنکھ اپنی لڑ ہی جاتی ہے
دل آ ہی جاتا ہے آخر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

جوانی میں طلاقت دل کی ہے اُسکا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گر میوہ نہیں سڑ ہی جاتی ہے

گلستاں میں گل رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا
گر اس لعل پر الماس شبنم جڑ ہی جاتی ہے

ق

ہے قوم جسم سلطنت اسمیں ہے مثل روح
جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہے

سعی شغال و گرگ سے جنبش ہوئی اگر
نافہم نہ سمجھے قوم میں خود انتعاش ہے

البتہ زندگانی شخصی کا ہے وجود
قانون میں ہر اک کے لئے زندہ باش ہے

پیمانہ ہائے ساختۂ شاہ وقت پر
محدود طالبین کی فکر معاش ہے

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست
اسکی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہے

کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہونگے جزو غیر
یہ مسئلہ صحیح ہے گو دل خراش ہے

اپنی یہ احتیاط کہ بوسے پر اکتفا
اسپر بھی یہ عتاب کہ تو بدمعاش ہے

اپنے برتاؤ سے گو وہ نہ مجھے ناخوش رکھے
ہے دعا میری یہی اس کو خدا خوش رکھے

منہ چھپا لیتی ہیں زلفوں میں گو ہوں ناخوش
ہنس کے کہتے ہیں تجھے میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے
لطفِ باری تجھے اے بادِ صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفا سے مطلب
بس خوشامد سے کوئی اُن کو ذرا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں
رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اُس مس شوخ سے راحت نہ ملے گی مجھ کو
عمر بھر خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو
خود جو مغموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

مثل بلبل زمزموں کا خود یہاں اک رنگ ہے
ارغنوں اس انجمن میں خارج از آہنگ ہے

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطرب شیریں نوا
ہر نفس سینے میں اک موج صدائے چنگ ہے

ہر تصور ہے مرا عکس جمال روئے دوست
میرا ہر مجموعۂ وہم اک گل خوشرنگ ہے

لوح دل ہر جنبش مژگاں سے ہے معنی پذیر
ہر رگ اندیشہ نقش خامۂ ارژنگ ہے

ہر حباب بحر جوش طبع ہے اک آسماں
دشت دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہمسنگ ہے

عکس تیرا پڑ کے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر
اے بت کافر مری آنکھوں میں فیض گنگ ہے

نظم اکبر سے بلاغت سیکھ لیں ارباب عشق
اصطلاحاتِ جنوں میں بے بہا فرہنگ ہے

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

اُلجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ مرے دل نے مدد طول امل سے

ان کی نگہ مست ہے لبریز معانی
ملتی ہوئی تاثیر میں حافظ کی غزل سے

ادراک نے آنکھیں شب اوہام میں کھولیں
واقف نہ ہوا روشنی صبح ازل سے

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسن عمل سے

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تک چپ
عظمت ترے پیغام کی ظاہر ہے اجل سے

درجہ متحیر کا ہے سب سے فروتر
ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے

بحث کہن و نو میں سمجھتا نہیں اکبر
جو ذرہ ہے موجود ہے وہ روز ازل سے

ہو دعوے توحید مبارک تمھیں اکبر
ثابت بھی کرو اسکو مگر طرز عمل سے

مذہب ہی سے حفاظت قومی ہے اے عزیز
نادان ہے کواڑ ہٹائے جو چول سے

اتنا ہی آدمی میں سمجھیے کمال فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے

جو کام آئے میرے کروں اسطرف کو رُخ
تخصیص سرو سے ہے نہ وحشت ببول سے

ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو ممد قوم
خالی ملے جو ذکر خدا و رسول سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یوں ہی کہ گویا آب زمزم مے میں داخل ہے

کہاں تک داد دوں تیری بلاغت کی میں اے اکبر
یہ تیرا ایک مطلع لاکھ مضمونوں کا حاصل ہے

دین و ملت کی ترقی کا خیال اچھا ہے
اصل مضبوط ہو جس کی وہ نہال اچھا ہے

بخدا ہند کے پرنے بھی غضب ڈھاتے ہیں
یہ غلط ہے کہ ولایت ہی کا مال اچھا ہے

لکھ کے خط میں ہے کہ کل ہو گیا چہلم اسکا
پائنیر لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

طائر رنگ چمن اڑنے کو پر کھولے ہے
آشیاں ایسے گلستاں میں نہ بلبل باندھے

ہوئے مطلوب جسے زاد رہ منزل فقر
گرہ صبر میں وہ نقد توکل باندھے

نظر آئے شب تاریک میں جگنو کی چمک
وہ جو تعویذ طلائی تہ کاکل باندھے

کبھی ہے صبح عید اسمیں کبھی شام محرم ہے
یہ عالم چشم بینا کے لئے عبرت کا عالم ہے

دوا ہے کالج اور کونسل سوا اسکی ہے فراوانی
غذا ہے راحت دل اور دولت او وہ بہت کم ہے

تمہاری نخوتوں سے میری شبہے خدا کی ہستی میں کم نہ ہوتے
مگر یہ بات آ گئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے

یہ حسن ہی کر ہے عشق پیدا یہ عشق ہی سے مصیبتیں ہیں
جو یہ نہ ہوتا تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتے

تمہارے عشوے تمہارے غمزے نگاہ ساقی کے ہیں مؤید
وگرنہ تقوے کی ٹوٹ جاتیں کہ اتنے سامان بہم نہ ہوتے

کہا سکندر نے یہ بحسرت جب آ گیا اسکا وقت رحلت
کہ سہل تر ہوتی نزع ہم پر جو محو جاہ و حشم نہ ہوتے

بلندیاں ہوتی ہیں مخالف جو پستیوں سے نہ ہو میل دل کا
زمیں کے فتنوں میں گر نہ پھنستے فلک کے جور و ستم نہ ہوتے

مذاق فطرت میں بس نکاتے جو قامت و گیسوئے حسیناں
یہ راستی سرو میں نہ ہوتی یہ سنبل تر میں خم نہ ہوتے

تری ترقی مرا تنزل تری جفا میں مرا تحمل
فلک کی گردش کا لطف کیا تھا جو تو نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے

یہ موجودہ طریقے راہیٔ ملک عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے

نئے عنوان سے زینت دکھائینگے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہونگے

نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اسطرح سے حاجب روئے صنم ہونگے

بدل جائیگا انداز طبائع دور گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہونگے

نہ پیدا ہوگی خط نسخ سے شان ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیب رقم ہونگے

خبر دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی
کھلینگے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلئے بے تال و سم ہونگے

ہماری اصطلاحوں سے زباں ناآشنا ہوگی
لغات مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

بدل جائیگا معیار شرافت چشم دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے

گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمہیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

موئے وحشت بشر کا اک خیال خام ہے
اصل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس تجارت گاہ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

پیش نظر صنم ہے بس عاشقی کا غم ہے
دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے

یہ گیسوے معنبر یہ چشم سحر آگیں
کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیر ہے ستم ہے

سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم
بتی بہت ہی موٹی روغن بہت ہی کم ہے

کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرع جنت جناب
بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

یہی خوشیاں رہینگی دہر میں ایسے ہی غم ہونگے
مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہونچتا ہے
جو امیدیں کریگا کم اسے صدمے بھی کم ہونگے

اسباب انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے

جانیکی اس گلی میں قسم کھائی تھی مگر
بھلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے بن گئے

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمہارے
سو دل ہوں تو سو دل سے ہوں قربان تمہارے

ایمان ہو یا کفر ہو سچ بات تو یہ ہے
اسلام تمھارا ہے مسلمان تمھارے

مصرع طرح پیام یار

اسمیں عکس آپ کا اتاریں گے
بحث میں مولوی سے ہاریں گے
آپ ناحق پہ اور ہم حق پر
ہم سے کرتی ہے یہ بحث غمزے
رزق مقسوم ہی ملے گا اُسے
عشق کہتا ہے لطف ہونگے بڑے
لیجئے جان ہے یہی جو خوشی
دل کی افسردگی نہ جائے گی
مبتلائے بلا تو ہوں غافل
لائے بھی تو خدا کہیں وہ گھڑی
دل نہ دونگا میں آپ کو ہرگز
مطبخ قوم میں رہا کیا ہے

دل کو اپنے یونہیں سنواریں گے
جان ہارینگے جی نہ ہارینگے
آپ سے ہم کبھی نہ ہارینگے
ہم بھی دنیا پہ لات ماریں گے
کوئی دنیا میں ڈوری ہارینگے
ہجر کہتا ہے جان مارینگے
کیجئے ظلم دم نہ مارینگے
ہاں وہ چاہینگے تو اُبھارینگے
یہ بھی اللہ کو پکارینگے
کہتے ہیں تجھ کو خوب مارینگے
مفت میں آپ جاں ہارینگے
صرف شیخی ہی آپ بگھارینگے

پند اکبر کو دینگے کیا ناصح
گل کو کیا باغباں سنوارینگے

ضد ہے انھیں پورا مرا ارماں نکرینگے
کیوں زلف کا بوسہ مجھے لینے نہیں دیتے
ہے ذہن میں اک بات تمھارے متعلق
واعظ تو بتاتے ہیں مسلمان کو کافر
کیوں شکر گذاری کا مجھے شوق ہے اتنا

منہ سے جو نہیں نکلی ہے اب ہاں نکرینگے
کہتے ہیں کہ واللہ پریشاں نکرینگے
خلوت میں جو پوچھوگے تو پنہاں نکرینگے
افسوس یہ کافر کو مسلماں نکرینگے
سنتا ہوں وہ مجھ پر کوئی احساں نکرینگے

دیوانہ نہ سمجھے ہمیں وہ سمجھے شرابی
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہمان

اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کرینگے
آئیں گے تو مجھ پر کوئی احسان نہ کرینگے

اہل غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
اُٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر

تا چرخ بھی پہونچکے وہ شیطان ہی رہے
پیش صنم بھی ہم تو مسلمان ہی رہے

بت شکن کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
اگرچہ مغرب ہے ساز دل ہے مُرید آہنگ مشرقی ہوں
رعایت لعل لب ہے میں نے کہا اسے مالک بدخشاں
ہمارے جھگڑوں کی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
ہمارا خنجر بھی بدنما ہے اور انکی سوئی بھی ہے وہ آفت
دعا کو بھی وہ کبھی ہو اُٹھتا اسے ہے دن رات صرف جگر

نہیں ہے دل ہی پہ صرف آفت یہاں تو خطرے میں دین بھی ہے
اگر میاں تو ہے انجمن میں محل خلوت میں بین بھی ہے
تو بولا آئینہ سی ہے چڑھا کے دیکھو جبیں کہ قبضہ میں چین بھی ہے
کہ جیب میں ہے گھر میں ان ہے خراج پر کچھ زمین بھی ہے
کہ صاف بھی ہے چمک بھی رکھتی ہے گول بھی ہے مہین بھی ہے
خدا کی قدرت کے کارخانہ میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشین ہے
دیکھا نہیں کسی نے اس یار نازنیں کو
روحانیت کے بدلے آنکھوں نہیں خاک ہے اب
تصدیق سے قریں ہو کیوں کر ترا تصوّر
کھڑے ہیں یار ششدر حیرت و غیرت کا مضموں ہے

دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے
لیکن سنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے
اسمیں وہی وہی تھا اسمیں ہمیں ہمیں ہے
اک لفظ بے صدا ہے اک نقش بے نگیں ہے
نہ جنگل ہے نہ ناقہ ہے نہ لیلا ہے نہ مجنوں ہے

وہ رنگ بزم اک خواب کہاں بہتر ہو اُٹھ جاؤ
یہی بس اک تدبیر سکون جان محزوں ہے

فتنہ اُٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کیوں غرض اس سے مرا دل اے بت بدظن بیٹھے
بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے

کار الفت پہ تو اب حضرت دل ٹھن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے
اُٹھ گئے رشک سے پھر ہاں نہ دشمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں ترے مار کے آسن بیٹھے

شوخیاں شوق سے کر مجھ کو بھی لطف آتا ہے
سوئے دولت نظر آئی نہ جو راہِ اعزاز
نظر اُٹھی تو اُٹھائے گئے نظروں سے گرے
ہوں میں وہ رند اگر حشر میں ملزم ٹھہروں
انقلابِ روشِ چرخ کو دیکھ اے اکبر

سچ کہا تو نے کہ نکلا مرا دشمن بیٹھے
مسندِ صبر و توکل ہی پہ ہم تن بیٹھے
غلطی کی ترے پاس اے بتِ بدظن بیٹھے
فیصلے کے لئے حوروں کا کمیشن بیٹھے
کل جو تھے دوست مرے آج عدو بن بیٹھے

ہند سے آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر
ہم تو گنگا ہی پہ اب مار کے آسن بیٹھے

کیا ملا عرض آں و ایں کر کے
فائدہ کیا کہ پھر کہوں ان سے

چل دیے وہ چناں چنیں کر کے
کر چکے ہاں وہ اب نہیں کر کے

فتنے مسجد میں اُٹھے ہیں اکبر
دیر میں بیٹھ ترک دیں کر کے

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ گلوں میں گلوں کی سی بو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خو نہ رہی
نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہدِ الست رہے
ہمیں لاکھ زمانہ لبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
ترے کوچۂ زلف میں دل ہے مرا اب اسے میں سمجھتا ہوں دامِ بلا
یہ تمہارے ہی دم سے ہے بزمِ طرب ابھی جاؤ نہ تم نہ کرو یہ غضب
جو تھیں چشمِ فلک کی بھی نورِ نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
وہی صورتیں رہ گئیں پیش نظر جو زمانہ کو پھیریں ادھر سے ادھر
غم و رنج میں اکبر اگر ہے گھرا تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا

وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے
وہ حبیب نہیں وہ رنگ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے
سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے در دیر پہ نقش جبیں نہ رہے
وہ طریقۂ کار جہاں نہ رہا وہ مشاغل رونق دیں نہ رہے
یہ محال ہے اہل وفا کیلئے غم ملت و الفت دیں نہ رہے
یہ عجب ستم ہے عجب جفا کہ یہاں نہ رہے تو کہیں نہ رہے
کوئی بیٹھ کے لطف اُٹھائیگا کیا کہ جو رونق بزم تمھیں نہ رہے
سو اب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشاں بھی اُنکے کہیں نہ رہے
مگر ایسے جمال جہاں آرا جو تھے رونق روئے زمیں نہ رہے
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے[1]
غلامانہ طریقوں پر مجھے مجبور کرتے ہیں
کباب آیا تو کیا جب دل ہوا جل کر کباب اپنا
یہ خواہش ہے کہ ذکر حق سے دل تازہ رہے ہر دم
مسلمانوں کی خوشحالی کی بیشک دھن ہے سیّد کو
درستی تخت عزت کی کہاں اب کیل کا ٹوں میں

چھڑا دے مجھ کو یارب نوکری کے سخت پھندوں سے
خدایا بے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے
مجھے نانِ جویں بہتر ہے بس ایسے پسندوں سے
خداوندا ملا دے مجھ کو اپنے نیک بندوں سے
مگر یہ کام نکلے گا نہ لکچر سے نہ چندوں سے
توقع شہسواری کی نہ رکھو نعل بندوں سے

کجا وہ گیسوئے مشکیں کجا وہ ڈھیلی اینچیں
دل وحشی اکبر پھنس چکا ایسی کمندوں سے

ترچھی نظر سے کیجئے عشاق کا شکار
کیا احتیاج آپ کو تیر و کماں کی ہے

ڈیر فرنڈ نہ کہئے جناب من تو ہے
جو زر نہیں ہے نہ ہو دولت سخن تو ہے
رسائی اپنی ہے ان تک نہیں ہے غیر کو دخل
سینے سے لگائیں تمھیں ارمان یہی ہے
صبر اسلئے اچھا ہے کہ آیندہ ہے امید
تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
گیسو کے شریک اور بھی تھے قتل میں میرے
دل تیری محبت میں دو عالم کو بھلا دے
اُس بُت نے کہا بوسۂ بے اذن پہ ہنسکر
کرتے ہیں بتدریج وہ ظلموں میں اضافہ
ہم فلسفہ کو کہتے ہیں گمراہی کا باعث
اکبر کو دعا دیتے ہیں احباب یہ کہہ کر

حضور مجھ سے کوئی صورت سخن تو ہے
نہیں جو بنگ تو کیا غم مئے کہن تو ہے
پھر اپنا اپنا طریقہ تو ہے چلن تو ہے
جینے کا مزا ہے تو مری جان یہی ہے
موت اسلئے بہتر ہے کہ آسان یہی ہے
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے
کیا وجہ ہے اس کی کہ پریشان یہی ہے
مذہب ہے یہی اور مرا ایمان یہی ہے
بس دیکھ لیا آپ کا ایمان یہی ہے
مجھ پہ اگر ان کا ہے کچھ احسان یہی ہے
وہ پیٹ دکھاتے ہیں کہ شیطان یہی ہے
اب اپنی جماعت میں مسلمان یہی ہے

[1] یعنی دنیا کے دھندوں سے ۱۲

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

جوانوں کو ذرا پروا نہیں بے اعتدالی کی
بڑھاپے میں نتیجے اسکے یہ نادان دیکھیں گے

حسینان عدو کے الفت کا سامنا ہوگا
میں دیکھونگا اُنھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

تری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبر
کوئی دن وہ بھی ہوگا ہم تجھے انسان دیکھیں گے

عقل ہے ایماں ہے دل ہے جان ہے
لیجئے سب آپ پر قربان ہے

خوبیٔ مذہب دم آخر کھلی
نزع میں مونس فقط ایمان ہے

دل کے یاروں سے ہوا شوق گناہ
آدمی کا آدمی شیطان ہے

کیا مجھے کرتے ہو زندوں میں شمار
سانس لیتا ہوں بس اتنی جان ہے

خود بنا ہے کیا وہ بُت اتنا حسیں
لطف فطرت ہے۔ خدا کی شان ہے

سعی بازو سے کرے جو کسب رزق
بس وہی اللہ کا مہمان ہے

لطف ساقی سے نہ چھلکے جام دل
ظرف عالی کی یہی پہچان ہے

دل جسے سمجھا ہے سامان وقار
غور سے دیکھو تو اک طوفان ہے

بیوقوفی ہے تعجب موت پر
عقل تو جینے ہی پر حیران ہے

ق

عالم ہستی پہ حیرت ہے مجھے
کس لئے آخر یہ سب سامان ہے

یا مصیبت امر معنی خیز ہے
یا یہ نیچر خود بہت نادان ہے

اس کی نادانی مگر مانیگا کون
ذرّہ ذرّہ عاقلی کی جان ہے

پھر اُٹھی ہے آپ کی تیغ ستم
مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے

حکم خاموشی ہے اور میری زباں
آپ کی باتیں ہیں میرا کان ہے

لطف تھا جنسے نظارے کا حسیں وہ نہ رہے
جنسے رونق تھی مکانوں کی مکیں وہ نہ رہے

میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا
مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمھیں وہ نہ رہے

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے
غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے

بہار میں بھی نہ راحت ملے جو فرقت ہو
صبا سے بھی گل داغ جگر کی بو آئے

بتوں کے ظلم کو کردوں میں ہر طرح ثابت
مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے

کیا ہے نشۂ الفت نے مائل گریہ
شراب پینے کو آخر کنار جو آئے

تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح
کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے

تری جدائی سے ہے روح پر یہ ظلم حواس
میں اپنے آپ میں پھر کیوں ہوں جو تو آئے

ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال
کلام پختہ ہے جب درد دل کی بو آئے

لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے
قدم تو اُس بت بد دیں کے ہم بھی چھو آئے

کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آ پہونچا
جو گرمیوں میں کھلیں در تو کیوں نہ لو آئے

وہ دل نصیب کہاں ان ہوس پرستوں کو
کہ ہو وقت دم کو نہ لغزش نہ منہ سے بو آئے

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے مے کے سبو ٹوٹے
شکایت کیا اگر دست سبو سے اب وضو ٹوٹے

اگر ایسا بڑھ گیا ہے حسن لطف ساقی دوراں
ہزاروں شیشۂ تقوے پڑے ہیں چار سو ٹوٹے

شکست نیت طوف حرم تجھ سے ہوئی اے دل
سزا ہے اُس بت ظالم کے ہاتھوں سے جو تو ٹوٹے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

تنہا وہ رہ سکیں گے مجھے تو میں خود نہ بیٹھتا
ناحق مجھے ذلیل کیا جاؤ جاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڈھ کے بھاؤ سے

بے نالہ و فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے
قہر اس پہ یہ ہے اسکا سبب کہہ نہیں سکتے

موجیں ہیں طبیعت میں مگر اُٹھ نہیں سکتیں
دریا ہیں مرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے

ہموار شکستہ ہے نہیں طاقت ترمیم
ہے ناؤ میں سوراخ مگر گہہ نہیں سکتے

کہدو گے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس
کیوں کر یہ کہیں ظلم و ستم سہہ نہیں سکتے

عزت کبھی وہ تھی کہ بھلائے سے نہ بھولے
تحقیر اب ایسی ہے جسے سہہ نہیں سکتے

ہم نے یہ نکتہ سنا اک مرد حق آگاہ سے ۔ پھر گیا اس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے
ضعف مذہب ہو گیا ہی باعث طول سخن ۔ گفتگو عامی سے ہو یا بحث ہو ذیجاہ سے
ایک لکچر کی ضرورت ہوتی ہی ہر بات پر ۔ کام مطلق اب نہیں چلتا معاذ اللہ سے
آپ فرماتے ہیں تجھ سے مجھ کو الفت ہی بہت ۔ اور ثابت کرتے ہیں اس کو فقط واللہ سے

ان بتان بیوفا کے حسن کا دلدادہ ہی ۔ فکر ہی اکبرؔ کی رنگیں دل نہایت سادہ ہی
رقص پروانے کا گرد شمع دیکھیں اہل ذوق ۔ کس خوشی سے جان دینے کیلئے آمادہ ہی
اہل خالق مجھے کرتی ہی یاں رفتار خلق ۔ چشم بینا کے لئے ہر نقش پا سجادہ ہی

کہاں تسکین خاطر نالہ جانکاہ کرنے سے ۔ بھڑکتی آتش دل اور بھی ہی آہ کرنے سے
یہ دور آسمان خضر طریقت ہو نہیں سکتا ۔ خدارا اے خرد باز آ مجھے گمراہ کرنے سے
وہ کون ایسی نظر ہے جو نہو محو ایسی صورت پر ۔ وہ کون ایسی زباں ہی کہ رک سکی جو واہ کرنے سے
مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھ کر دل نے ۔ کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

فسوں کے سامنے کیا مذہبی بہانہ چلے ۔ فلک ۔ چلیں گے ہم بھی اسی رخ جدھر زمانہ چلے
میں جانتا ہوں نہ چھوڑیں گے آپ چال اپنی ۔ کسی کا کام چلے اے حضور یا نہ چلے
خدا کے واسطے ساقی یہی نگاہ کرم ۔ چلا ہی دور تو پھر کیوں رکے چلا نہ چلے
کھلا ہے باغ قناعت میں غنچۂ خاطر ۔ خدا بچائے کہیں حرص کی ہوا نہ چلے
نصیب ہو نہ سکی دولت قدم بوسی ۔ ادب سے چوم کے حضرت کا آستانہ چلے
فروغ عشق کا بے آہ کے نہیں ممکن ۔ نہ پھیلے بوئے گلستاں اگر ہوا نہ چلے
کھلے کواڑ جو کمرے کے پھر کسی کو کیا ۔ یہ حکم بھی تو ہوا ہے کہ راستا نہ چلے
امید حور میں مسلم تو ہو گیا ہوں مگر ۔ خدا ہی ہی کہ مجھ سے یہ پنجگانہ چلے

خودی کی حس سے بھی ہوتا ہی انتشار اکبرؔ
کہاں رہوں کہ مجھے بھی مرا پتا نہ چلے

حضور اور کبھی خوش کرنیکی فکر البتہ فرمائیں ۔ ہماری کیا ہی شاعر کیلئے اک داد کافی ہی
خوشی سے ماسوا پر آپ قبضہ کیجئے اپنا ۔ مری تسکیں دل کے واسطے اللہ کافی ہی

نہایت ناپسند ان کو ہی یاد مرگ اے اکبرؔ
مگر اسکے بھلا دینے کو حب جاہ کافی ہی

وصف قد یار میں مصروف میرا خامہ ہی ۔ میری جو تحریر ہی وہ اک قیامت نامہ ہی

میرے دل کو وہ بت دلخواہ جو چاہے کرے ۔ اب تو دے ڈالا اسے اللہ جو چاہے کرے
حضرت اکبر سا ضابط اور یہ بیتابیاں ۔ آپ کی ترچھی نظر واللہ جو چاہے کرے
منزل صدق و صفا ہی ہر طرح خطرے سے پاک ۔ نیکبختوں میں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے
قاضی و مفتی ہیں غرق بادہ مستی و کبر ۔ قوم کا ضعف اور حب جاہ جو چاہے کرے
شیخ کی منطق ہو یا چشم فسوں ساز بتاں ۔ سیدھا سادہ ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے
دیکھ کر پوتھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں ۔ شادی تو آساں نہیں ہی بیاہ جو چاہے کرے
خرچ کی تفصیل پوچھونگا نہ مانگوں گا حساب ۔ لیلے وہ بت کل مری تنخواہ جو چاہے کرے
اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں ۔ سچ یہ ہی افزونئ تنخواہ جو چاہے کرے

با اثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر
جوش میں یوں آکے اکبرؔ آہ جو چاہے کرے

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے ۔ کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے
منطق بھی ہے قانون شہادت بھی خرد بھی ۔ سب ہیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے

ان کی نظر کا آخر کیا کر لیا کسی نے ۔ بس رہ گئے یہ کہہ کر مارا ہمیں اسی نے
چمکے ہیں نرم جسم میں اب گیسوئے طلائی ۔ سکہ نیا بٹھایا گردوں کی پالیسی نے
کیا حال دل سنائیں کیا سر قدم پہ رکھیں ۔ مایوس کر دیا ہی اس بت کی بے حسی نے
جلوہ ہی آسماں پر ابر و شفق کا گویا ۔ اچھا سماں دکھایا لب پر تری مسی نے

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھ کو غشی ہے
یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وشی ہے

انکار دو عالم سے کیا ہے مجھے بیمار
سنتا ہوں علاج اس کا فقط بادہ کشی ہے

محبوبہ بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
دولت نہ رہی پاس تو اب ہی ہے نہ شی ہے

میں کونسا منہ لیکے انھیں شکل دکھاؤں
گورے کو کہا جب یہ نگوڑا حبشی ہے

ادھر ہے جلوۂ مضموں ادھر حسن قوافی ہے
یہی اک شغل میرے دل کے بہلانیکو کافی ہے

جناب شیخ ہی کو فکر اسناد معانی ہے
ہماری طبع موزوں کو زمین شعر کافی ہے

تیری زلفوں میں کافری ہے
تیری آنکھوں میں ساحری ہے

اللہ رے مصائب شب ہجر
گویا ہر سانس آخری ہے

کہنے لگے سن کے نظم میری
دقیانوسی یہ شاعری ہے

اُٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کیلئے
یاد تیری رل گئی ہے ہم نشینی کیلئے

مطیع و تابع فرماں کو عذر ہی کیا ہے
کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے

جناب شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
کہو کہ اس سے بھی ہوگا سوا ابھی کیا ہے

صدائے صور کی ہے ابتدا زمانہ میں
بڑھے گی اسکی بتدریج لے ابھی کیا ہے

وہ عشق کیا جو نہو ہادی طریق کمال
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے

ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصود زندگی کیا ہے

بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کیلئے
مگر یہ جان گنوانا ہے دل لگی کیا ہے

مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے

جو بت کے محو ہیں اُن کو بتوں سے کیا مطلب
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے

اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

گل تر کو بھلا اس عارض رنگیں سے کیا نسبت
کہ اسپر اوس پڑتی ہے یہاں خوبی ٹپکتی ہے

تمھارے کان کی بجلی عیاں ہے قرب عارض میں
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

SHE ے HE

اپنے پہلو سے وہ غیروں کو اُٹھا ہی نہ سکے
ان کو ہم قصۂ غم اپنا سنا ہی نہ سکے

ذہن میرا وہ قیامت کہ دو عالم پہ محیط
آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی نہ سکے

دیکھ لیتے جو اُنھیں تو مجھے رکھتے معذور
شیخ صاحب مگر اُس بزم میں جا ہی نہ سکے

عقل مہنگی ہے بہت عشق خلاف تہذیب
دل کو اس عہد میں ہم کام میں لا ہی نہ سکے

ہم تو خود چاہتے تھے چین سے بیٹھیں کوئی دم
آپ کی یاد مگر دل سے بھلا ہی نہ سکے

عشق کامل ہے اسی کا کہ پتنگوں کی طرح
تاب نظارۂ معشوق کی لا ہی نہ سکے

دام ہستی کی بھی ترکیب عجب رکھی ہے
جو پھنسے اسمیں وہ پھر جان بچا ہی نہ سکے

منظر جلوۂ جاناں ہے ہر اک شے اکبر
بے ادب آنکھ کسی سمت اُٹھا ہی نہ سکے

ایسی منطق سے تو دیوانگی بہتر اکبر
کہ جو خالق کیطرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

جو زاہدوں کی طرف سے تیری نگاہ فتاں پھری نہیں ہے
تو کیا سبب ہے ہنوز انکی بنائے تقوی گری نہیں ہے

اگرچہ عاشق بتوں کا ہوں میں نظر خدا سے پھری نہیں ہے
جو آنکھ رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ عاشقی کافری نہیں ہے

جمال دلکش کا محو ہونا نہیں ہے ہرگز خلاف طاعت
خدا کی قدرت کی قدر کرنا ثواب ہے کافری نہیں ہے

بس اک اشارہ میں لیگئی تو دلوں سے ایمان و صبر و تقوےٰ
بتاؤ اے چشم مست کافر یہ کیا ہے گر ساحری نہیں ہے

۴

ہماری دولت ایماں بت کافر نے لوٹی ہے
امید عیش پر خوش تھے مگر اب وہ بھی ٹوٹی ہے

مری تقریر طبع یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پر گذرتی ہے

ٹھہرتا ہی نہو جو دل وہ ہے انمول دنیا میں
یہ کیا پوچھا کہ تیرے دل کی کیا قیمت ٹھہرتی ہے

سلیقہ عاشقی کا دل میں پیدا کرتی ہے فطرت
خدا جانے عنایت کرتی ہے یا ظلم کرتی ہے

یقین قوت تدبیر بت پرستی ہے
غرور رفعت دنیا نظر کی پستی ہے

حدیث زلف و کمر معرفت کی غزلوں میں
خدا کے عشق میں بھی لطف بت پرستی ہے

۴

مسلمانوں کو لطف عیش سے جینے نہیں دیتے
خدا دیتا ہے کھانا شیخ جی پینے نہیں دیتے

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے
دف بجایا ہی کئے مضمون نگار
سرکشوں نے طاعتِ حق چھوڑ دی
گائیں سبزہ پا گئیں کر کے کلیل
جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے

وہ تھیٹر میں تھرکتے ہی رہے
وہ کمیٹی میں مٹکتے ہی رہے
اہلِ سجدہ سر پٹکتے ہی رہے
اونٹ کانٹوں پر لپکتے ہی رہے
جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں
نشان اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ
سعادت کا جو طالب ہو کھلا رکھ چشمِ عبرت کو
سرائے دہر کو جس نے محلِ خوف سمجھا ہو
خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہلِ غفلت نے

مگر ان کو گناہوں سے تھا ڈر اور مجھ کو مرنے سے
بجا ہے ہمتِ مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے
اثر دکھلائیگا یہ نقشِ ہستی آہ بھرنے سے
اسے کیا لطف آئیگا یہاں دل کے ٹھہرنے سے
تعجب اسمیں کیا دل مر گیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دلمیں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیرے واہ کرنے سے

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو
نہ رہنے دیگا مجھ کو جوشِ دل اب ست کش ہرگز
جوانی کی ہے آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں

یہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بیچین کرنیسے
قیامت ہو گیا ہے آپ کا سینہ ابھرنیسے
مگر سینے کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنیسے

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
سیکڑوں دل دار جنوں ہیں ابھی آنے والے
اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ نظر
خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا
حدِ ادراک میں داخل نہوا سرِ ازل
موجِ معنی ہوئی گم بندھ گئے الفاظ کے پل

ناز اتنا نہ کریں ہمکو مٹانے والے
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے
وہی کے اٹھے ہیں اس بزم میں گانے والے
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بنانے والے

آپ اندھیرے میں ہیں بجلی سے مدد لیتے ہیں
بارِ احساں جسے کہتے ہیں وہ ہے کوہِ جفا
آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہے

چاند سورج ہیں ہمیں راہ دکھانے والے
کاش نادم ہوں یہ احسان جتانے والے
سلطنت کر گئے عقبیٰ سے ڈرانے والے

قدم شوق بڑھے انکی طرف کیا اکبر
دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملانے والے

رہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے
کیوں نہو تا دیبِ کالج بے ثمر

دل ہمارا لیکے وہ چلتے ہوئے
کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

سب میں وحشت ہے زمانے کے بدل جانے سے
رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکرِ خدا
جب ہمیں وہ نہ رہے پھر یہ بدلنا کیسا
نقصِ تعلیم سے اب اسکی سمجھ ہی نہ رہی
شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے

دل اب اپنے سے نہ ملتا ہے نہ بیگانے سے
بے ادب ہو گئی مجلس ترے اٹھ جانے سے
یہ کہو مٹ گئے دنیا کے بدل جانے سے
دل تو بڑھ جاتا تھا اجداد کے افسانے سے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

حکم اکبر کو ہوا ہے کہ کرو ترکِ سخن
خواجہ حافظ بھی نکالے گئے میخانیسے

دم لبوں پر تھا دلِ زار کے گھبرانے سے
تیرا کوچہ نہ چھٹے گا ترے دیوانے سے
بچتا ہوں کوئے حسیناں کی ہوا کھانیسے
رقص کرتی ہے صبا گرم نوا ہے بلبل
جو کہا میں نے کہ دیکھو مرے رونیکا خیال
جاں بلب دیکھ کے سینے سے لگایا اُسنے
خیر چپکے رہیے مزا ہی نہ ملا بوسے کا

آ گئی جان میں جان آپ کے آجانے سے
اس کو کعبہ سے نہ مطلب ہے نہ بتخانے سے
فائدہ کیا ہے دبی آگ کے بھڑکانے سے
کشتہ اس ناچ کا ہوں مست ہوں اس گانے سے
ہنس کے بولے مجھے فرصت ہی نہیں گانے سے
گھٹ گئی شرم مرے شوق کے بڑھ جانے سے
میں بھی بے لطف ہوا آپ کے جھنجھلانے سے

خوش کرے کیا نہ مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا
اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی میں نے
شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اسکی
مضطرب خشق تپاں میں ہوں عبث میں اتنا
میہماں چرخ ستمگر کا کیا قسمت نے
خوان الوان جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقیں
میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں
رونق عشق بڑھا دیتی ہے بیتابی دل
دل صد چاک کے کھل جائینگے ہستی کے یہ پیچ
کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر
صفحۂ دہر پہ ہیں نقش مخالف اکبر

رنج ہوتا ہے بہت پھولوں کے کمھلانے سے
شکر اللہ کا ہے نبھ گئی دیوانے سے
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے
رام ہو جائیں گے کیا وہ مرے گھبرانے سے
کوئی چارہ نہیں اب خون جگر کھانے سے
حفظ ایماں ہے فقط خون جگر کھانے سے
کار دنیا نہ رکے گا ترے مرجانے سے
حسن کی شان فزوں ہوتی ہے شرمانے سے
بل نکل جائینگے اس زلف کے اس شانے سے
ایک ابھرا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے
اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
آنکھیں دکھا رہی ہیں کہ ہو دلمیں بیٹری[1]

وہ دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے
افسوس ہے انہیں کے ہزاروں گلے ہوئے
عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے
کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجلا کے شب وصل
پروانوں نے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
حیران ہوں کس طرح کروں عرض تمنا
دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
گرمی محبت میں وہ ہیں آہ سے مانع

ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے
سچ ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے
تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے
کیوں ہم کو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے
دشمن کو تو پہلو سے وہ ٹلنے نہیں دیتے
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے
پنکھا نفس سرد کا جھلنے نہیں دیتے

[1] لغت انگریزی بجلی پیدا کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں ۱۱

دور دوم

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارا نہیں ہوتا
جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
اللہ بچائے مرض عشق سے دل کو
تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گل تر سے
ہیں نزع میں ہم اب آئیں تو احسان ہے انکا
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

آنکھ انسے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا
بلبل گل تصویر کا شیدا نہیں ہوتا
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا
لیکن یہ سمجھ لیں کہ تماشا نہیں ہوتا
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نہاں ہے شکل بوئے گل جو رنگ اس روئے زیبا کا
سیہ بختی کے پڑتے ہیں جو ہمپر تیغ غربت میں
ہوا ہے امتحان ضبط پر مائل بت کافر
بڑھا کر آرزو اتنا گھٹایا عشق نے مجھ کو
نہ ہو چشم تمنا کس طرح محو رخ روشن
مری آنکھوں سے ہے کیفیت مستی دل پیدا

مری چشم تماشا چشمہ ہے خون تمنا کا
تو یاد آتا ہے بل کھانا کسی زلف چلیپا کا
خدا حافظ دل بے صبر و جان ناشکیبا کا
کہ کانٹا رہ گیا ہیں اپنے گلزار تمنا کا
رخ روشن تمھارا نور ہے چشم تمنا کا
لب ساغر سے افشا ہو رہا ہے راز مینا کا

کمال یاس حاصل ہو گیا آخر مجھے اکبر
بہت روزوں سے دلکو شغل تھا مشق تمنا کا

غم فراق کا صدمہ اٹھا نہیں سکتا
کسی کو رنگ محبت دکھا نہیں سکتا
حیائے حسن انھیں ہے حجاب عشق مجھے

اب اپنی جان میں ایجاں بچا نہیں سکتا
جو دل میں ہے وہ زباں پر میں لا نہیں سکتا
غرض وہ آ نہیں سکتے میں جا نہیں سکتا

یہ کہہ کے اُٹھ گئے ہنگام نزع مجھ سے رفیق
یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا

لگا لے سینے سے یا قتل کر مجھے ظالم
ترے قدم سے میں اب سر اٹھا نہیں سکتا

تمھیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام
میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا

نظر لگائے ہیں دلبر ہر اک طرف سے حسیں
کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گذر چکا ہے مرا کام ضبط سے اکبرؔ
میں رازِ عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

تم نے بیمارِ محبت کو ابھی کیا دیکھا
جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا

طفلِ دل کو مرے کیا جانے لگی کس کی نظر
میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا

ق

لے گیا تھا طرفِ گورِ غریباں دلِ زار
کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا

وہ جو تھے رونقِ آبادیِ گلزارِ جہاں
سر سے پا تک اُنھیں خاکِ رہِ صحرا دیکھا

کل تلک محفلِ عشرت میں جو تھے صدر نشیں
قبر میں آج اُنھیں بیکس و تنہا دیکھا

بسکہ نیرنگیِ عالم پہ اُسے حیرت تھی
آئینہ خاکِ سکندر کو سراپا دیکھا

سرِ جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت
یاس کو معتکفِ تربتِ دارا دیکھا

وصلِ جاناں کی دلِ زار کو حسرت ہی رہی
پر میسر نہ ہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی
تھا یہ قسمت کا لکھا

تم نے جو بات کہی میں نے دل و جاں سے وہ کی
نہ کیا غدر کبھی
تم کو اس پر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی
پھل یہ خدمت کا ملا

چشمۂ چشم سے اشکوں کی بھی موجیں نکلیں
ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں
آتشِ غم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی
نہ ہوا فرق ذرا

کھائیں سو مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر
نہیں اور دل پہ نظر
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی
صاف مجھ سے نہ ہوا

ایک تم ہو کہ ہزاروں ہی کئے مجھ پہ ستم
مل کے غیروں سے بہم
ایک میں ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہی رہی
کبھی شکوہ نہ کیا

دشمنوں نے تو بہت بات بنائی جا کر
کہ وہ بگڑیں مجھ پر
حال پر میرے مگر اُنکی عنایت ہی رہی
کچھ کسی سے نہ ہوا

ہے تمھاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا
رحم دل میں نہ مزا
منتیں کرتے رہے ہم تمھیں وحشت ہی رہی
پاس بیٹھے نہ ذرا

منزلِ گور میں تنہا مجھے سب چھوڑ چلے
اپنے بیگانے جو تھے
ساتھ دینے کو فقط اُسکی عنایت ہی رہی
اور کوئی نہ رہا

ہمنشیں اُٹھ گئے اس بزم سے اپنے اکبرؔ
تم بھی بس باندھو کمر
نہ وہ جلسے ہی رہے اب نہ وہ صحبت ہی رہی
کیا ہے جینے کا مزا

مائل دل وحشی ہے کسی زلفِ دوتا کا
سودا مرے دیوانے کو ہے دامِ بلا کا

انکارِ وصال اُنکے لبوں پر یہ نہیں ہے
پیغام میں سنتا ہوں مسیحا سے قضا کا

یار نے کچھ خبر نہ لی دل نے جگر نے کیا کیا
نالۂ شب سے کیا ہوا آہِ سحر نے کیا کیا

دونوں کو پا کے بیخبر کر گئے کام حسن و عشق
دل نے ہمارے کیا کیا اُنکی نظر نے کیا کیا

صاحبِ تاج و تخت بھی موت سے یاں نہ بچ سکے
جاہ و حشم سے کیا ہوا کثرتِ زر نے کیا کیا

کھل گیا سب پہ حالِ دل ہنستے ہیں دوست برملا
ضبط کیا نہ رازِ عشق دیدۂ تر نے کیا کیا

اکبرِ خستہ دل کا حال قابلِ رحم ہو گیا
اس سے سلوک کیا کہوں تیری نظر نے کیا کیا

ہجومِ غم سے ان روزوں ہے دل زیر و زبر اپنا
بحقِ احمدِ مرسل الٰہی فضل کر اپنا

نصیحت واعظوں کی اب کریگی کیا اثر اپنا
زمانہ ہو چکا ہے یونہیں رندی میں بسر اپنا

نہ روؤں کس طرح غربت میں میں دل کھو کر اپنا
حجاب اب ہے یہاں کس کا نہ شہر اپنا نہ گھر اپنا

رہ رسم محبت ان حسینوں سے میں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع انکا ہی ضرر اپنا

رہی آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
قرابت تھا بنا لیتے کسی کے دلمیں گھر اپنا

محل غیرت کا ہی جہرے یہ تو نگاوار قاتل کے
مجھے اس معرکے میں منہ نہ دکھلائے سپر اپنا

محبت کھل گئی اپنی پرائے طعنے دیتے ہیں
عجب عالم ہی غیرت سے ادھر انکا ادھر اپنا

محبت میں یہ ناصح اور بھی اک قہر ڈھاتے ہیں
کہیں کیا ناک میں دم ہی ادھر انکا ادھر اپنا

گلستان صفا میں بسکہ ہے مد نظر اپنا
گل تر سے لطافت میں فزوں ہی شعر تر اپنا

ہوا ہے بیخودی کے کوچہ میں جب سے گذر اپنا
نگاہ شوق سے میں خود ہوں منظور نظر اپنا

اُٹھاتا تھا ہزاروں سختیاں دلمیں ابھی رکھ کر
مرے سنگ لحد پر آرزو پٹکے گی سر اپنا

عروج ہستی فانی پہ کیا سرگرم عشرت ہوں
فروغ چند ساعت ہی یہاں مثل شرر اپنا

جگہ دے آمد آمد ہے نوید وصل جاناں کی
اُٹھالے سینہ سے بستر تو اے درد جگر اپنا

نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصّہ سودائے گیسو میں ہی سر اپنا

لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصر عالی میں
مآل کار بھی کچھ سوچ لے اے بیخبر اپنا

امانت عشق کی بعد اپنے کیا جانے ملی کسکو
نہیں معلوم جائے گا کس کے سر پر درد سر اپنا

غرض کیا انکو ہی پابوش انکی پانوں دھوتی ہی
لیے پھرتا ہی کیوں مہر فلک یہ طشت زر اپنا

نگاہ شوق پر پست ہوس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے ادھر اپنا

کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں میں مثل رکھتی ہی نہیں انکی کمر اپنا

نہایت جلد اگر باعث تسکین خاطر ہو
سراپا منتظر سمجھے نہ مجھے ان کی خبر اپنا

نہیں باتی نہیں باتی رسائی گوش جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ سو طرح میری خبر اپنا

غزل ایسی پڑھو مملو جو ہو عالی مضامیں سے
اگر واب دوسرے کوچہ میں اے اکبر گذر اپنا

حباب آسا اٹھایا بحر ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس دم میں موج فنا نے ہم سفر اپنا

بسر تیرہ دروں میں ہو کیونکر اہل بینش کی
اندھیرے گھر میں نہیں کچھ کام کر سکتی نظر اپنا

پہونچ جاؤنگا سجدوں سے مقام قرب باری میں
قدم کو بدلے میں اس راہ میں رکھونگا سر اپنا

خط موہوم کو ہے نقطۂ فرضی سے اک نسبت
تمھیں اپنے دہن سے کچھ کرو وصف کمر اپنا

تصور بھی کبھی مرقد کا آتا تھا نہ دنیا میں
یہ غفلت تھی کہ ہم بھولے ہوئے بیٹھے تھے گھر اپنا

رہ توحید میں کھٹکا نہیں ہے غیر کا مجھ کو
خودی کا خوف ہی لیکن رہا کرتا ہے ڈر اپنا

نزاکت کے اثر سے شعر میں بھی بندھ نہیں سکتا
بچا جاتا ہے پہلو مجھ سے مضمون کمر اپنا

ہماری سُرخی داغ جگر سے زرد رو ہونگے
جمائیں گے وہاں کیا رنگ الفت اہل زر اپنا

تردد کچھ نہیں ایذا دہندوں کو رسائی میں
تمنا بے تکلف دل میں کر لیتی ہی گھر اپنا

نسیم غیش ہو یا صرصر غم ہم نہیں ہٹتے
جما ہے پائے استقلال یہاں مثل شجر اپنا

جو پیش چشم معنی جلوۂ حسن بشر آیا
تماشہ پرتو انوار خالق کا نظر آیا

رہا دم بھر فروغ اس کو کبھی جا اوج پر آیا
مرے حصّے میں شاید اختر بخت شرر آیا

تصور جلوۂ توحید کا ہے مثل آئینہ
کیا شوق تماشا جب کبھی میں خود نظر آیا

تصور انکے عارض کا زبس رنگین و نازک تھا
پری بنکر ہمارے شیشۂ دل میں اُتر آیا

ملا ہے ہم کو یہ مضمون روشن چشم بینا سے
کہ چھوڑی جسنے خود بینی اُسے سب کچھ نظر آیا

گیا تھا ہوکے رخصت صورت تسکین دل مجھ سے
برنگ ہوش واں سے پھر کے اپنا نامہ بر آیا

حسینونکو ترے ہوتے ہوئے اے بت میں کیا دیکھوں
مجھے تو حسن تیرا خود تماشائی نظر آیا

ہوا ہے باعث ایجاد عالم حسن یہ کس کا
یہ کس کے دیکھنے کو مجمع اہل نظر آیا

جگہ بھی بیٹھنے کی اب مجھے ملتی نہیں صاحب
وہی اچھا رہا اس بزم میں جو پیشتر آیا

سوا افسانۂ دل کے کہا بھی کچھ نہیں میں نے
یہ غصہ آپ کو فرمائیے کس بات پر آیا

ہوے سرسبز لاکھوں نخل اس گلزار ہستی میں
نہ لیکن رنگ پر اپنی تمنا کا شجر آیا

نہ حاصل ہوا صبر و آرام دل کا
نہ نکلا کبھی تم سے کچھ کام دل کا

محبت کا نشہ رہے کیوں نہ ہر دم
بھرا ہی مئے عشق سے جام دل کا

پھنسایا تو آنکھوں نے دام بلا میں
مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا

ہوا خوب رسوا یہ عشق بتاں میں
خدا ہی ہے اب میرے بدنام دل کا

یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں
یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا

دھواں پہلے اُٹھتا تھا آغاز تھا وہ
ہوا خاک اب یہ ہے انجام دل کا

جب آغاز الفت ہی میں جل رہا ہے
تو کیا خاک بتلاؤں انجام دل کا

خدا کے لئے پھیر دو مجھ کو صاحب
جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا

پس مرگ اُن پر کھلا حال الفت
گئی لیکے روح اپنی پیغام دل کا

تڑپتا ہوا یوں نہیں پایا ہمیشہ
کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اُس بے وفا کو جو دیتے ہو اکبرؔ
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

فروغ کم بضاعت رونق عالم نہیں ہوتا
مہِ نو بدر ہو کر نیّر اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول سے شاداں دل پر غم نہیں ہوتا
دل انکا سنگ ہے پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفت مژگان خوباں سے
یہ ذوق نشتر دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقام بیخودی میں کی رز کیا عرض مطلب کیا
وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہے یہ عالم نہیں ہوتا

صفائے سینہ تک دست تصور کس طرح پہنچے
وہ سینہ آشنائے دست نامحرم نہیں ہوتا

تمھارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرت واعظ
اثر لیکن نگاہ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

تمنائے وصال یار میں ہر وقت روتا ہوں
فراق آستیں و دیدۂ پُر نم نہیں ہوتا

شکستہ سوختہ۔ مجروح اسیر تمنّا میں
دل عاشق سا دنیا میں کوئی پُر غم نہیں ہوتا

اگر دل واقف نیرنگی طبع صنم ہوتا
زمانہ کی دو رنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا

یہ پابند مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو رہتے ہیں
نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

اُنھیں کی بیوفائی کا یہ ہے آٹھوں پہر صدمہ
وہی ہوتے جو قابو میں تو پھر کاہیکو غم ہوتا

لب و چشم صنم گر دیکھنے پاتے کہیں شاعر
کوئی شیریں سخن ہوتا کوئی جادو رقم ہوتا

بہت اچھا ہوا آئے نہ وہ میری عیادت کو
جو وہ آتے تو غیر آتے جو غیر آتے تو غم ہوتا

اگر قبریں نظر آتیں نہ دارا و سکندر کی
مجھے بھی اشتیاق دولت و جاہ و حشم ہوتا

لیے جاتا ہے جوش شوق ہم کو راہ الفت میں
نہیں تو ضعف سے دشوار چلنا دو قدم ہوتا

نہ رہنے پائے دیواروں میں روزن شکر ہے ورنہ
تمھیں تو دل لگی ہوتی غریبوں پر ستم ہوتا

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چھوٹا
مجھی سے جلسۂ رنگیں یاران وطن چھوٹا

وہ ترچھی نظروں سے دیکھا کئے اور میں رہا بسمل
نہ بیتابی گئی میری نہ اُن کا بانکپن چھوٹا

روشن دل عارف سے فزوں ہے بدن انکا
رنگیں ہے طبیعت کی طرح پیرہن انکا

محروم ہی رہ جاتی ہے آغوش تمنا
شرم آ کے چرا لیتی ہے سارا بدن انکا

جن لوگوں نے دل میں ترے گھر اپنا کیا ہے
باہر ہے دو عالم سے مری جان وطن انکا

ہر بات میں وہ چال کیا کرتے ہیں مجھ سے
الفت نہ نبھے گی جو یہی ہے چلن انکا

عارض سے غرض ہم کو عنادل کو ہے گل سے
ہے کوچۂ معشوق ہمارا چمن انکا

ہے صاف نگاہوں سے عیاں جوش جوانی
آنکھوں سے سنبھلتا نہیں مستانہ پن انکا

یہ شرم کے معنی ہیں حیا کہتے ہیں اسکو
آغوش تصور میں نہ آیا بدن انکا

غیروں ہی پہ چلتا ہے جواب ناز کا خنجر
کیوں پیچ میں لایا تھا مجھے بانکپن انکا

غیروں نے کبھی پاک نظر سے نہیں دیکھا
وہ اُس کو نہ سمجھیں تو یہ ہے حسن ظن انکا

اس زلف و رخ و لب پہ انھیں کیوں نہو نخوت
تاتار ہے انکا حلب اُن کا یمن انکا

اللہ رے فریب نظر چشم فسوں ساز
بندہ ہے ہر اک شیخ ہر اک برہمن انکا

آیا جو نظر حُسن خدا داد کا جلوہ
بُت بن گیا منہ دیکھ کے ہر برہمن انکا

مرقد میں اُتارا ہمیں تیوری کو چڑھا کر
ہم مر بھی گئے پر نہ چھٹا بانکپن انکا

گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس ایجان من اُن کا
دلچسپ ہے آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
بات انکی ادا ان کی قد اُن کا چلن اُن کا

پوشیدہ آنکھوں میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیال یار مرا میہماں رہا
فریاد کس کی تھی پس دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا
بیجا مرے سفر پہ ہیں یہ بدگمانیاں
ہے پیش نظر تمھیں تو رہے میں جہاں رہا

مصحف رخسار یوسف میں ہو جب تفسیر خواب
کیا زلیخا کو عزیز مصر دے تعبیر خواب
اگلی باتیں سنکے عبرت کے عوض غفلت نگر
غافلوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیر خواب
کوچۂ جاناں سے اُٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
ہے طلسم تازہ بیڑی کے عوض زنجیر خواب
خواب تھیں بیداریاں اس ہستی موہوم کی
گور میں خواب فنا سے مل گئی تعبیر خواب
برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھ کو خواب میں
قرب اُن سے ہوگا الٹی ہے اگر تعبیر خواب
وصل میں شوق تماشا ہجر میں اشکوں کا جوش
عاشقی میں الغرض ممکن نہیں تدبیر خواب
قتل کرتا ہے تڑا بے ساختہ سونا مجھے
اس ادائے خواب کو کہتا ہوں میں شمشیر خواب

اس زمیں میں اور بھی پڑھیے غزل اکبر کوئی
پڑ گئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیر خواب

ہم جو سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیر خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی نہ وہ تصویر خواب
عالم ایجاد بھی اک عالم موہوم ہے
جتنی تعمیریں ہیں یہاں کی ہیں یہ سب تعمیر خواب
خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دئے
حشر کس دن ہونگے یارب ہم گریباں گیر خواب
کون ایسا ہے جو ہر شب چین سے سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے فیض عالمگیر خواب
حضرت یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سے مجھ کو مل گئی تعبیر خواب

خواب میں شاید کہی ہے تم نے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہے یہ سب تقریر خواب

نظر آتی نہیں جب انہیں اثر کی صورت
فائدہ کیا جو ہوئے اشک گہر کی صورت
خانۂ دل کو کیا عشق بتاں نے برباد
کیا سے کیا ہوگئی اللہ کے گھر کی صورت
حسن کیواسطے لازم ہے تلون شاید
دیکھئے روز بدلتی ہے قمر کی صورت
ہمنے مخلوق میں خالق کی تجلی پائی
دیکھ لی آئینہ میں آئینہ گر کی صورت

دل رنگیں بھی عجب دل ہے مگر پھر ہے یہ
خون ہو جاتا ہے مصروف تمنا ہوکر
مرض عشق سے صحت نہیں ہوتی تو نہ ہو
کام ہی کیا ہے کروں گا جسے اچھا ہوکر
عالم اُسکے رُخ زیبا کا بیاں ہو کس سے
حسن حیرت میں ہے خود محو تماشا ہوکر

بتوں کی مجھ کو یہ ترچھی نظر نہیں منظور
خرابی دل و جان و جگر نہیں منظور
وہ ٹالتے ہیں عبث آجکل پہ وعدۂ وصل
جواب صاف نہ دیدیں اگر نہیں منظور
یہاں کے آنے میں تکلیف ہوگی انکو کمال
اسی سے جذبۂ دل کا اثر نہیں منظور
وہ خود رقیبوں سے ملنا جو ترک کرتے ہیں
تو خیر مجھ کو بھی اب انسے شر نہیں منظور
مرض ہزار بلاخیز ہو پسند ہے وہ
دوا میں لاکھ شفا ہو مگر نہیں منظور
ہزار بے اثری ہو رہیگا ضبط مجھے
فغاں میں لاکھ اثر ہو مگر نہیں منظور
نہ ہو عروج نہ ہو بیفروغ ہوں تو رہیں
یہ سرکشی تو بسان شرر نہیں منظور
قبول سایۂ دیوار یار میں رہنا
ہما کا سایہ مگر فرق پر نہیں منظور
ہزار نوک سناں سینہ پر گوارا ہے
نگر یہ کاوش تیر نظر نہیں منظور
اداس ہوتے ہو کیوں بیٹھو پھر چلے جانا
تمہارا روکنا پھر رات بھر نہیں منظور
جو گھر سے نکلا تو ظالم مرے دکھانیکو
اُدھر چلا ہو کہ جانا جدھر نہیں منظور
عدم کو جاتا ہوں احباب دیکھ لیں آکر
وہیں رہونگا اب آنا ادھر نہیں منظور
ازل میں خالق برحق سے روح کا تھا یہ قول
بغیر عشق لباس بشر نہیں منظور
وہ دل پسند نہیں جسمیں جائے درد نہ ہو
ہوائے غم نہ ہو جسمیں وہ سر نہیں منظور

محل امن یہی ہی کہ سب بھلائے ہیں
کسی کے دل میں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیال وصل بتاں چھوڑ دو بس اے اکبر
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۷۰ء

آگیا وقت اجل اے شوق دنیا الوداع
الوداع اے حسرت دل اے تمنا الوداع

الوداع اے ساقی مے خانۂ طول امل
اے سرور بادۂ امید فردا الوداع

اے خم محراب ایوان خوش آئین السلام
اے شکوہ رفعت قصر معلّیٰ الوداع

الوداع اے مسند و فرش و قبا و پیرہن
اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع

الوداع اے رنگ وحشت الوداع اے فرط شوق
رخصت اے جوش جنوں اے سیر صحرا الوداع

الوداع اے جلوۂ نیرنگی حسن بتاں
اے خیال عارض و زلف چلیپا الوداع

الوداع اے عالم نیرنگی باغ جہاں
اے نگاہ دیدۂ محو تماشا الوداع

عازم ملک عدم ہے اکبر خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزم احبّا الوداع

ہوا پھر قیدی زلف دوتا دل
بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل

نگاہیں چتونیں عشوے کرشمے
ادھر اتنے ادھر تنہا مرا دل

نہ چھوڑا آتش الفت نے پیچھا
جگر جلنے لگا جب جل چکا دل

لگاوٹ غیر سے ہم سے رکھائی
انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل

یہ وقت نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو
نہ توڑو عاشق رنجور کا دل

بڑے صدمے اٹھائے تم نے اکبر
بتوں کو اب نہ دو بہر خدا دل

عہد طفلی سے ہی مذہب میں گرفتاری دل
ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہی یہ بیماری دل

نئے انجام مبارک رہیں نوخیزوں کو
میں ہوں اور آرزوئے مرگ و وفاداری دل

زلف اسلام میں الجھے ہوئے مدت گذری
اب کہاں چھوٹتی ہی مجھ کو وفاداری دل

میں تو شیدا اسے رسول عربی ہوں اکبر
بخدا ہے بس انھیں کے لئے سرداری دل

حاصل عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کیلئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں

وجہ کیا تم سے کہوں اسکی طبیعت ہی تو ہی
دلکو اک جوش ہی روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں

زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا ساماں
قبر میں بعد فنا آئے تو اب کچھ بھی نہیں

نہ تو خلوت ہی میسر ہی نہ کچھ لطف کی بات
کیوں بلایا ہی مجھے آپ نے جب کچھ بھی نہیں

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم
صبحدم وہ اثر جلسۂ شب کچھ بھی نہیں

کوئی اکبر سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
پھروں روتا ہی جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

سنبھالیں دل کو کہ ہم حالت جگر دیکھیں
تمام آگ لگی ہے کدھر کدھر دیکھیں

کریں نہ لطف و کرم وہ تو کیا وفا نہ کریں
یہی سمجھ ہے تو اچھا ستم بھی کر دیکھیں

یہ کہہ کے روح نے دل کو کیا سپرد انکے
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں

تڑپ کے جان ابھی دوں کہ ہوں خجل اغیار
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ اک نظر دیکھیں

کبھی تو بوسۂ سیب ذقن عنایت ہو
نہال عیش کو اک دن تو بار ور دیکھیں

زاہد خشک حسن بتاں سے ہیں بے نصیب
آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں

میں جنکے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی
اُن کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

تاثیر انتظار نے یہ حال کر دیا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں

بخوف دل کو کرتے ہو پامال اے بتو
یہ شوخیاں خدا کا بھی گھر دیکھتے نہیں

ڈورے تو ڈالنے دو ذرا چشم شوق کو
دیکھیں گے کس طرح وہ ادھر دیکھتے نہیں

محل امن یہی ہے کہ سب بھلائے ہیں
کسی کے دل میں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیال وصل بتاں چھوڑ دو بس اے اکبرؔ
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۷۰ء

آگیا وقت اجل اے شوق دنیا الوداع
الوداع اے حسرت دل اے تمنا الوداع

الوداع اے ساقی مے خانۂ طول امل
اے سرور بادۂ امید فردا الوداع

اے خم محراب ایوان خوش آئین السلام
اے شکوہ رفعت قصر معلّیٰ الوداع

الوداع اے مسند و فرش و قبا و پیرہن
اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع

الوداع اے رنگ وحشت الوداع اے فرط شوق
رخصت اے جوش جنوں اے سیر صحرا الوداع

الوداع اے جلوۂ نیرنگی حسن بتاں
اے خیال عارض و زلف چلیپا الوداع

الوداع اے عالم نیرنگی باغ جہاں
اے نگاہ دیدۂ محو تماشا الوداع

عازم ملک عدم ہے اکبرؔ خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزم احبا الوداع

ہوا پھر قیدی زلف دوتا دل
بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل

نگاہیں چتونیں عشوے کرشمے
ادھر اتنے ادھر تنہا مرا دل

نہ چھوڑا آتش الفت نے پیچھا
جگر جلنے لگا جب جل چکا دل

لگاوٹ غیر سے ہم سے رکھائی
انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل

یہ وقت نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو
نہ توڑو عاشق رنجور کا دل

بڑے صدمے اٹھائے تم نے اکبرؔ
بتوں کو اب نہ دو بہر خدا دل

عہد طفلی سے ہے مذہب میں گرفتاری دل
ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہے یہ بیماری دل

نے انجام مبارک رہیں نوخیزوں کو
میں ہوں اور آرزوئے مرگ وہ وفاداری دل

زلف اسلام میں الجھے ہوئے مدت گذری
اب کہاں چھوڑتی ہے مجھ کو وفاداری دل

میں تو شیدا اسے رسول عربی ہوں اکبرؔ
بخدا ہے بس انھیں کے لئے سرداری دل

حاصل عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کیلئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں

وجہ کیا تم سے کہوں اسکی طبیعت ہی تو ہے
دلکو اک جوش ہے روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں

زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا ساماں
قبر میں بعد فنا آئے تو اب کچھ بھی نہیں

نہ تو خلوت ہی میسر ہے نہ کچھ لطف کی بات
کیوں بلایا ہے مجھے آپ نے جب کچھ بھی نہیں

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم
صبحدم وہ اثر جلسۂ شب کچھ بھی نہیں

کوئی اکبرؔ سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
پہروں روتا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

سنبھالیں دل کو کہ ہم حالت جگر دیکھیں
تمام آگ لگی ہے کدھر کدھر دیکھیں

کریں نہ لطف و کرم وہ تو کیا وفا نہ کروں
یہی سمجھ ہے تو اچھا ستم بھی کر دیکھیں

یہ کہہ کے روح نے دل کو کیا سپرد انکے
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں

تڑپ کے جان ابھی دوں کہ ہوں خجل اغیار
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ اک نظر دیکھیں

کبھی تو بوسۂ سیب ذقن عنایت ہو
نہال عیش کو اک دن تو بارور دیکھیں

زہاد خشک حسن بتاں سے ہیں بدنصیب
آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں

میں جسکے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی
اُن کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

تاثیر انتظار نے یہ حال کر دیا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں

بےخوف دل کو کرتے ہو پامال اے بتو،
یہ خوش خیال خدا کا بھی گھر دیکھتے نہیں

ڈورے تو ڈالنے دو ذرا چشم شوق کو
دیکھیں گے کس طرح وہ ادھر دیکھتے نہیں

زخمی تری نظر سے بھی ہو ضبط بھی کرے
اتنا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں

میری جو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں اپنی جاں
ان کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

ہے انقلاب حسن کے عالم میں کسقدر
وہ دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں

اکبر نہ سینک شعلۂ حسن بتاں پہ آنکھ
عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

رقیب تیرہ باطن کو جگہ دے رکھی ہے دلمیں
نہیں کچھ اور عیب اسکے سوا اس ماہ کامل میں

نہ پوچھو وسعت اندیشۂ عشاق قامت کو
یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہے انکے گوشۂ دل میں

بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو پیدا ہوں
بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلی کا محمل میں

زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری
نگاہوں کو نہیں یارا کہ اٹھیں تیری محفل میں

بہت آسان ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی
بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

سو جاں سے محو رخ جاناں ہیں تو ہم ہیں
اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں

گلگشت کریں پھول چنیں ان کو ہے کیا غم
آوارۂ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں

بھڑکی ہوئی ہے آتش گل اپنے ہی دم سے
سوز جگر بلبل نالاں ہیں تو ہم ہیں

شور اپنے ہی جلوے کا ہے دیر و حرم میں
مقصود دل گبر و مسلماں ہیں تو ہم ہیں

اے برق تڑپنے میں ہمیں ہیں تری ساتھی
اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں

دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت
بس ایک غم ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

آ چکی بس مرے حصے میں شب وصل ازل
گردش چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں

بعد مدت کے جو تقریر بھی کی تمنے تو وہ
جس کے مطلب نہیں معنی نہیں مفہوم نہیں

کمر یار ہے باریکی سے غائب ہر چند
مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں

ترچھی چتون سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب
موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں

میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ اُن سے
ہنس کے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

دم نکلتا ہے ہمارا ہجراں کو نہیں کچھ
جان جاتی ہے ہماری انھیں معلوم نہیں

جب کہا میں نے مرے حصہ میں آؤ گے کبھی
ہنس کے فرمایا کہ ایسے ترے مقسوم نہیں

خوب کرتا ہوں رقیبوں کی برائی اُن سے
مذہب عشق میں غیبت کہیں مذموم نہیں

حرم کیا دیر کیا دونوں یہ ویراں ہوتے جاتے ہیں
تمھارے معتقد گبر و مسلماں ہوتے جاتے ہیں

الگ سب سے نظر نیچی خرام آہستہ آہستہ
وہ مجھ کو دفن کر کے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سو طفلی سے بھی ہیں بھولی باتیں اب جوانی میں
قیامت ہے کہ دن پر دن وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

کہاں سے لاؤں گا خون جگر انکے کھلانے کو
ہزاروں طرح کے غم دل کے مہماں ہوتے جاتے ہیں

خرابی خانہائے عیش کی ہے دور گردوں میں
جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ویراں ہوتے جاتے ہیں

بیاں میں کیا کروں دل کھولکر شوق شہادت کو
ابھی سے آپ تو شمشیر عریاں ہوتے جاتے ہیں

غضب کی یاد ہیں عیاریاں واللہ تم کو بھی
غرض قائل تمھارے ہم تو اے جاں ہوتے جاتے ہیں

ادھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاوٹ کی
ادھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں

غم ہے اتنا کہ دل زار پہ قابو بھی نہیں
ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں

کیا مرے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی ہوا
رنگ کیسا کہ کسی پھول میں خوشبو بھی نہیں

جفا میں جھیل کر تاثیر الفت کی دکھاتے ہیں
حنا کی طرح پس لیتے ہیں تب ہم رنگ لاتے ہیں

فدا سو جان سے ہوتا ہوں پروانوں کی ہمت پر
جلے جاتے ہیں لیکن شمع سے لپٹے ہی جاتے ہیں

کھلایا غم پلایا خون دل مہماں نوازی کی
ترے احسان مند اے چرخ ہم دنیا سے جاتے ہیں

خودی و بیخودی دونوں ہیں عکس صورت جاناں
اُسی کو جلوہ گر پاتے ہیں جس عالم میں جاتے ہیں

سحر کو در پہ جاتا ہوں تو فرماتے ہیں اندر سے
ابھی سو کر اٹھے ہیں ہاتھ منہ دھوتے ہیں آتے ہیں

یہ چرخ نے برہم کیا جس کو وہ صحبت خوب تھی
مٹ گئی جو قسمت بد سے وہ رنگت خوب تھی

صحبت باہم میں تو اب روز رہتا ہے فساد
ہم سے انسے دور کی صاحب سلامت خوب تھی

مار ڈالا رنج تنہائی نے غربت میں ہمیں
اب خیال آیا کہ یاروں ہی کی صحبت خوب تھی

جان دی شیریں نے اُسپر اُسپہ لیلی مر گئی / عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی

غم نہیں اسکا جو شہرت ہو گئی / ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز / مل گئے صاحب سلامت ہو گئی

ہاے کیا دلکش ہی اسکی چشم مست / آنکھ ملتے ہی محبت ہو گئی

چودھواں سال انکو ہے نام خدا / عمر آفت تھی قیامت ہو گئی

ناز سے اسنے جو دیکھا شیخ کو / انکی دینداری ہی رخصت ہو گئی

خدا کا گھر بنا ناہی تو نقشہ کسی دل کا / یہ دیواروں کی کیا تجویز ہی زاہد یہ چھت کیسی

یہ کار عاشقی ہے دل جدھر لیجائے جا اکبر
نہ بحثیں اسمیں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

تمھیں سے ہوئی مجھکو الفت کچھ ایسی / نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی

جہاں دل دکھا بس نکل آئے آنسو / بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی

حیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھ کو / نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی

گرے میری نظروں سے خوبان عالم / پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی

میں رونے لگا حال دل کہتے کہتے / یکایک بھر آئی طبیعت کچھ ایسی

یہ غیروں نے اب ان کو برہم کیا ہی / نہ تھی ورنہ رنجش کی صورت کچھ ایسی

بسر کیوں نہ ہو عشق خوباں میں اکبر
خدا ہی نے دی ہے طبیعت کچھ ایسی

سنہ ۱۸۷۰ع

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی / نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی

نہ دل آتا ہی قابو میں نہ نیند آتی ہی آنکھوں میں / شب فرقت میں کیونکر بن پڑے تدبیر سونے کی

یہاں بیداریوں سے خون دل آنکھوں میں آتا ہی / گلابی کرتی ہی آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

بہت بیچین ہوں نیند آرہی ہی رات جاتی ہی / خدا کیواسطے جلد اب کرو تدبیر سونے کی

یہ زر وہ چیز ہی جو ہر جگہ ہے باعث شوکت / سنی ہے عالم بالا میں بھی تعمیر سونے کی

ضرورت کیا ہی رکنے کی مرے دلسے نکل نعرہ / ہوس مجھ کو نہیں اے نالۂ شبگیر سونے کی

چھپر کھٹیاں جو سونیکی بنائی اس سے کیا حاصل / کرو اے غافلو کچھ قبر میں تدبیر سونے کی

نظر لطف و کرم یار کی اب وہ نہ رہی / پہلے اِک بات جو تھی پیار کی اب وہ نہ رہی

نا اُمیدی سی ہوئی دیکھ کے غیروں کا ہجوم / آرزو تیرے طلب گار کی اب وہ نہ رہی

وہ لگاوٹ تھی فقط دل کے لبھانے کیلئے / مہربانی بت عیار کی اب وہ نہ رہی

یہ درد دل بھی نہ تھا سوزش جگر بھی نہ تھی / ان آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی

زمانہ سازی ہے اب یہ کہ منتظر تھا میں / ہمارے آنے کی تم کو تو کچھ خبر بھی نہ تھی

فلک نے کیوں شب فرقت مجھے ہلاک کیا / جمال یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی

تمھارے دل کی نزاکت پہ اس کو رحم آیا / نہیں تو آہ مری ایسی بے اثر بھی نہ تھی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم حُسن بتاں / دہن کو سمجھے تھے معدوم واں کمر بھی نہ تھی

جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر میں جھوٹا / مرا جگر بھی نہ تھا آپ کی نظر بھی نہ تھی

گذر یہ ہو گیا کیونکر دل پریشاں کا / جگہ تو کوچۂ گیسو میں بال بھر بھی نہ تھی

لپٹ گئے وہ گلے سے مرے تو حیرت کیا / وہ سنگدل بھی نہ تھے آہ بے اثر بھی نہ تھی

نگاہ بھر سے دیکھا یہی غنیمت ہے / مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی

شہید جلوۂ مستانہ ہو گیا شب وصل / خوشی نصیب میں عاشق کے رات بھر بھی نہ تھی

تری نظروں سے ہماری جب نظر ملتی نہ تھی / ہم کو ایسی لذّت درد جگر ملتی نہ تھی

ہر گلی کوچہ میں چرچا میری بیماری کا تھا / کیا کسی سے آپ کو میری خبر ملتی نہ تھی

وہ بھی کیا دن تھے تری شرم و حیا کا اے پری / آئینہ میں چشم جو ہر سے نظر ملتی نہ تھی

میں اپنی آہ کئے جاؤں واں اثر نہ سہی / مجھے تو بیخبری ہے انھیں خبر نہ سہی

یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی

اثر وہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی

نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کیواسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسین جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترا یدل
بس ایک اُن کی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک ان کا گھر نہ سہی

سنہ ۱۸۸۱ع

نہ خود رہے نہ حکومت رہی سلیماں کی
کہانی ہوگئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلف پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

جماتی ہے لب نازک پہ اُنکے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سُرخی پاں کی

نگاہ ناز بتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دین و ایماں کی

میں اپنی راست روی کو کبھی نہ چھوڑونگا
حضور وضع کو سیدھی بنائیں یا بانکی

طریق عشق میں ہے بیخودی کو منصب خضر
کہ رہنمائی یہ کرتی ہے کوئے جاناں کی

فریب میں بت کافر کے آگیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دین و ایماں کی

عجب ہے مجھ کو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بار احساں کی

غذائے خون جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوان الواں کی

ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسل ہے تیرے داماں کی

نہیں ہے سیب کی خواہش پئے علاج دماغ
یہ آرزو ہے کہ بو سونگھئے زنخداں کی

عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں
کسی کو دل کی ہے پروا نہ قدر ہے جاں کی

کوئی ہے سینہ سپر تیغ ناز کے آگے
کسی کی مروح نشانہ ہے تیر مژگاں کی

نہیں ہے ظلمت اعمال کا کچھ اندیشہ
کہ روشنی ہے مرے دل میں نور ایماں کی

وہ پونچھیں آنسو مرے آکے اپنے دامن سے
ہے قسمت ایسی کہاں میری چشم گریاں کی

وہ چشم ہوں کہ جو ہے محو جلوۂ توحید
وہ دل ہوں جسمیں تجلی ہے نور عرفاں کی

وہ حال ہوں کہ بیاں جسکا دل دکھاتا ہے
وہ شکل ہوں کہ نشانی ہے درد پنہاں کی

وہ ذرہ ہوں کہ بیاباں ہے گرد جسکے حضور
وہ قطرہ ہوں کہ حقیقت نہ سمجھے طوفاں کی

وہ درد ہوں جو پیام اجل ہے دل کیلئے
طپش وہ ہوں کہ جو بجلی ہے خرمن جاں کی

سکوت کیوں نہ ہو مہر لب سخن اکبرؔ
زمانہ میں نہ رہی قدر اب سخنداں کی

ہوگیا بدر ہلال اس کا سبب روشن ہے
روز گھستا تھا ترے در پہ جبیں تھوڑی سی

منزل گور میں کیا خاک ملے گا آرام
خو تڑپنے کی رہی اور زمیں تھوڑی سی

آپ کو غیر کی راحت کا مبارک ہو خیال
خیر تکلیف اُٹھالیں گے ہمیں تھوڑی سی

طلسم کالبد میں ہے مقید روح انساں کی
نہیں اربع عناصر چار دیواری ہے زنداں کی

اُسے سودائے گیسو ہوگیا جسنے مجھے دیکھا
پریشانی مری تصویر ہے زلف پریشاں کی

نہیں کچھ رنج اس ظلمت کدہ میں بیفروغی کا
تجلی پیش چشم اپنے ہے شمع نور ایماں کی

صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حال دل اپنا
یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جاناں کی

وہ تھا اک وقت جب سیر چمن میں بھول جاتے تھے
زمانہ ایک یہ ہے خاک اڑاتے ہیں بیاباں کی

پھر آئی فصل گل پھر جوش سودا ہوگیا مجھ کو
اڑائی دھجیاں جوش جنوں نے پھر گریباں کی

وہی میں ہوں کہ غیروں کو وہاں آنے نہ دیتا تھا
وہی میں ہوں کہ پہروں منتیں کرتا ہوں درباں کی

تمام حسرتیں پیری میں ہوگئیں رخصت
بس ایک رہ گئی مرنیکی آرزو باقی

جو ذبح کرتا ہے پر کھولدے مری صیاد
کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی

ہمارے شہر میں یارب یہ کیا پڑی آفت
نہ خوبرو ہے باقی نہ خوش گلو باقی

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیر حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

دنیا میں کون خانۂ دل کی کریگا قدر
آبادی اسکی ایسے خرابے میں ہو چکی

بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہِ یار
دونوں جہان سے بھی تو یہ مجھ کو کھو چکی

اب جان ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے
ایمان و دل تو پہلے ہی الفت میں کھو چکی

تھک تھک گئی زبان دم شرح درد دل
یہ داستاں مگر نہ کبھی دوستو چکی

اکبر عروس دہر سے چشم وفا نہ رکھ
دارا و جم کی جب نہوئی تیری ہو چکی

خفا ہوے سبب مجھ سے کہو میری خطا کیا ہے
چھوا ابھی زلف مشکیں کو تو آفت کیا بلا کیا ہے

قیامت ہے طبیعت آگئی اُس آفت جاں پر
جسے اتنا نہیں معلوم الفت کیا وفا کیا ہے

اُنھیں بھی جوش الفت ہو تو لطف اٹھے محبت کا
ہمیں دن رات اگر تڑپے تو پھر اسمیں مزا کیا ہے

مصیبت عین راحت ہے اگر ہو عاشق صادق
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے

کوئی دن کا ہوں مہماں آچکی ہے جان ہونٹوں پر
وہی خود دیکھ لیں آکر کہ اب مجھ میں رہا کیا ہے

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاج درد دل اپنا
مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اسکی دوا کیا ہے

سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں روکو طبیعت کو
یہ رونا یہ تڑپنا خیر ہے تم کو ہوا کیا ہے

آج آرایش گیسوئے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جاں گرفتار بلا ہوتی ہے

شوق پابوسی جاناں مجھے باقی ہے ہنوز
گھاس جو اُگتی ہے تربت پہ حنا ہوتی ہے

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

جو زمیں کوچۂ قاتل میں نکلتی ہے نئی
وقف وہ بہر مزار شُہدا ہوتی ہے

جسنے دیکھی ہو وہ چتون کوئی اُس سے پوچھے
جان کیونکر ہدف تیر قضا ہوتی ہے

نزع کا وقت بُرا وقت ہے خالق کی پناہ
ہے وہ ساعت کہ قیامت سے سوا ہوتی ہے

روح تو ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو ایک طرف دل سے جدا ہوتی ہے

خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل
پر کروں کیا یونہیں تسکین ذرا ہوتی ہے

روندتے پھرتے ہیں وہ مجمع اغیار کیساتھ
خوب توقیر مزار شہدا ہوتی ہے

مرغ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نگہ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے

نالہ کرنے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

جسم تو خاک میں ملجاتے ہوے دیکھتے ہیں
روح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

ہوں فریب ستم یار کا قائل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اثر دکھانے پہ یہ جذب دل جو آتا ہے
کنوئیں سے حضرت یوسف کو کھینچ لاتا ہے

فلک جو روز نیا داغ اک دکھاتا ہے
ہمارے حوصلۂ دل کو آزماتا ہے

کبھی جو دعوے منصور میں شک آتا ہے
خیال یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے

وہ بات ہوں کہ جو لاتی ہے جوش میں دلکو
وہ حال ہوں کہ جسے سنکے وجد آتا ہے

جو بیخودی میں مجھے چھوڑ کر وہ جاتے ہیں
تو میرے حال پہ رونیکو ہوش آتا ہے

الٰہی خیر ہو اُس بت کے ناز بیجا کی
دل غریب کو میرے بہت ستاتا ہے

زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز
یہ آئینہ تیری صورت مجھے دکھاتا ہے

وہ دو ہی ہاتھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی
دہان زخم اسی پر تو مسکراتا ہے

ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمھاری یاد
کبھی تمھیں بھی ہمارا خیال آتا ہے

نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے

وہ میکدہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے
ہزار ساغر جم روز ٹوٹ جاتا ہے

خدا پناہ میں رکھے کشاکش غم سے
اسی سے تار نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے

مصائب شب فرقت اُٹھا چکا ہوں میں
عذاب گور سے واعظ کسے ڈراتا ہے

نہ پوچھیے ستمِ جوشِ حسرتِ دیدار
یہ جانِ زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے

دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور
وگرنہ آپ میں آنا تو مجھ کو آتا ہے

فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں
ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یادِ خدا کر اے اکبرؔ
بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواتا ہے

کیا پوچھتے ہو مجھ سے پہلو میں تیرے کیا ہی
اب تو نہیں ہی کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہی

پایا عجیب عالم قاتل تری گلی میں
ہر زخم یاں ہی مرہم ہر درد یاں دوا ہی

مجھ زار ناتواں کا رہتا ہے میل خاطر
سختی دل تمہاری ہم سنگ کہربا ہی

برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم
کہتے ہیں عمر جس کو معشوق بیوفا ہی

گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی
داغ جنوں کا سکہ سرمایۂ وفا ہی

صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاکِ رہِ وفا ہی

رنگیں تری ادا نے دل خوں کیا چمن کا
جو گل ہی داغ دل ہی جو برگ ہی حنا ہی

ہو جس طرف طبیعت لازم ہے شوق کامل
ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہی

ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دلکو میں نے
رنگ رخ تمنا گرد رہ وفا ہی

اکل کی تھی بیخودی میں دم بھر کو سیر دل کی
کس لطف کی ہوا ہی کیا باغ خوش فضا ہی

کیا شرح آرزو پر وا ہو زبان اپنی
افسانۂ دو عالم آغاز مدعا ہی

اظہار شوق میں ہے رسوائیِ محبت
ہے حرف آبرو پر جو حرف مدعا ہی

اہل عدم نہ پوچھو کچھ ہم سے حال دنیا
رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہی

کیونکر نہ شعر اکبرؔ آئے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے کوچہ ہی دوسرا ہی

بس گئی ہے دل میں وہ زلفِ دوتا کیا کیجیے
جان آفت میں ہوئی ہے مبتلا کیا کیجیے

نزع میں پوچھا جو اکبرؔ سے کہ کیوں دیتا ہے جان
آہِ سرد اک بھر کے وہ کہنے لگا کیا کیجیے

افسانۂ حال

دم لبوں پر آگیا ہے اب دوا کا ذکر کیا
اک بت کافر کی الفت ہے دعا کیا کیجیے

جس کے صدمے سے متشکل کل یہی تھی میری جان
پھر وہی درد آج سینے میں اٹھا کیا کیجیے

وہ اٹھی تو بہت گھر سے اپنے مرے گھر میں مگر کبھی آ نہ سکے
وہ نسیم مراد چلے بھی تو کیا کہ جو غنچۂ دل کو کھلا نہ سکے

تری عشق سے باز بھی آ نہ سکے ترے ظلم و ستم بھی اٹھا نہ سکے
جو نصیب میں لکھی ہوئی تھی قضا کسی طور سے جان بچا نہ سکے

شب و روز جو رہتے تھے پیش نظر بڑے لطف سے ہوتی تھی عمر بسر
یہ خبر نہیں جا کے رہے وہ کدھر کہ ہم انکا نشان بھی پا نہ سکے

کبھی جن کے خیال میں ہجر کی شب مجھے نیند نہ آتی تھی ہائے غضب
وہ جو روئے بھی آکے مزار پر اب مجھے خواب لحد سے جگا نہ سکے

یہ مری ہی نہ آہ کا ہے یہ اثر کہ رقیبوں سے وہ بھی ہوئے ہیں بہر
مری حال پہ چشم کرم جو رہی کوئی آپ سے آنکھ ملا نہ سکے

کیا جذبۂ عشق نے میرے اثر رہی غیرت حسن پہ انکی نظر
پس پردہ صدا تو سنائی مجھے مگر اپنا جمال دکھا نہ سکے

رہا شہر عشق کا یاں مجھے ڈر انھیں اپنے پرائے کا خوف و خطر
رہیں دل ہی میں حسرتیں دونوں طرف جو میں جا نہ سکا تو وہ آ نہ سکے

وہی لگی تڑپ ہی درد جگر ہوا تو یہ عشق کا کچھ نہ اثر
تری شکل جو آنکھوں میں پھرتی رہی تری یاد بھی دل سے بھلا نہ سکے

تری بانکی ادا ہے وہ ہوش ربا کہ ہوں خضر و مسیح بھی جس پہ فدا
وہ فریب بھرا ہے نظر میں تری کہ فرشتے بھی دل کو بچا نہ سکے

ہے خدا کی جناب میں صبح و مسا یہی اکبرؔ خستہ جگر کی دعا
کہ ہمارے سوا بت ہوش ربا کوئی سینے سے تجھ کو لگا نہ سکے

تری زلفوں میں دل الجھا ہوا ہے
بلا کے پیچ میں آیا ہوا ہے

نہ کیونکر بوئے خوں نامے سے آئے
اسی جلاد کا لکھا ہوا ہے

چلے دنیا سے جس کی یاد میں ہم
غضب ہے وہ ہمیں بھولا ہوا ہے

کہوں کیا حال اگلی عشرتوں کا
وہ تھا اک خواب جو بھولا ہوا ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں
کریں کیا اب تو دل اٹکا ہوا ہے

ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر
ہمیں سے آپ کا ٹھہرا ہوا ہے

بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ
طبیعت کو خدایا کیا ہوا ہے

پریشاں رہتے ہو دن رات اکبر
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے
بخل نے زر کو تہ خاک دبا رکھا ہے

شور کیوں گبر و مسلماں نے مچا رکھا ہے
دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے

بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں
داغ افلاس کو سینے سے لگا رکھا ہے

آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند
مجھ کو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے

جوشش فصل بہاری ہے کہ ہنگامۂ حشر
بلبلوں نے تو غضب شور مچا رکھا ہے

دیکھئے صبح تلک بدلے وہ کیا کیا پہلو
منتوں سے اسے یاں آج سلا رکھا ہے

آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب
ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے

آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

کسی کی قسمت میں زہر غم ہے کسی کو حاصل مۓ طرب ہے
وہی بگاڑے وہی بنائے اسکی قدرت کا کھیل سب ہے

نظر جو آئے وہ آفت جاں تو دل کو کیونکر بچائے انساں
ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے عشوہ حیا غضب ہے

جلا چکی آتش محبت تمام میرے دل و جگر کو
تمھیں نہیں ہے یقین اب تک نہیں تو اے میر جاں غضب ہے

گذر گیا ہے جو عہد عشرت نہ کھو تو ناداں پھر اسکی حسرت
قیام اسکا سمجھ غنیمت جو وقت پیش نگاہ اب ہے

انکی جتنی لگاوٹیں ہیں یہ ظاہری سب بناوٹیں ہیں
یہ جی لبھانیکی اک ادا ہے یہ دیکھ لینے کا ایک ڈھب ہے

دلاتے ہیں نزع میں جو ہم کو خدا کی یاد آ کے یار و ہمدم
بھلا میں بھولونگا اسکو کیونکر وہ میرا مالک ہے میرا رب ہے

یہاں بھی آرام پائیگا کہاں اب سوقت جائیے گا
اندھیرا چھایا ہے ابر طاری ہے مینھ برستا ہے وقت شب ہے

دعا ہے اکبر یہ اپنی ہر دم لحد میں نکلے زباں سے پیہم
محمد اپنا رسول برحق خدائے برتر ہمارا رب ہے

سنتا ہوں کہ تاثیر محبت میں بھی کچھ ہے
کیوں کر نہ کہوں انکی طبیعت میں بھی کچھ ہے

تسخیر بتاں ہوتی ہے گو نقش درم سے
تاثیر مگر دل کی محبت میں بھی کچھ ہے

بیچین ہوئے سن کے مرے شوق کا قصہ
صد شکر مزہ ان کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

جب کہتا ہوں اُنسے کہ مرے دل میں ہے حسرت
کس ناز سے کہتے ہیں کہ حسرت میں بھی کچھ ہے

واعظ میں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں
حصہ مرا گنجینۂ رحمت میں بھی کچھ ہے

رندوں میں تو ہے لطف مۓ و ساقی و مطرب
واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کچھ ہے

وہ کوچۂ جاناں کے مزے ایک نہ پائے
ہم پہلے سمجھتے تھے کہ جنت میں بھی کچھ ہے

بگڑے ہوئے تیور ہی سے ثابت نہیں رنجش
ان روز دل تو فرق انکی طبیعت میں بھی کچھ ہے

فرماتے ہیں وہ سنکے مرے رونیکا احوال
یہ بات تو داخل تری عادت میں بھی کچھ ہے

گو راز محبت کا چھپانا ہے بہت خوب
لیکن بخدا لطف تو شہرت میں بھی کچھ ہے

افسانۂ حسرت مرا سن سن کے وہ بولے
ہے سب یہ زبانی کہ طبیعت میں بھی کچھ ہے

خوش وصل سے کوئی کوئی نظارۂ سرو دلشاد
اے گردش گردوں مری قسمت میں بھی کچھ ہے

بالائے زمیں پاس سکندر کے تھا سب کچھ
اب جا کے ذرا دیکھئے تربت میں بھی کچھ ہے

تم آنے نہ دو یاد بھی کیا کرنے نہ دوگے
دخل آپ کو بندے کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

قید احساں سے تری اے فلک آزاد رہے
بے کسی کا ہو بھلا بے کلی شاد رہے

مۓ گلگوں سے چھکے مست ہوئے شاد رہے
ساقیا خانۂ احسان ترا آباد رہے

اجل آتی ہے غم ہجر میں اللہ رے نصیب
ملک الموت کو کس طرح یہ ہم یاد رہے

ہے یہ حسرت تری حسرت کے سوا سب ہو فنا
دونوں عالم نہ رہیں شہر دل آباد رہے

حشر برپا جو ہوا بھول گیا ایک کو ایک
ایسی آفت میں بھلا کون کسے یاد رہے

گوشۂ خاطر عالی میں جو پائے نہ جگہ
کہئے پھر جاکے کہاں عاشق ناشاد رہے

نزع میں نام لیا قبر میں مذکور آیا
کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے
خون ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے

وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو پی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے

گذری ہے شب وصل کہ آئی ہے مری موت
وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

لپٹا کے مجھے سینہ سے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے
یہ وہ ویرانہ ہے روشن جسمیں شمع طور ہے

آپ کی پیاری ادا پر دل نہ دیتا میں کبھی
بس یہی کہئے قضا سے آدمی مجبور ہے

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے

گونجے بالے کی زلف الجھی ہے عاشق ہو گیا
یہ نہ خوف آیا کہ وہ افعی ہے یہ زنبور ہے

شعر گوئی کی وکالت میں مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبر خاطر احباب گورکھپور ہے

کہوں کس سے قصۂ درد و غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دل زار ہے

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا وہی دن کا پیار ہے

یہ نوید اوروں کو جا سنا ہم اسیر دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصل بہار ہے

جسے دورِ چرخ میں ہو خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی
شب ہجر میں ہے جو دردِ سر مے وصل کا یہ خمار ہے

وہ نظر جو مجھ سے ملا گئی تو یہ اور آفتیں ڈھا گئے
کہ حواس و ہوش و خرد ہے اب شکیب و صبر و قرار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھ کر ترا حال اکبر نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشق زار ہے

۳۵ سال بعد

مری چشم کیوں نہ ہو خونفشاں نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں
نہ وہ طرز گردش چرخ ہے نہ وہ رنگ لیل و نہار ہے

جہاں کل تھا غلغلۂ طرب وہاں ہائے آج ہے یہ غضب
کہیں اک مکاں ہے گرا ہوا کہیں اک شکستہ مزار ہے

غم و یاس و حسرت و بیکسی کی ہوا کچھ ایسی ہے چل رہی
نہ دلوں میں اب وہ امنگ ہے نہ طبیعتوں میں ابھار ہے

ہوئے مجھ پہ جو ستم فلک کہوں کس سے اسکو کہاں تلک
نہ مصیبتوں کی ہے کوئی حد نہ مرے غموں کا شمار ہے

مرا سینہ داغوں سے ہے بھرا مرے دل کو دیکھئے تو ذرا
یہ شہید عشق کی ہے لحد پڑا جس پہ پھولوں کا ہار ہے

میں سمجھ گیا وہ ہیں بیوفا مگر انکی راہ میں ہم ہیں فدا
مجھے خاک میں وہ ملا چکے مگر اب بھی دلمیں غبار ہے

اب تو ہیں نام خدا آپ کے انداز نئے
نئے غمزے ہیں نئے عشوے ہیں اور ناز نئے

ان سے ملنے کا نکل آتا ہے ہر شب اک طور
روز ہو جاتے ہیں سامان خدا ساز نئے

کل جو باتیں تھیں وہی ہوں یہ تکلف کیسا
آج کیا ہو گئے ہم اے بت طناز نئے

یہ آج وجہ توقف ہے کیا اجل کیلئے
طبیب لکھتے ہیں نسخہ مرا جو کل کیلئے

یہ اضطراب یہ بے چینیاں یہ بیتابی
مجھے ہمیشہ ہے بجلی کو ایک پل کیلئے

ہوا مقام فنا میں میں اپنا خود عاشق
سمجھ گیا یہی موقع تھا اس محل کیلئے

جو دل میں درد محبت اٹھا تو ہم نے بھی
مزے تڑپنے کے پہلو بدل بدل کیلئے

نہیں ہے منزل ہستی میں فکر زاد سفر
کہ آج کے لئے ہے صبر امید کل کیلئے

خیال صورت جاناں کا شغل دلکو ہے
عجیب حسن ہے یہ چہرۂ عمل کیلئے

ہوا ہوں خلق میں جینے کو جھوٹے سعد دبیر
زباں انکے دہن میں ہے آج کل کیلئے

میں گھر میں غیر کے کیا انسے حال دل کہتا
زباں ہی نہ کھلی عرض بے محل کیلئے

میں کروں لاکھ ارادہ تو وہ کس کام کا ہے
بس بھروسا مرے اللہ ترے نام کا ہے

طالب وصل ہوا یہ تو عجب کیا اس کا
حوصلہ ہی تو مری جان دل ناکام کا ہے

بار اب پہلو میں رکھنا دل ناکام کا ہے
خبر اپنی نہ ہو جس کو وہ کسی کام کا ہے

خط عبث لکھتے ہیں آنا ہو تو آئیں وہ جلد
نزع میں ہوں یہ محل نامہ و پیغام کا ہے

شوق سے آنکھیں دکھاؤ مجھ کو کچھ رنج نہیں
شعبدہ یہ بھی تو اک گردش ایام کا ہے

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنسکر بولے	آپ کچھ چھوڑیے اس کو مرے کس کام کا ہے
دل مرا ہاتھ میں لے کر یہ فرماتے ہیں	اس کو پامال کروں اور یہ کس کام کا ہے
لگاوٹ کی ادا سے انکا کہنا پان حاضر ہے	قیامت ہے ستم ہے دل فدا ہے جان حاضر ہے
کہو جو چاہو سن لینگے مگر مطلق نہ سمجھیں گے	طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے کان حاضر ہے
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں جنکو انکا دو نشاں یارو	اسے ہیں کیا کروں گا یہ جو سب سامان حاضر ہے

بٹھا کر غیر کی محفل میں مجھ کو اسنے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہے

اک بوسہ دیجئے مرا ایمان لیجئے	گو بت ہیں آپ بہر خدا مان لیجئے
دل لیکے کہتے ہیں تری خاطر سے لیلیا	الٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجئے
غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنسکر کھلا دیا	مجھ سے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے
مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول	دل تو نہ دونگا آپ کو میں جان لیجئے
حاضر ہوا کرونگا میں اکثر حضور میں	آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اپنی ہستی جو حجاب رخ جاناں نہ رہے	واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارماں نہ رہے
صورت یار جو سویدا میں پنہاں نہ رہے	بحث پھر تم میں یہ اے گبر و مسلماں نہ رہے
سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ	ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے
مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل	یہ بھی ممکن ہے رہو تم شب ہجراں نہ رہے
آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق	آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انساں نہ رہے
میں تو عشق بت ظالم سے نہ باز آؤں گا	عقل چھٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے
آئینے کو ہے یہ حیرت کہ سکندر ہوئے خاک	ہوش پریوں کے اڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہے
چشم نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے	دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہے
صبح تک ہجر صنم میں یہ دعا تھی اپنی	میں رہوں یا نہ رہوں یہ شب ہجراں نہ رہے

ان کا یہ ناز کہ آجائیں گے جلدی کیا ہے	اپنا یہ حال کہ دم بھر کے بھی مہماں نہ رہے

منہ نہ موڑو ستم و جور بتاں سے اکبر
بندگی کیسی اگر تابع فرماں نہ رہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاءاللہ	مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

مصیبت عشق کی تنہا مجھی پر کیا گذرتی ہے	تمہارے حسن عالمگیر پر اک خلق مرتی ہے
خبر ملتی نہیں کچھ مجھ کو یاران گذشتہ کی	خدا جانے کہاں ہیں کسطرح ہیں کیا گذرتی ہے
مری آنکھوں میں تو اسکا گذر بھی ہو نہیں سکتا	یہ آنکھیں آپکی ہیں نیند جس میں چین کرتی ہے
محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پر یکساں	جو مجنوں سر پٹکتا ہے تو لیلی آہ کرتی ہے
اثر کچھ ہو چلا ہے سوزش الفت کا سینے میں	الٰہی خیر ہو دل کانپتا ہے روح ڈرتی ہے
پریشاں رکھتی ہے دن رات اگر بیوفاؤں پر	طبیعت آدمی کو کس قدر بے چین کرتی ہے

کیا قہر ہے اجل مرے سر پر کھڑی رہے	غیروں کی تم کو فکر عیادت پڑی رہے
اے شور حشر شہر خموشاں کی لے خبر	اب کب تلک اجاڑ یہ بستی پڑی رہے
جدت ہو فکر میں تو توارد کبھی نہ ہو	مضمون کیوں لڑیں جو طبیعت لڑی رہے

ہے عشق میں ہر لحظہ ترقی مرے دل کی	ہر داغ بڑھاتا ہے تجلی مرے دل کی
کیا اور ہے ممکن ہو تسلی مرے دل کی	جب آپ ہی نے کچھ نہ خبر لی مرے دل کی
رونا ہے جو فرقت میں یہی دیدۂ تر کا	طوفان میں آجائے گی کشتی مرے دل کی
مہماں ہے جس روز سے سینے میں تری یاد	آباد ہے اجڑی ہوئی بستی مرے دل کی
آخر کو یہ جلنے بھی لگا شعلۂ غم سے	فکر آپ کو ہوتی نہیں اب بھی مرے دل کی
یا اسکی خبر بھی نہیں لیتے کبھی اب تم	یا فکر تمھیں رہتی تھی کتنی مرے دل کی
نظروں سے ترے گر کے ہوا عشق دوبالا	ہوتی ہے تنزل میں ترقی مرے دل کی
دکھلا کے جھلک اور بھی تڑپا گئے اسکو	کی واہ وا آپ نے اچھی مرے دل کی

حسب قول وفا ہار چکا میں تو پھر اب کیا
باطن سے ہوں نظارگیِ جلوۂ جاناں
رنگینی ہیں نرمی ہیں صفائی ہیں ضیا میں
نابود ہوئے جل کے خیالات دو عالم
سو جان سے کیونکر نہ ہوں قربان تمنا
ملتا ہے مزا ان کو مرے جوش جنوں کا
یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہو گئے بیخود
وہ ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں
تسکیں کے لئے رہتے تھے سینے پہ جو ہر دم
کیوں مکتب غم میں سبق عشق نہ پڑھتا
کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت

جیتے ہوئے ہیں آپ تو بازی مرے دل کی
آئینۂ معنی ہے صفائی مرے دل کی
ہے ایک سی خلقت ترے رخکی مرے دل کی
اللہ رے ترے عشق ہیں گرمی مرے دل کی
کرتی ہے بڑی قدر شناسی مرے دل کی
سرجوش انھیں کردیتی ہے مستی مرے دل کی
وہ خوبی قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی
اس وقت ہیں ہو خیر الٰہی مرے دل کی
اب ہے انھیں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی
تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی
اب روح بھی دیتی ہے دہائی مرے دل کی

کہنا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر
افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

بیچین ہے دل سینے میں مرا رہ رہ کے تری یاد آتی ہے
اے حسرت وصل خدا کیلئے بیچین نہ کر آنا مجھ کو

وہ چشم سیہ جادو کی بھری آنکھوں میں مری پھر جاتی ہے
کیوں نہ زخم نہی ہے دلمیں مرے کیوں روح کو یوں تڑپاتی ہے

تم اسکے جدا ہو جانے کا اکبر نہ کرو کچھ رنج و الم
ہے جان سے پیاری کونسی شے انسان سے یہی چھٹ جاتی ہے

ہو گا کیا رنجش جو تجھ سے اے پری ہو جائیگی
ٹال دیتے ہیں یہی کہہ کر مرے مطلب کی بات
آئے گا آغوش میں میرے جو وہ رشک چمن
روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا

جس سے دل لگ جائیگا اک دل لگی ہو جائے گی
آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی
نکہتِ گل کی طرح سے بیخودی ہو جائے گی
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

نزع میں ہوں اب بھی آجائیں وہ دم بھر کیلئے
اور تو کیا اک نگاہ آخری ہو جائیگی

جو اس سرو قد سے جدائی ہوئی ہے
ذرا دیکھنا پھر انھیں چتونوں سے
نہیں روئے رنگیں پہ زلفوں کا جلوہ
کسی کا نہیں ہے گذر اس گلی میں
مرا سوز دل آپ کیا دیکھتے ہیں
نہ دیکھینگے وہ اسطرف آنکھ اٹھا کر
دکھاتے نہ تھے آپ یوں مجھ کو آنکھیں
مکدر کیا تھا رقیبوں نے اُن کو

قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہے
یہ پیاری ادا دل کو بھائی ہوئی ہے
گلستاں پہ بدلی یہ چھائی ہوئی ہے
یہ قسمت سے اپنی رسائی ہوئی ہے
یہ آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے
کچھ اور ان کے دلمیں سمائی ہوئی ہے
یہ شوخی کسی کی سکھائی ہوئی ہے
بڑی مشکلوں سے صفائی ہوئی ہے

جو چاہیں کریں بے وفائی وہ اکبر
طبیعت مری ان پہ آئی ہوئی ہے

دور اول

عمر اکیس سال یعنی سنہ ۱۸۶۶ء کی تصنیف

الفت جو کیجیے تو غرض آشنا سے کیا
وعدہ جو لیجیے تو بُت بے وفا سے کیا

موسیٰ نے کوہ طور پہ باتیں خدا سے کیں
رتبہ بشر کا دیکھیے ہوتا ہے کیا سے کیا

مرتا ہوں جان جاتی ہے اب ہجر میں مگر
اظہار اسکا کیجیے اس بے وفا سے کیا

لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہو یار ہے
اب موسم بہار میں مانگوں خدا سے کیا

قاتل تمھیں کہیں گے جہاں میں ہمیں شہید
اے یار اور ہوگا تمھاری جفا سے کیا

دار فنا سے لے نہ چلے کچھ تو غم نہیں
فرمائیے تو لائے تھے ملک بقا سے کیا

تیرے مریض غم کو جو کرتی اثر نہیں
کچھ کہدیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صفت لکھی تری زلف دراز کی
مضمون ہاتھ آتے ہیں فکر رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غم شب ہجراں تو اپنی جاں
اُمید صبح دیتی ہے ہم کو دلا سے کیا

صد چاک مثل شانہ کرے عاشقوں کا دل
ہوگا بس اور آپ کی زلف دوتا سے کیا

دل میں جو ہے وہ ہوگا شب وصل میں ضرور
ہوگا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا

میں حال دل تمام شب ان سے کہا کیا
ہنگام صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

بہر نمود غیر گوارا ہوا اپنا خوں
مضمون ہاتھ آیا ہے برگ حنا سے کیا

عمر ۲۳ سال

جلوۂ رفتار جاناں ہے نمونا حشر کا
حق بجانب ہو جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

بے تامل تیری قامت کے جو مضموں مل گئے
شاید اب نزدیک آ پہونچا زمانہ حشر کا

جلوۂ قامت نے کچھ ایسا ہمیں گھبرا دیا
جیتے جی ہم سمجھے آ پہونچا زمانہ حشر کا

میری آنکھیں نوح کے طوفاں کی دکھلاتی تھیں سیر
انکی چتون نے تو دکھلایا تماشا حشر کا

یاد قامت نے کیا ہے واعظوں کا معتقد
روز میں سننے کو جاتا ہوں فسانا حشر کا

لوحِ قسمت کے مطابق نامۂ عصیاں ہو جب
پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھ کو کھٹکا حشر کا

ہو شب ہجراں درازی میں بسان زلف یار
طول میں روز جدائی دن ہو گویا حشر کا

یاد قامت سے جو اس دن ملگئی فرصت ہمیں
دیکھ لیں گے دور سے ہم بھی تماشا حشر کا

بیخبر جو ایک کے احوال سے ہے دوسرا
آپ کی محفل بھی گویا ہے نمونا حشر کا

جنس عصیاں نفع خاطر خواہ پر بیچیں گے ہم
اے غم نقصاں ذرا ہونے دے میلا حشر کا

فاتحہ پڑھنے مری تربت پہ خوش قد آتے ہیں
ہر شب آدینہ یاں ہوتا ہے میلا حشر کا

کیا قیامت نامہ پڑھ پڑھ کر سناتا ہو مجھے
خوف تو مجھ کو دلاتا ہے بھلا کیا حشر کا

واعظا میں اس کا محو جلوۂ رفتار ہوں
جس کا ہر نقش قدم ہے اک رسالا حشر کا

انتہا کا حسن بخشا ہے اُسے اللہ نے
کیوں دل و جاں سے نہ میں ہو جاؤں شیدا حشر کا

نامۂ اعمال میرا اسکی ہے زلف سیاہ
نور رحمت ہمارے حق ہے روئے زیبا حشر کا

وحشت دل مجھ سے کہتی ہو چلو بھی یاں سے اب
طے ابھی برسوں نہ ہوگا یہ بکھیڑا حشر کا

خواہش خلد بریں میں آرزوئے حور میں
کون مدت تک اُٹھائے ناز بیجا حشر کا

حشر تک اب ہاتھ آئینگے نہیں مضمون حشر
تم نے اے اکبر کوئی پہلو نہ چھوڑا حشر کا

سنہ ۱۸۷۰ء مقام آگرہ

ہجر میں دانتوں کے گریاں جو میں بیتاب ہوا
اشک جو آنکھ سے نکلا دُرِ نایاب ہوا

سبزۂ خط سے قرار دل بیتاب ہوا
کشتہ اس بوٹی سے آخر کو یہ سیماب ہوا

موردِ طعنۂ بیگانہ و احباب ہوا
خوب رسوا ترے ہاتھوں دل بیتاب ہوا

ہو گیا غرق میں یادِ رُخِ نورانی میں
ہالۂ ماہ نے مجھے حلقۂ گرداب ہوا

تو ہے وہ برقِ تجلی کہ ترا نقشِ قدم
روکشِ آئینۂ مہرِ جہاں تاب ہوا

تیرے جلوے سے ہوا حسنِ ظہور ایجاد
نور تیرا سببِ عالمِ اسباب ہوا

گلِ ہستی کو ترے رنگ نے زینت بخشی
چمنِ خلق ترے فیض سے شاداب ہوا

حسرت اے عقل کہ پائی تری لشکر نے شکست
مژدہ لے عشقِ جنوں آج ظفر یاب ہوا

کسی حالت میں اسیری سے رہائی نہ ہوئی
ڈوب مرنے پہ بھی حائل جو میں بیتاب ہوا

ق

موجیں دریا کی سلاسل ہوئیں پاؤں کیلئے
طوقِ گردن کے لئے حلقۂ گرداب ہوا

چشمِ معنی سے جو کی سیرِ طلسماتِ جہاں
پتّا پتّا مجھے اک گلشنِ شاداب ہوا

قطرے قطرے میں ہوئی وسعتِ دریا پیدا
ذرّہ ذرّہ صفتِ مہرِ جہانتاب ہوا

اک زمانے کی ترے آگے جھکی ہے گردن
خمِ ابرو نہ ہوا کعبہ کی محراب ہوا

ساقیا بہرِ خدا جلد پلا مجھ کو شراب
فرقتِ شیشہ و ساغر میں میں بیتاب ہوا

نہ رہی دخترِ رز مجھ پہ کسی طرح حرام
اب ترے عذر کا مسدود ہر اک باب ہوا

اُس طرف قلقلِ مینا ہے اِدھر شورِ طلب
بس سمجھ لے وہ قبول اور یہ ایجاب ہوا

وِرد ہوتا ہے یہ کہہ کر کئے کان آپ نے بند
حال میرا نہ ہوا قطرۂ سیماب ہوا

فکرِ رنگیں سے ہوئی مدحتِ دندانِ صنم
دیکھئے لعل سے پیدا درِ نایاب ہوا

رہی ہر کام میں ہر وقت مسبب پہ نگاہ
اپنا منظر نہ کبھی عالمِ اسباب ہوا

یاں کی رنگینیاں ہیں عینِ دلیلِ غفلت
سُرخیِ چشم سے پیدا اثرِ خواب ہوا

گردشِ بخت سے آنسو ہی نکلتے ہیں مدام
اس میں بھی کیا اثرِ گردشِ دولاب ہوا

ضیقِ فرصت میں غزل ہو نہ سکی اے اکبرؔ
میں تو شرمندۂ فرمائشِ احباب ہوا

ابھی سے خون رُلاتی ہے مجھ کو فکرِ مآل
چمن میں بعد ترے اے بہار کیا ہوگا

انھیں پسند نہیں اور اس سے میں بیزار
الٰہی پھر یہ دلِ بیقرار کیا ہوگا

عزیز و سادہ ہی رہنے دو لوحِ تربت کو
ہمیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

زمانہ ہو گیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
خدا نا خواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا

محبت ہو نہ ہو انکو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
نہ ہونیسے ہے اسکے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا

پسا جاتا ہوں میں سو جان سے اس بیوفائی پر
محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اسقدر بگڑا
کہیں دردِ جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

نہ رکھی آسماں نے ایک دم بھی وصل کی ساعت
گھڑی بھر چین سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا

قفس اس ناتوانی پر تنِ بسمل بنا تم سے
جو طاقت بھی کہیں اپنے بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

سنہ ۱۸۶۶ع

کس قدر جوشِ مسرت میں ہے سر پر سہرا
خود ہے خوشبو کی طرح جامے سے باہر سہرا

مصرِ خوبی کا تو نوشاہ ہے مثلِ یوسف
سایۂ لطفِ خدا ہے ترے سر پر سہرا

عارض و خال کا تیرے ہو اسے قرب نصیب
کس طرح سے نہ ہو رشکِ مہ و اختر سہرا

آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
کہ ترے فرق مبارک پہ ہو آکر سہرا

بے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اسکو
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا

نکہتِ گیسوئے مشکیں نے دکھایا جو اثر
ہو گیا اور بھی خوشبو سے معطر سہرا

روزِ روشن کا گماں کیوں شبِ عشرت پہ نہو
عکسِ رخسار سے ہے مہرِ منور سہرا

گلشنِ حسن میں اللہ رے رسائی اسکی
ہو گیا سنبلِ گیسو کے برابر سہرا

زینتِ حسنِ خداداد جو شاہی سے ہوئی
بن گیا چہرۂ پُر نور کا زیور سہرا

جلوۂ حسن کے نظارہ کی لاتا نہیں تاب
اسلئے چہرے سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا

یہ طراوت عرقِ رخ کی نہیں ہے اسمیں
آبِ آئینۂ خورشید میں ہے تر سہرا

کہدیا ہم نے یہ اک دوست کی فرمائش سے
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیونکر سہرا

سنہ ۱۸۰۰ء

لاکھ جرأت کی کہ تنہائی میں لپٹا لیں اُنھیں
میں بھی اب اچھی طرح غیروں سے کرتا ہوں فساد
دھیان میں لایا سو بھی نہ اسکی نازکی
گو بہت کچھ رنج یاران وطن سے تھا ہمیں
میری آہیں سُنکے کان اپنے کئے تھے تمنے بند
آکے جب غش میں مجھے دیکھا تو گھبرا کر کہا
بعد مدت کے نظر آئی جو صورت یار کی

دل میں رعب حُسن سے خوف و خطر آہی گیا
رنج تو مجھ سے تجھے اے فتنہ گر آہی گیا
کھل کے جوڑا خود سری سے تا کمر آہی گیا
آنکھ میں آنسو مگر وقت سفر آہی گیا
روئے آخر کو دل میں کچھ اثر آہی گیا
ہوش میں آ ابتو میں اے بے خبر آہی گیا
سو طرح دل کو سنبھالا غش مگر آہی گیا

حسرت کو شہر عشق میں بھیجا خدا نے جب
پہلے ہی چال آپ کی تھی فتنۂ زا حضور
لکھی یہاں تلک صفت اس نونہال کی

رہنے کو خانۂ دل مضطر بنا دیا
گھونگھرو نے اور فتنۂ محشر بنا دیا
خامے کو ہم نے شاخ گل تر بنا دیا

نظارہ روز و شب ہی مصحف رخسار قابل کا
خزاں میں کیا ادا سی چھائی ہی صحن گلستاں پر
یہ زینت بندش الفاظ کی ہی حسن معنی سے

یہی صورت رہی تو بس خدا حافظ مری دل کا
نہ وہ پھولوں کی رنگینی نہ وہ نغمہ عنادل کا
نہ ہو جلوہ جو لیلی کا تو پھر کیا لطف محمل کا

سنہ ۱۸۷۳ء

کیسی کیسی وہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں
دھوکے کھاتا ہی ہمارا دلِ ناداں کیا کیا

خوب فرما گئے ہیں حضرت آتش اکبر
میرے اللہ نے مجھ پر کئے احساں کیا کیا

یہ پہلی غزل ہے جو مشاعرے میں پڑھی گئی اور پبلک نے اکبر کا نوٹس لیا اور اس وقت اکیسواں سال تھا

سمجھے وہی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا
اکبر یہ غزل میری ہے افسانہ کسی کا

دکھلاتے ہیں بت جلوۂ مستانہ کسی کا
گر شیخ و برہمن سُنیں افسانہ کسی کا
اللہ نے دی ہے جو تمھیں چاند سی صورت
اُس کوچے سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت
اشک آنکھوں میں آجائیں عوض نیند کے صاحب
جان اپنی جو دی شمع نے شعلے سے لپٹ کر
شمع رُخ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں
کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے
الفت مجھے اس سے ہو اسے غیر سے ہی عشق
عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے
حیراں ہوں لسے تاب جمال آئیگی کیونکر
بہونچی جو نگہ عالم مستی میں فلک پر
کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالت دل کو
ساماں تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو
نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں
چشم و دل عاشق کا نہ کچھ پوچھئے احوال
تاثیر جو کی صحبت عارض نے دم خواب
کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دم آخر
کچھ دُور نہیں ساقی کوثر کے کرم سے
رکھتا ہے قدم کوچۂ گیسو میں جو بیخوف
تاثیر محبت ہے جو ہو جاتے ہیں بیچین

یاں کعبہ مقصود ہے بتخانہ کسی کا
معبد نہ رہے کعبہ و بتخانہ کسی کا
روشن بھی کرو جا کے سیہ خانہ کسی کا
کعبہ جو کسی کا ہے تو بتخانہ کسی کا
ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا
سمجھا رُخ روشن اُسے پروانہ کسی کا
ہے حوصلہ بھی صورت پروانہ کسی کا
ہے پیش نظر جلوۂ مستانہ کسی کا
میں شیفتہ اس کا ہوں وہ دیوانہ کسی کا
حسرت ہی سے آباد ہے ویرانہ کسی کا
بیخود ہے جو دل سن ہی کے افسانہ کسی کا
ہم سمجھے مہ نو کو بھی پیمانہ کسی کا
سُننے گا لب گور سے افسانہ کسی کا
جنت میں بھی یاد آئیگا کاشانہ کسی کا
بلبل کی طرح گل بھی ہو دیوانہ کسی کا
وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا
خجلت وہ آئینہ ہوا شانہ کسی کا
کام آیا نہ اس وقت میں یارانہ کسی کا
بھر دے مے وحدت سے جو پیمانہ کسی کا
کیا تو دل صد چاک ہی اے شانہ کسی کا
رو دیتے ہیں اب سن کے وہ افسانہ کسی کا

احباب نے پوچھا جو مرا حال تو بولے
سنتے ہیں وہ ان روزوں ہے دیوانہ کسی کا

دیکھا ہی عجب رنگ یہ اس دورِ فلک میں
کوئی نہیں اے ساقیِ میخانہ کسی کا

یاں شیشۂ دل خونِ تمنا سے ہے لبریز
واں بادۂ گلفام سے پیمانہ کسی کا

سب مستِ مئ شوق ہیں ان انکھوں سے اے دل
اس دور میں خالی نہیں پیمانہ کسی کا

بخشی ہو جبیں سائی کی در پر جو اجازت
واجب ہے مجھے سجدۂ شکرانہ کسی کا

اے حضرتِ ناصح نہ سنے گا یہ تمھاری (ق)
میرا دلِ وحشی تو ہے دیوانہ کسی کا

کرتے وہ نگاہوں سے اگر بادہ فروشی
ہوتا نہ گذر جانبِ میخانہ کسی کا

حسرت ہی رہی زلفوں کے نظارہ کی مجھ کو
یہ بخیۂ مژگاں نہ بنا شانہ کسی کا

کس طرح ہوا مائلِ گیسو نہیں معلوم
پابند نہ تھا یہ دلِ دیوانہ کسی کا

ہم جان سے بیزار رہا کرتے ہیں اکبر
جب سے دلِ بیتاب ہو دیوانہ کسی کا

یہ دوسری غزل ہے جو اکبر نے مشاعرے میں پڑھی بعمر ۲۲ سال

مبارک میکشو موسم پھر آیا بادہ خواری کا
چمن میں شور ہے پھر آمدِ فصلِ بہاری کا

نہایت اجتماعِ آتش و سیماب مشکل ہی
خیالِ رخ میں کیونکر حال لکھوں بیقراری کا

ہمارا غنچۂ خاطر شگفتہ کر نہیں سکتی
فقط کلیاں کھلانا کام ہے بادِ بہاری کا

چمن میں خندہ زن گل ہو تو میخانہ میں پیمانہ
یہاں ہو فیضِ ساقی واں کرم بادِ بہاری کا

مسخر کرتا ہوں پریوں کو میں جادو بیانی سے
حسینوں میں فسانہ ہو مری ذی اختیاری کا

ہوئی ہے الفتِ معبود میں دیوانگی مجھ کو
مقر کیوں کر نہ اک عالم ہو میری ہوشیاری کا

ناقصاں را سود بخشد پرتو اہلِ کمال
ماہ نور امیکند در نور کاملِ آفتاب

بنیمش در قطعِ رہ ہمرہ و زر روز اولیں
خلوتِ من بہت جوید چہ منزل آفتاب

ہر سحر لرزاں و ہر شب مے بخون مینمیش
شد مگر از غمزۂ حسن تو بسمل آفتاب

حیرتم بنود بریں اوج تو اے لیلائے حسن
ناقۂ ات گردوں اگر سازند محمل آفتاب

مرکزِ آسا نقطۂ موہومِ انگارند و بس
گرد دار در حلقۂ بزمِ تو داخل آفتاب

ہست رفتارِ حسیناں باعثِ صد انقلاب
میکنند تغییرِ فصل از طے منزل آفتاب

سوز عشقِ روئے تو دارم بایں کم مائگی
اختری ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب

جوش زد چوں پرتو نور رخت اے بحرِ حسن
در افق گم گشت مثلِ موجِ ساحل آفتاب

پرتو نورت نمود اعجاز ہنگامِ شنا
قطرہ قطرہ گشت در دامانِ ساحل آفتاب

میکشاں منخوردہ از بحرِ تردد بگذرند
می رساند کشتیِ رنداں بساحل آفتاب

دا نہائے سبحہ در دست است و شوق مے بطبع
بر کفِ انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب

بر سرش زہرہ اگر با بدسیراں را خوش ست
بگذرد در ورد از نواحِ چاہِ بابل آفتاب

بر سپہرِ معنی روشن چو گامے سیر کرد
ارمغاں آورد اکبر سوئے محفل آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانیہائے تو
شعر می خوانی و میتابد بہ محفل آفتاب

دلم افسردہ شد و عشق و آرزو باقی است
نماند در گلِ پژمردہ رنگ و بو باقی است

گماں مبر کہ ستم کردی و وفا نہ کنم
بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است

فغاں کہ آتشِ غم زیرِ خاک ہم نگذاشت
ہنوز سوزِ دل و آہِ شعلہ خو باقی است

بہ بحرِ عشق فتادیم دست و پا نہ زدیم
ہزار منت ہمت کہ آبرو باقی است

اجل بیامد و جانم ببرد و دل بگذاشت
فغاں کہ جان عزیزم شد و عدو باقی است

فدائے صورتِ زیبا رخے کہ فانی نیست
نثارِ حسنِ حسینے کہ حسن او باقی است

ز زشتیِ عملم در لحد نمی پرسند
ہزار شکر کہ یادِ رخ نکو باقی است

پس فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا
مگر بہ دل خلشِ خارِ آرزو باقی است

بجز فانیِ دنیا مبند دل اکبر
فنا شود رہ آں کس کہ نامِ او باقی است

جاں نثاروں کے سوا کوئی نہ دیکھے روئے دوست
دیکھنے آئے تھے ہم حسنِ رُخِ نیکوئے دوست
اہلِ دل کو ذکرِ قمری سے یہ آتی ہے صدا
رقص کرتی ہے نسیمِ صبح کیوں مستانہ وار
کیسے کیسے گل کھلے ہیں نقشِ پائے یار سے
وہ گلِ رنگیں ہوں میں پیدا ہی جس سے رنگِ یار
دشمنوں کا سر ندامت سے ہی جھکنے کیلئے
میں وہ آئینہ ہوں اس حیرت سرائے دہر میں

چال ہے تیغِ قضا کی جنبشِ ابروئے دوست
آپ سے جاتے رہے آ کر میانِ کوئے دوست
باغِ دل میں چاہیے سرو قدِ دلجوئے دوست
گلشنِ دل سے اڑا لائی ہے شاید بوئے دوست
غیرتِ دامانِ گلچیں ہو رہا ہے کوئے دوست
رنگ وہ ہوں جس میں پنہاں ہو گئی ہے بوئے دوست
میری گردن ہے برائے خنجرِ ابروئے دوست
جس میں جوہر کے عوض رہتا ہے عکسِ روئے دوست

چیزے کہ بہ عشقِ او می رقصد و می سوزد
در شمع چو می بیند نورے زِ رُخِ خوبت
ہر شمع بہ یادِ او میگریدو می کاہد

دل ہست کہ در پہلو می رقصد و می سوزد
پروانہ بگردِ او بے صبر قصد و می سوزد
ہر شعلہ بہ شوقِ او می رقصد و می سوزد

زائل اے دل یہ مرادِ درد جگر ہو کیونکر
محفلِ عشرتِ اغیار میں رہتے ہیں حضور
جلوۂ شاہدِ معنی کی ہیں مشتاق آنکھیں
یسم تن ہیں انھیں رہتی ہے بہت خواہشِ زر
حاضری کا جو ملا حکم تو ہو یہ ارشاد

وصلِ جاناں ہے دوا اسکی مگر ہو کیونکر
حالِ غمدیدۂ ہجراں کی خبر ہو کیونکر
حسنِ صورت نہ مجھے منظورِ نظر ہو کیونکر
واں بھلا ہم سے غریبوں کا گذر ہو کیونکر
در دولت پہ جو آؤں تو خبر ہو کیونکر

غمِ ہجر تو چہ کردہ است بمن ہیچ مپرس
نالۂ من چو توانی بر یاراں برساں
بشنو از مرگِ من دفارغ و خرم بنشیں
دستے ہست بہ تشریح کمر ہیچ مگو
آخرِ فصلِ بہار است و دوم رخصتِ گل

گریہ می آیدم از رنج و محن ہیچ مپرس
اے صبا قصۂ دوریِ وطن ہیچ مپرس
باش مستغنی واز گور و کفن ہیچ مپرس
مشکلے ہست ز اسرارِ دہن ہیچ مپرس
دیگر از حسرتِ مرغانِ چمن ہیچ مپرس

ہو پھونکنے ایک طریقہ ذکر کا نام ہی

شوقم آمادہ و دل مائلِ دقاتل بکمیں
وقت آنست کہ با شامِ غریباں سازم
حسرتِ چند بہ دل دارم واین نکتہ بس است
مگو از لعلِ یمانی و بہ بیں لختِ دلم

اندریں وقت زِ بے صبریِ من ہیچ مپرس
باش وسلے ہمسفر از صبحِ وطن ہیچ مپرس
وزکہ آموختہ ام طرزِ سخن ہیچ مپرس
اشکِ من بنگر واز درِ عدن ہیچ مپرس

بیکسی معتکفِ تربتِ او بود بدشت
قصۂ اکبرِ مہجورِ وطن ہیچ مپرس

وہ رشکِ گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس
بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے لیکن
بتوں کی یاد میں توبہ بھی بھولے ہم دمِ مرگ
جو بیقراری نے آنے دیا نہ دل کے قریب
کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعثِ گریہ

بہارِ عمر خزاں ہو گئی ہزار افسوس
بقا نہیں تجھے اے موسمِ بہار افسوس
نہ چلے جہاں سے آخر گناہ گار افسوس
تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس
تمام رات رہی شمع اشکبار افسوس

طریقِ عشق میں ہادی و رہنما اکبر
جو ایک دل بھی ملا ہے وہ بیقرار افسوس
مشاعرہ ۱۸۷۴ء یا ۱۸۷۵ء

کام آتا ہے جو وصفِ روئے دلبر میں چراغ
یادِ مژگان و رُخ روشن ہمارے دل میں ہے
آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رُخ پر نقاب
جب سے تحریرِ ثنائے رُخ میں کام آتا ہے یہ
پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی
لال ڈورے ہیں جو چشمِ مستِ ساقی میں عیاں
دل کے پیمانہ میں داغِ ہجرِ ساقی یہ نہیں

اوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ
یا کسی نے رکھ دیا پہلوئے خنجر میں چراغ
کہتے ہیں صاحب ٹھہرتا کب ہے صرصر میں چراغ
ہے عوضِ بتی کے فکرِ تارِ مسطر میں چراغ
میرا یہ داغِ ندامت ہو گا محشر میں چراغ
ہیں طلسمِ حسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ
میکشو روشن کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

یوں خیال گلرخاں میں ہے منوّر داغ دل
جل رہا ہو جسطرح پھولوں کی چادر میں چراغ

دیکھتے ہو تم بہت پروانہ بنجائے نہ یہ
پڑ نہ جائے جادوئے چشم فسونگر میں چراغ

یوں ہو افشاں میں عیاں پیشانی روشن تیری
ماہ کا جلتا ہو جیسے فوج اختر میں چراغ

کر رہا ہے وصف آئینہ کا جو وہ شعلہ رو
ہے یہ گویا شکر احساں سکندر میں چراغ

روز روشن آئینے کا زلف نے شب کر دیا
عکس عارض نے جلایا چشم جوہر میں چراغ

یوں ہو دل کی خواہشوں میں داغ حسرت کا ہجوم
جس طرح سے سیکڑوں جلتے ہوں لشکر میں چراغ

نگینہ ہر شب لیا کرتا ہے پروانوں کی جان
کیا جواب اسکا خدا کو دیگا محشر میں چراغ

دل میں جتنی ہو سکے داغوں کی کثرت خوب ہے
چاہیئے افراط سے اللہ کے گھر میں چراغ

بزم ہستی میں نہ دیکھا پرتو روئے صنم
اس شبستاں میں نہ تھا میرے مقدر میں چراغ

غم کے شعلے یاد عارض میں بھڑکتے رہتے ہیں
آجکل ہے دشمن جاں بزم اکبر میں چراغ

عمر ۲۲ سال

آپ سے آتے ہو کب عشاق مضطر کیطرف
جذب دل یہ تمکو لایا ہے مرے گھر کیطرف

پوچھتا ہے جب کوئی اُنسے کسے ہے تمسے عشق
دیکھتے ہیں پیار سے شرما کے اکبر کیطرف

اُنھیں نگاہ ہے اپنے جمال ہی کی طرف
نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی طرف

توجہ اپنی ہو کیا فن شاعری کی طرف
نظر ہر ایک کی جاتی ہے عیب ہی کی طرف

لکھا ہوا ہے جو رونا مرے مقدر میں
خیال تک نہیں جاتا کبھی ہنسی کی طرف

تمھارا سایہ بھی جو لوگ دیکھ لیتے ہیں
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے پری کی طرف

بلا میں پھنستا ہے دل مفت جان جاتی ہے
خدا کسی کو نہ لیجائے اس گلی کی طرف

کبھی جو ہوتی ہے تکرار غیر سے ہم سے
تو دل سے ہوتے ہو در پردہ تم اُسی کی طرف

نگاہ پڑتی ہے اُن پر تمام محفل کی
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

نگاہ اس بت خود بیں کی ہے مرے دل پر
نہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف

قبول کیجئے للہ تحفۂ دل کو
نظر نہ کیجئے اس کی شکستگی کی طرف

یہی نظر ہے جو اب قاتل زمانہ ہوئی
یہی نظر ہے کہ اُٹھتی نہ تھی کسی کی طرف

غریب خانہ میں للہ دو گھڑی بیٹھو
بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف

ذرا سی دیر ہی ہو جائیگی تو کیا ہوگا
گھڑی گھڑی نہ اُٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

جو گھر میں پوچھے کوئی خوف کیا ہے کہدینا
چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حسن بتاں ہو اے اکبر
تم اپنا دھیان لگائے رہو اسی کی طرف

سنہ ۱۸۷۱ء

کوئی پہونچا نہیں اے یار تیرے قد رعنا تک
ہماری فکر عالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک

کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محو تمنا تک
دل مشتاق کیا اُنپر فدا ہے جان شیدا تک

دبستان محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھ کو
کتاب عمر آخر ہو گئی حرف تمنا تک

گلستاں میں جو بلبل رنگ گل پر جان دیتی ہے
نہیں پہونچی نظر اسکی ترے رخسار زیبا تک

تری فکر کمر سے ہو گیا ہے اسقدر نازک
کہ مشکل سے پہونچتا ہے تصور نام عنقا تک

دل صد چاک آتا ہے نظر جو صورت شانہ
رسائی اسکی ہے شاید تری زلف چلیپا تک

گماں ہے کاروان جذبۂ دل کا مجھے اسپر
کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک

نقاب الٹیں اگر وہ عارض پُر نور سے اپنے
شب یلدا کو سمجھے روز محشر چشم اعمیٰ تک

جو ہے طوق گلو گرداب تو زنجیر پا موجیں
تری الفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک

نہا کر آب آئینہ کیا ہے اُسنے پانی کو
نگاہیں بے تکلف جا رہی ہیں قعر دریا تک

زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہ تاباں ہے
تمھارے نور سے ہیں فیضیاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

میں ہوں وہ رشک مجنوں جس سے وحشت کو بھی وحشت ہے
وہ ویرانہ ہو میرا جس سے گھبراتا ہو صحرا تک

کیا ہے عاشق اک پردہ نشیں کا مجھ کو قسمت نے
میں وہ بیمار ہوں جو جا نہیں سکتا مسیحا تک

وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے
کہ فرط ضعف سے ہم کر نہیں سکتے اشارا تک

جو اسنے ناز سے پوچھا کہ تیری آرزو کیا ہے
خوشی سے یہ ہوئے بیخود کہ ہم بھولے تمنا تک

نہ نکلیں اشک حسرت نزع میں اے بیکسی کیونکر
وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی مجھ پر رونے والا تک

جو وصف صاحب معراج ہے مد نظر اکبر
مری فکر رسا جاتی ہے اب عرش معلیٰ تک

عمر ۱۹ سال

چشم عاشق سے گریں لخت دل بیتاب و اشک
آپ یوں دیکھیں تماشا جانکر سیماب و اشک

اپنے دامن پر گرا کر کیوں اسے کرتے خراب
جانتے یکساں اگر ہم گوہر نایاب و اشک

جانب زنجیر گیسو پھر کھنچا جاتا ہے دل
دیکھئے اب میرے سر پر کیا بلا لاتا ہے دل

لوگ کیونکر چھوڑ دیتے ہیں محبت دفعتاً
میں تو جب یہ قصد کرتا ہوں مچل جاتا ہے دل

رکھ کے تصویر خیالی یار کی پیش نظر
رات بھر مجھ کو شب فرقت میں تڑپاتا ہے دل

داغہائے سینہ گل ہیں آہ سرد اپنی نسیم
گلشن ہستی میں کیا اچھی ہوا کھاتا ہے دل

بارگاہ عشق کہئے تیرے دولت خانے کو
جو کوئی آتا ہے یاں تجھ سے لگا جاتا ہے دل

خوف کے پردے میں چھپ جاتی ہے جان ناتواں
عاشقی کے معرکے میں کام آ جاتا ہے دل

ساتھ ساتھ اپنے جنازے کے یہ چلاتی تھی روح
ان کو مٹی میں ملانے کو لئے جاتا ہے دل

شیخ اگر کعبہ میں خوش ہے برہمن بتخانے میں
اپنے اپنے طور پر ہر شخص بہلاتا ہے دل

قصد کرتا ہوں جو اٹھنے کا تو فرماتے ہیں وہ
اور بیٹھو دو گھڑی صاحب کہ گھبراتا ہے دل

یہ نہیں کہتے یہیں رہ جاؤ اب تم رات کو
بس انھیں باتوں سے اکبر مرا جلتا ہے دل

لکھتے ہیں کلک تصور سے ترے نام کو ہم
کام میں لاتے ہیں لوح دل ناکام کو ہم

بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایام کو ہم
خط تقدیر سمجھتے ہیں خط جام کو ہم

شکل اس شوخ کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے
آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردش ایام کو ہم

نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار
یاد کرتے ہیں حسینان گل اندام کو ہم

آب حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے
لب جاں بخش سمجھتے ہیں لب جام کو ہم

گردش چشم حسیناں کا نہ کہئے احوال
جانتے ہیں اثر گردش ایام کو ہم

ایک دن تمکو لب گور سے سنوا دینگے
کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم

رہتی ہے کار دو عالم سے ہمیں وحشت سی
نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم

رہ چکے ہیں جو کبھی فصل بہاری میں اسیر
کانپ کانپ اٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں
یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں

ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسود ہونیکا
اسے بھی ہم غبار خاطر اعدا سمجھتے ہیں

کوئی کیا سمجھے الطاف خفی انکار جاناں کے
یہ رمز لن ترانی حضرت موسیٰ سمجھتے ہیں

تمہاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے
نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں

یقیں کفار کو آتا نہیں روز قیامت کا
اسے بھی وہ تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

جنوں زائل ہوا ہوش آ گیا صحت ہوئی ہم کو
بڑے عیار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں

کہو ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتی ہو محفل میں
خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں

رہے سرسبز گلشن ان کی بزم عیش و عشرت کا
نکل جاؤں گا میں مجھ کو اگر کانٹا سمجھتے ہیں

نگاہوں کے اشاروں سے جو حکم اٹھنے کا ہوتا ہے
مجھے بھی آپ کیا درد دل شیدا سمجھتے ہیں

میں اپنے نقد دل سے جنس الفت مول لیتا ہوں
اطبا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں

نثار اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم
جو ناپیدا ہے نظروں سے اسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ ہمکو کچھ نہ سمجھے اے رقیبو اختیار اُن کا	یہ تم کیوں خوش ہو اتنے وہ تمھیں کو کیا سمجھتے ہیں
یہی رخ ہو کہ جسپر پھول کا اطلاق ہوتا ہو	یہی آنکھیں ہیں جن کو نرگس شہلا سمجھتے ہیں
تو وہ برق تجلی ہے کہ تیرے دیکھنے والے	ترے نقش کف پا کو ید بیضا سمجھتے ہیں

غزل اک اور پڑھئے آج ایسے رنگ میں اکبر
کہ ارباب بصیرت جسکو عبرت زا سمجھتے ہیں

جو اپنی زندگانی کو حباب آسا سمجھتے ہیں	نفس کی موج کو موج لب دریا سمجھتے ہیں
گواہی دینگے روز حشر یہ سارے گناہونکی	سمجھتا میں نہیں لیکن مرے اعضا سمجھتے ہیں
شریک حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی	فقط اک بیکسی ہے جسکو ہم اپنا سمجھتے ہیں
جو ہیں اہل بصیرت اس تماشا گاہ ہستی میں	طلسم زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

معرا ہوں ہنر سے میں سراپا عیب ہوں اکبر
عنایت ہے احبا کی اگر اچھا سمجھتے ہیں

شوق نظارہ کبھی دل سے نکلتا ہی نہیں	جی ہمارا بے ترے دیکھے بہلتا ہی نہیں
چین سے ہو بیٹھنا کیونکر نصیب اے ہمنشیں	جوشش وحشت سے مزاج اپنا سنبھلتا ہی نہیں
وصل کے ایام میں کیا کیا دکھائے انقلاب	ہجر میں رنگ فلک اب تو بدلتا ہی نہیں
کس غضب کا ہو معاذ اللہ طول روز ہجر	حشر مجھ پر ہو گیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں
ہر قدم پر دل پڑے ہیں حسرتیں پامال ہیں	اب زمیں پر پاؤں رکھ کر یار چلتا ہی نہیں
چند روز آیا تھا میری قبر پر وہ شعلہ رو	اب تو مدت سے چراغ گور جلتا ہی نہیں
ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبح فراق	موت کا جب وقت آ جاتا ہو ٹلتا ہی نہیں
بوسہ کیسا گالی دینے میں بھی ان کو بخل ہو	ان لبوں سے کام اپنا کچھ نکلتا ہی نہیں
صورت پروانہ جل کر خاک بھی میں ہو گیا	دل ترا اے شمع رو لیکن پگھلتا ہی نہیں
نخل حسرت وہ ہوں میں جسکو ہیں یکساں چار فصل	وہ شجر ہوں باغ عالم میں جو پھلتا ہی نہیں

وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ	حوصلہ وہ ہوں جو دنیا میں نکلتا ہی نہیں
رنگ وہ ہوں جو زمانے نکلے ہو باہر رنگ سے	وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں
شوق وہ ہوں وسعت دل جسکے آگے تنگ ہو	حرف مطلب وہ ہوں جو منہ سے نکلتا ہی نہیں
دل وہ ہوں جسمیں چبھے ہیں خار حسرت سیکڑوں	خار حسرت وہ ہوں جو دل سے نکلتا ہی نہیں
نقد سودا وہ ہوں جو رائج نہیں بازار میں	سکۂ داغ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

سنہ ۱۸۹۶ء

یہ مصرعہ چاہیے لکھنا بیاض چشم وحدت میں	خدا کا عشق ہو عشق مجازی بھی حقیقت میں
برنگ حسن جو ہو جلوہ فرما انکی صورت میں	خمیر عشق بنکر ہے وہی میری طبیعت میں
اگر میں ڈوب جاؤں قلزم اشک ندامت میں	گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت میں
بھریں گلہائے حسرت ہی سے دامان تمنا کو	جو آ نکلے میں بہر سیر گلزار محبت میں

لکھا خون جگر سے صفحۂ دل پر اسے اکبر
اثر ممکن نہیں پیدا نہ ہو نقش محبت میں

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن	ادھر تو آؤ مرے گلعذار عید کے دن
غضب کا حسن ہو آرایش قیامت کی	عیاں ہے قدرت پروردگار عید کے دن
سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طرح میری	رہا نہ دل پہ مجھے اختیار عید کے دن
وہ سال بھر سے کدورت بھری جو تھی دل میں	وہ دور ہو گئی بس ایک بار عید کے دن
لگا لیا اُنھیں سینہ سے جوش الفت میں	غرض کہ آ ہی گیا مجھکو پیار عید کے دن
کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں ہے خندۂ گل	عیاں ہے جوش شباب بہار عید کے دن
سوئیاں دودھ شکر میوہ سب مہیا ہے	مگر یہ سب ہے مجھے ناگوار عید کے دن
ملے اگر لب شیریں کا تیرے اک بوسہ	تو لطف ہو مجھے البتہ یار عید کے دن
مضمون سوز غم نہ ہو کیونکر چراغ میں	پروانوں کے پروں کا ہو دفتر چراغ میں

ہو لطف حسن و عشق نہ کیونکر چراغ میں
ہے روشنی و سوز برابر چراغ میں

درگاہ جانے والے ہیں غیروں کیساتھ وہ
گھی جل رہا ہے آج تو گھر گھر چراغ میں

مژگاں کا عکس عارض روشن میں دیکھ لے
وہ دیکھا نہ جس نے ہو کبھی خنجر چراغ میں

خورشید رخ نے تیرے جو بے نور کر دیا
کیا روشنی تھی صورت اختر چراغ میں

اس بت کے دل کا اس دل روشن میں ہے خیال
ہے حسن اتفاق سے پتھر چراغ میں

جلنا نصیب میں ہے تو ہو کچھ فروغ ہی
بتی کی جا رہے تن لاغر چراغ میں

پھیلی ہمارے سوز محبت کی داستاں
بتی پڑی جو شام سے گھر گھر چراغ میں

رنگینی اس کے عارض پر نور میں نہیں
ہے جلوۂ بہار گل تر چراغ میں

داغ گناہ سے دل مومن کو کیا ضرر
ہوتی سیاہی بھی تو ہے اکبر چراغ میں

خودی بھی مجھ سے جب اُٹھ گئی ہیں تب سے بسمل ہوں
ازل سے کشتۂ تیغ نگاہ ناز قاتل ہوں

ولا کیونکر ہیں اس رخسار روشن کے مقابل ہوں
جیسے خورشید محشر دیکھ کر کہتا ہے میں تل ہوں

خم گیسو پر اک رشک پری کے دل سے مائل ہوں
مجھے بھی اندنوں سودا ہے دیوانو نہیں داخل ہوں

نہیں معلوم اسکو تیری چتون سے مقابل ہوں
مجھے واعظ سمجھتا ہے کہ میں مرنے سے غافل ہوں

نگاہ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھ کو
تو پھر میں کیوں تڑپتا ہوں نہ زخمی ہوں نہ بسمل ہوں

فغاں کیسی کہ حرف شکوہ بھی لب پر نہ آئے گا
یہ جبتک تم نہ کہہ لو گے وفا کا تیری قائل ہوں

رہ الفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس سے ڈرتی ہے
قدم رکھتا ہے دل اسمیں نثار ہمت دل ہوں

جو یوں نہیں لحظہ لحظہ داغ حسرت کی ترقی ہے
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سراپا صورت دل ہوں

مدد اے رہنمائے گمرہاں اس دشت غربت میں
مسافر ہوں پریشاں حال ہوں گم کردہ منزل ہوں

میرے سامنے شیخ و برہمن کیا جھگڑتے ہیں
اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہوں دونوں کا قائل ہوں

گل مقصد جسے سمجھا وہ نکلا داغ ناکامی
غرض باغ جہاں میں خوبی قسمت کا قائل ہوں

لہ مصرع طرح

اگر دعوی یکرنگی کروں ناخوش نہو جانا
میں اس آئینہ خانے میں ترا عکس مقابل ہوں

توقع رہتی ہے ہر دم کہ دم لینے کی مہلت ہے
معاذ اللہ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

رسائی زلف نے پائی قدم تک اب وہ کیوں آئیں
بہانہ خوب ہاتھ آیا کہ پابند سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں انکی جس کو بیگانہ سمجھتے ہیں
مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اک تحصیل حاصل ہوں

زمین شعر جس سے آسماں بنجائے ای اکبر
علوئے طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

جو لذت آشنائے درد الفت ہے میں دل ہوں
اجل جسکو قیامت تک نہ آئیگی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینت فتراک قاتل ہوں
جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ مرغ بسمل ہوں

پئے نظارہ جب سے عالم حیرت میں داخل ہوں
یہ محو روئے قاتل ہوں کہ شکل چشم بسمل ہوں

سنا کر وصف قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل
میں اس تعریف سے گویا زبان تیغ قاتل ہوں

فضائے دہر ہے تنگ اپنی بیتابی کی وسعت سے
تڑپنے کی جگہ ملتی نہیں جسکو وہ بسمل ہوں

فنا ہے ہستی موہوم میری بیقراری میں
دل بیتاب کے ہاتھوں سے میں تسکین بسمل ہوں

خوشی میں روح جامے سے رہیگی حشر تک باہر
لپٹ کر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں

توسل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں خون بسمل ہوں

قضا کا وہم بھی جس جا نہ پہونچیگا قیامت تک
وہاں تیغ نگاہ ناز قاتل سے میں بسمل ہوں

جو کی کچھ گفتگو پیر خرد نے راہ الفت میں
کہا تقریر نے خاموش ہیں گم کردہ منزل ہوں

دکھایا بیخودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے کہیں باطل ہوں

عجب مضمون میں پیدا ہوا ہوں بیت ہستی میں
عبارت میں بہت آساں ہوں معنی میں مشکل ہوں

ثبوت اسکا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا
وہ دعوے کر رہی تھی شکل انساں کا میں حاصل ہوں

ازل میں روئے جاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا
تمنا ہے کہ میں بھی تیری صورت میں نازل ہوں

جو پوچھا نیستی ہستی میں کیونکر فرق ظاہر ہو
کمر نے یار کی ایما کیا میں حد فاصل ہوں

کرے اک قطرہ جسکا بیخبر شور دو عالم سے
اُسی جام شراب تند کا ساقی سے سائل ہوں

عیاں ہے رنگ داغ عشق میری خاکساری سے
گلستان محبت کا ہوں گل گو صورت گل ہوں

عجب مجموعہ میں ہوں سرکشی اور خاکساری کا
جو شعلہ باد و آتش سے تو آب و خاک سے گل ہوں

وہ داغ آرزو ہوں جس سے دل دامن بچاتا ہے
کوئی پہلو نہیں ملتا جسے دنیا میں وہ دل ہوں

تصور وہ ہوں جو ہمرنگ ہے تصویر جاناں کا
خیال یار سے ملکر بنا ہے جو میں وہ دل ہوں

جسے چشم تصور خواب میں بھی پا نہیں سکتی
سراپا چشم ہو کر میں اسی محفل میں داخل ہوں

رہِ الفت میں آتی ہے یہی آواز دوزخ سے
کہ میں بھی اک شرار شعلۂ بیتابیٔ دل ہوں

صدائے صور سے شور قیامت کا یہ ایما ہے
کہ میں بیساختہ اک نالۂ مستانۂ دل ہوں

وہ مجنوں ہوں کہ جسکی ہر نظر تصویر لیلےٰ ہے
حجاب حسن اٹھ جاتا ہے جس سے میں وہ محمل ہوں

اجل سے پوچھتا ہے ہر نفس جو باہر آتا ہے
اجازت ہو اگر تیری تو پھر سینہ میں داخل ہوں

کہاں اس بحر سے جائینگے بچکر گوہر مضموں
سخن دریا جو ہے طبع رسا سے میں بھی ساحل ہوں

غزل ایسی پڑھوں جس سے برابر سیدا نکلے
عروج فکر عالی ہوں نشان عشق کامل ہوں

وفور شوق قاتل نے نثار ہمت دل ہوں
امید جذبۂ دل سے مقیم کوئے قاتل ہوں

ہجوم آہ و سوزاں سے خیال روئے جاناں سے
فروغ بزم ماتم ہوں چراغ خانۂ دل ہوں

حجاب روئے قاتل سے غم ناکامی دل سے
نگاہ چشم حسرت ہوں شہید ناز قاتل ہوں

وفور شوق ماتم سے صدائے نالۂ غم سے
شریک حال حسرت ہوں شکست شیشۂ دل ہوں

ہوائے باغ عالم سے جفائے خنجر غم سے
بقائے رنگ عشرت ہوں وفائے روح بسمل ہوں

بلائے یاد گیسو سے خیال تیغ ابرو سے
ظہور جوش سودا ہوں گواہ حال بسمل ہوں

خیال حسن صورت سے ہجوم درد الفت سے
ہمائے اوج معنی ہوں نشان عشق کامل ہوں

ہوائے شعلۂ غم سے جفائے چرخ ظالم سے
چراغ داغ حسرت ہوں گرفتار غم دل ہوں

نسیم صبح عشرت سے فروغ شوق دولت سے
ہجوم خواب غفلت ہوں چراغ عمر غافل ہوں

لب پیمانۂ دل سے وفور شوق کامل سے
مریض لذت غم ہوں لب اظہار سائل ہوں

جفائے تیغ فرقت سے خیال راز الفت سے
زبان حال بسمل ہوں سکوت شمع محفل ہوں

علوئے جوش مستی سے صفائے طبع عالی سے
فدائے فکر اکبر ہوں نثار شعر مشکل ہوں

در گنجینۂ اسرار معنی کھول دو اکبر
بس اب پیر خرد اقرار کرتا ہے کہ جاہل ہوں

کہیں دل ہوں کہیں میں باعث بیتابیٔ دل ہوں
کہیں انداز بسمل ہوں کہیں میں ناز قاتل ہوں

کہیں تمکین خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت
کہیں رنگ رخ گل ہوں کہیں شور عنادل ہوں

کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہد معنی
کہیں ہوں محمل لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں

کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش
کہیں مجبور مطلق ہوں کہیں مختار کامل ہوں

کہیں ہوں شوق آزادی کہیں تدبیر پابندی
کہیں میں جوش سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں

کہیں غم دروزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی
کہیں گھٹنے کے لائق ہوں کہیں بڑھنے کے قابل ہوں

کہیں جذب محبت ہوں کہیں درد دل عاشق
کہیں دل مجھمیں داخل ہے کہیں میں دلمیں داخل ہوں

کہیں جوش اہل معنی کا کہیں ہوش اہل صورت کا
کہیں شور انا الحق ہوں کہیں دعوائے باطل ہوں

کہیں میں حسن کا ایما کہیں ہوں درد کی لذت
کہیں قاتل کی چتون ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں

کہیں ہوں صورت لیلیٰ کہیں حال دل مجنوں
کہیں چھپنے کے لائق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں

کہیں ہوں رونق محفل کہیں ہنگامۂ دلمیں
کہیں میں رند مشرب ہوں کہیں درویش کامل ہوں

کہیں تصویر حیرت ہوں کہیں محو پریشانی
کہیں ہوں شگفتہ رخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں

معاون ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب
کہیں خضر ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں

کہیں ہوں گوہر مقصد کہیں دامن تمنا کا
کہیں ہمت کریموں کی کہیں امید سائل ہوں

کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبط عاقل کا
روانی میں کہیں دریا کہیں رکنے میں ساحل ہوں

یہ دریائے معانی جوش پر ہے دلمیں اے اکبر
مگر ساکت ہوں جبتک آپ میں آنیکے قابل ہوں

لگی ہے آگ الفت کی ہمارے رشتۂ جاں میں
جلا کرتے ہیں مثل شمع ہم بزم حسیناں میں

کرے گا جستجو مضموں کی وصف چشم جاناں میں
پھرے گی فکر پتلی کی طرح چشم غزالاں میں

پڑے یار نے موتی جو اپنی زلف پیچاں میں
نظر آنے لگے شبنم کے قطرے سنبلستاں میں

کیا موزوں جو مطلع میں نے وصف روئے جاناں میں
نظر آنے لگا خورشید تاباں برج میزاں میں

اُتر کتے ہیں جو فرش گل پہ سوتے تھے گلستاں میں
اب اُنکی خاک اُڑتی پھرتی ہے دشت بیاباں میں

نہ کیونکر وحشت دل بر گماں ہو شوق موسیٰ کا
تجلی وادی ایمن کی ہے اپنے بیاباں میں

اُنھیں کی آنکھ سے ممکن ہے اُنکا دیکھنا اے دل
بنوں حیرت سے آئینہ نہ کیونکر بزم جاناں میں

غزالان ختن آآ کے مجھ پر صدقے ہوتے ہیں
کبھی بیمار پڑتا ہوں جو یاد چشم جاناں میں

خزاں میں کیوں نہ ہو سرسبز نخل ماتم بلبل
عوض پانی کے جب حسرت برستی ہو گلستاں میں

تری زلف مسلسل دیکھ کر ظاہر ہوا مجھ کو
یہی زنجیر پائے دل کی ہے ہستی کے زنداں میں

اگر زنجیر پا ہوتی نہ الفت تیری زلفوں کی
نہ رہتے ہمسے دیوانے کبھی ہستی کے زنداں میں

اثر بعد فنا بھی گردش قسمت کا باقی ہے
بگولا بنکے میری خاک اُڑتی ہے بیاباں میں

خیال ہجر یاران وطن سے جان جاتی ہے
غضب ہے ہوش آتا ہے جنوں مجکو بیاباں میں

زبان حال سے کہتا ہے میرا سبزۂ تربت
نشاں حسرت کا ہے نشو و نما بھی اس گلستاں میں

اسی مصرع پہ میں تو فصل گل میں وجد کرتا ہوں
تری قدرت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں گلستاں میں

خزاں آتی ہے بلبل دیکھ لے اچھی طرح گل کو
خدا جانے کب آئے موسم گل پھر گلستاں میں

سناتا ہوں جو افسانہ کسی کی بزم عشرت کا
نسیم نوبہاری رقص کرتی ہے گلستاں میں

کریں گے حشر میں ظاہر جو ہم مجبوری الفت
ہمارا نامۂ اعمال ہوگا دست جاناں میں

سر خاک شہنشاہان عالم کہتی ہے عبرت
قدم رکھے بچا کر آئے جو شہر خموشاں میں

پئے تسلیم سر جھکتا تھا سب کا جنکے ایواں میں
اُنھیں کی خاک اب پامال ہے گور غریباں میں

پھر آئی شکل یاران گذشتہ چشم گریاں میں
ہماری عمر روتے ہی کٹی گور غریباں میں

جمال حور کو کہتا ہے افزوں حسن انساں سے
کوئی عاشق بھی اُن کا زاہدا ہے باغ رضواں میں

جب آنا موت کا ممکن نہیں جنت میں اے واعظ
تو پھر کس کام کی حوروں کی عمریں باغ رضواں میں

نہ پوچھو حال کچھ چاہت کا ان زہرہ جبینوں کی
فرشتوں کے ہیں دل ڈوبے ہوئے چاہ زنخداں میں

کسی کو ہوتی کیا پروا ہمارے جینے مرنے کی
بسان سبزۂ بیگانہ ہم تھے اس گلستاں میں

نہیں سرو سہی کو باغ میں اندیشۂ صرصر
غرض ہر راستی بھی خوب شیوہ اس گلستاں میں

ابھی تو موسم گل بھی نہ آیا تھا گلستاں میں
میں کیوں جامہ سے باہر ہو گیا شوق بیاباں میں

نظر آتا نہیں جز آہ کوئی مونس و ہمدم
بدل جاتی ہے دنیا کی ہوا شبہائے ہجراں میں

میں دیتا جاؤں یاران وطن کو کیا پتہ اپنا
خدا جانے مجھے لیجائے وحشت کس بیاباں میں

سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے جب فصل بہاری کا
گلوں کو یاد کر کے خوب روتا ہوں گلستاں میں

وہ بالیں پر ہیں وقت نزع کیوں کر انسے رخصت ہوں
نہیں طاقت اشارے کی بھی مجھ دم بھر کے مہماں میں

مزا کیا جب حسینوں نے اطاعت کی حکومت سے
نہیں کچھ لطف پریاں تھیں جو قابوئے سلیماں میں

وفور اشک سے یوں ہیں ہرے داغ جگر اپنے
چمن سرسبز ہو جاتا ہے جیسے فصل باراں میں

یقیں تھا گوہر آمرزگاری کے جو ملنے کا
دم آخر تلک ڈوبے رہے ہم بحر عصیاں میں

ہیں اپنے داغ سینہ طعنہ زن خورشید محشر پر
تماشا حشر کا ہے کوچۂ چاک گریباں میں

یہ مجھ دیوانے کو اکثر صدا آتی ہے زنداں سے
کھلا ہے خانۂ زنجیر کا شوق مہماں میں

عجب کیا موسم پیری میں اے دل ٹھنڈی سانسوں کا
ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصل زمستاں میں

بقول رند مہماں فلک میں بھی ہوں اے اکبر
مری قسمت کا ٹکڑا بھی ہے اُسکے خوان الواں میں

پھر گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی
یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروت کیسی

دوست احباب سے ہنس بولکے کٹ جائیگی رات
رند آزاد ہیں ہم کو شب فرقت کیسی

جس حسیں سے ہوئی الفت وہی معشوق اپنا
عشق کس چیز کو کہتے ہیں طبیعت کیسی

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
ہے جو قسمت میں وہی ہوگا نہ کچھ کم نہ سوا
حال کھلتا نہیں کچھ دل کے دھڑکنے کا مجھے
کوچۂ یار میں جاتا تو نظارہ کرتا
حسن اخلاق پہ جی لوٹ گیا ہے میرا
آپ بوسہ جو نہیں دیتے تو میں دل کیوں دوں
ہم نہ کہتے تھے کہ زینت بھی ہے معشوق کو شرط
سنتا ہوں چمن میں جو تری زمزمہ سنجی
ملے ہر اک سے محبت مگر انھیں سے رہی
یہ کون بات پسند آگئی ہے غیروں کی

چار دن کے لئے انسان کو حسرت کیسی
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو حسرت کیسی
آج رہ رہ کے بھر آتی ہے طبیعت کیسی
قیس آوارہ ہے جنگل میں یہ وحشت کیسی
میں تو کشتہ تری باتوں کا ہوں صورت کیسی
ایسی باتوں میں مری جان مروت کیسی
کیوں نظر آتی ہے آئینہ میں صورت کیسی
یاد آتی ہے بلبل مجھے تقریر کسی کی
وہ عاشقانہ جو تھی اک نظر انھیں سے رہی
لگاوٹ انکی جو آٹھوں پہر انھیں سے رہی

چھٹو گے دام بلا سے کبھی نہ اے اکبر
طبیعت الجھی ہوئی یوں اگر انھیں سے رہی

عمر ۱۹ سال سنہ ۱۸۶۴ء

بے تکلف بوسۂ زلف چلیپا لیجئے
دل تو پہلے لیچکے اب جان کے خواہاں ہیں آپ
پانوں پڑ کر کہتی ہے زنجیر زنداں میں رہو
غیر کو تو کر کے ضد کرتے ہیں کھانے میں شریک
خوشنما چیزیں ہیں بازار جہاں میں بے شمار
کشتۂ آخر آتش فرقت سے ہونا ہے مجھے

نقد دل موجود ہے پھر کیوں نہ سودا لیجئے
اس میں بھی مجھ کو نہیں انکار اچھا لیجئے
وحشت دل کا ہے ایما راہ صحرا لیجئے
مجھ سے کہتے ہیں اگر کچھ بھوک ہو کھا لیجئے
ایک نقد دل سے یارب مول کیا کیا لیجئے
اور چندے صورت سیماب تڑپا لیجئے

فصل گل کے آتے ہی اکبر ہوئے بیہوش آپ
کھو لئے آنکھوں کو صاحب جام صہبا لیجئے

تصور سے غم فرقت کے اپنا جی دہلتا ہے
خدا کی شان وہ میرا اتر بیٹھا دل لگی سمجھیں
خیال زلف میں اے دل نہ ٹھٹکے کر منزل الفت
وہ جب جب ملتے ہیں ہشیار بڑھتی ہے مری وحشت
مریض غم کیا کرتا ہے ضبط نالہ ہمت سے
وصال یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی
محبت اتنی کر کے پھنس گئے ہیں ہم تو آفت میں

اگر یہ کمبخت آخر سینے سے دم لیکے ٹلتا ہے
کسی کی جان جاتی ہے کسی کا جی بہلتا ہے
اندھیری رات میں نادان کوئی راہ چلتا ہے
سنبھالیں ہوش وہ اپنا یہاں دل کب سنبھلتا ہے
مگر منہ زرد ہو جاتا ہے جب کروٹ بدلتا ہے
کریں کیا اب مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے
نہ دل قابو میں آتا ہے نہ ان پر زور چلتا ہے

کیا کرتا ہوں موزوں وصف انکے روئے روشن کا
مرا ہر شعر اکبر نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے
سیر غربت کوئی جلسہ جو دکھا دیتی ہے
بیخودی پردۂ کثرت جو اٹھا دیتی ہے
آہ یارب یہ ہو قہر خدا کا نازل
ہو نہ رنگین طبیعت بھی کسی کی یارب
نگہ لطف تری باد بہاری ہے مگر
اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہے جادو
پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مآل ہستی
نظر آتا جو نہیں نزع میں بالیں پہ کوئی
کیا صفائی رخ جاناں کی ہے اللہ اللہ
دشمن اہل نظر ہے نگہ حسن پرست
موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے

بوئے گل راہ گلستاں کی بتا دیتی ہے
یاد احباب وطن مجھ کو رلا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے
رہرو منزل الفت کو ڈرا دیتی ہے
آدمی کو یہ مصیبت میں پھنسا دیتی ہے
غنچۂ خاطر عاشق کو کھلا دیتی ہے
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے
راستہ گور غریباں کا بتا دیتی ہے
بیکسی ان کے تغافل کو دعا دیتی ہے
دیکھنے والوں کو آئینہ بنا دیتی ہے
الفت پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے

بدسلوکی تری لاتی ہے خرابی مجھ پر
میری تقدیر کو الزام لگا دیتی ہے

نگہ شوق سے کیونکر نہ گلوں کو دیکھوں
انکی رنگت ترے عارض کا پتا دیتی ہے

قید ہستی ہے غبار رُخ آئینۂ روح
جان مشتاق کو جاناں سے چھڑا دیتی ہے

کشتہ ہوں مرگ حسیناں کی ہیں بیدردی کا
خاک میں چاند سی صورت کو ملا دیتی ہے

فکر اکبر گل مضموں کا دکھا کر جلوہ
محفل شعر میں رنگ اپنا جما دیتی ہے

زیر گیسو روئے روشن جلوہ گر دیکھا کئے
شان حق سے ایک جا شام و سحر دیکھا کئے

گل کو خنداں بلبلوں کو نوحہ گر دیکھا کئے
باغ عالم کی دورنگی عمر بھر دیکھا کئے

جنبش ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو
آپ تو ناحق سوئے تیغ و تبر دیکھا کئے

صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جان زار
عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کئے

دیکھئے اب کیا دکھائے قسمت بد بعد مرگ
رنج و اندوہ و الم تو عمر بھر دیکھا کئے

خواب غفلت سے نہ چونکے اہل عالم ہائے غضب
گو بہت نیرنگی شام و سحر دیکھا کئے

حسرت و حرمان و اندوہ و غم و رنج و الم
جو دکھایا آسماں نے عمر بھر دیکھا کئے

وعدۂ شب پر گمان صدق سے سوئے نہ ہم
راہ اُس پیماں شکن کی رات بھر دیکھا کئے

یاد میں رخسار تابان صنم کی رات بھر
دیدۂ حسرت سے ہم سوئے قمر دیکھا کئے

پیدا وہ جفا کے جو نئے ڈھنگ کرینگے
تیغ نگہ ناز سے جو رنگ کرینگے

کافی ہیں وہ مستانہ نگاہیں وہ خط سبز
اب ہم نہ کبھی شوق مے و بنگ کرینگے

اسکے دہن تنگ کا مضموں نہیں بندھتا
اب قافیۂ شعر کو ہم تنگ کرینگے

کر لے گا جگہ مثل شرر جذبۂ الفت
وہ سخت جو دل کو صفت سنگ کرینگے

دمسازوں سے ملنے بھی تو پائیں کبھی اے چرخ
آراستہ پھر بزم نئے و چنگ کرینگے

نالے دل پر داغ کو سکھلائیں گے موزوں
طاؤس کو ہم مرغ خوش آہنگ کرینگے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف
نالے بھی کرینگے تو خوش آہنگ کرینگے

اُن سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی
غیروں ہی سے دل کھولکے اب جنگ کرینگے

میلے ہیں حسینوں کے پریزادوں کے جمگھٹ
اب جا کے قیام اپنا لب گنگ کرینگے

راضی ہی نہونگے وہ کسی طور تو کیا بس
تقدیر سے پھر کہئے تو کیا جنگ کرینگے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لکھ وصف دہن کچھ
معلوم ہوا آپ نے مجھے تنگ کرینگے

رنگینی مضمون جو دل صاف میں ہوگی
شیشہ میں گماں مے گلرنگ کرینگے

اکبر نہ ہو دمساز بتاں بہر خدا تم
دل دوگے تو وہ جان کا آہنگ کرینگے

جب عشق کی نشتر میں جو رہے ہوئے کیونکر کہیں نیک انجام رہی
مستوں کی طرح گلیوں میں پھرے رندی میں کٹی بدنام رہی

اب ہم تو خدا کی عنایت سے اے عہد شکن آزاد ہوئے
پھنس جائینگے پھندوں کی طائر دل اُن زلفوں کا سلامت دام رہی

ملنا جو تھا قسمت میں لکھا تدبیر سے کچھ حاصل نہوا
ناموں کی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام رہی

منہ ترا دیکھ کے فق رنگ گلستاں ہو جائے
دیکھ کر زلف کو سنبل بھی پریشاں ہو جائے

یاد قامت میں جو میں نالہ و فریاد کرے دل
پیشتر حشر سے یاں حشر کا ساماں ہو جائے

جلوۂ مصحف رخسار جو آ جائے نظر
حسرت بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہو جائے

آپ کے فیض قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائیے تو گلشن رضواں ہو جائے

ناز و انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگہ پاؤں پڑے گنج شہیداں ہو جائے

آفت گردش افلاک سے پاؤں جو نجات
گردش چشم مجھے گردش دوراں ہو جائے

آپ دکھلائیں جو اپنے رخ رنگیں کی بہار
بُو کے مانند ہوا رنگ گلستاں ہو جائے

لاغر اس درجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تار بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہو جائے

حسرتیں ایسی ہوا کرتی ہیں اکثر مدفوں
کیا عجب خانۂ دل گور غریباں ہو جائے

شباب جوش پہ ہو ولولے ہیں جوبن کے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

جب ان کو رحم کچھ آیا حیا نے سمجھایا
بگڑ بگڑ گئی تقدیر میری بن بن کے

مریض غم کو ڈرایا کرے نہ پھر اتنا
قضا جو دیکھ لے تیور تمھاری چتون کے

نگاہِ ناز سے سارا زمانہ بسمل ہے
ہمیں شہید نہیں تیری ترچھی چتون کے

کمر پہ یار کی رہتا ہے قبضۂ خنجر
شہید ہم تو ہوئے رشک بخت آہن کے

اندنوں یار کے کچھ ذہن نشیں اور بھی ہے
جانتا ہے کہ نشست انکی کہیں اور بھی ہے

ایک دل تھا سو دیا اور کہاں سے لاؤں
جھوٹ کہئے تو میں کہدوں کہ نہیں اور بھی ہے

ناز بے جا نہ کیا کیجئے ہم سے اتنا
اسی انداز کا اک یار حسین اور بھی ہے

غم فرقت میں بھی آتی نہیں ای چرخ جو موت
کیا کوئی صدمہ پئے جان حزیں اور بھی ہے

کہیو اس غیرت لیلے سے یہ پیغام صبا
پہلوئے قیس میں اک دشت نشیں اور بھی ہے

جان دینا جو ہو لازم ہے اسی دم دینا
تمھیں بتلاؤ یہ دستور کہیں اور بھی ہے

میرے بلوانے کا احسان جتاؤ نہ بہت
مہرباں ایک بتِ پردہ نشیں اور بھی ہے

ان ردیفوں میں غزل کیوں نہو دشوار اکبر
ناتراشیدہ کوئی ایسی زمیں اور بھی ہے

اے خوفِ مرگ ولیس جو انساں کے تو رہے
پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے

فتنہ رہے فساد رہے گفتگو رہے
منظور سب مجھے جو مرے گھر میں تو رہے

زلفیں ہٹانی چہرۂ رنگیں سے کیا ضرور
بہتر ہے مشک کی گل عارض میں بو رہے

ق
ہنگام نزع روح نے قالب سے یہ کہا
اس خاکدان تیرہ میں بے آبرو رہے

اب تک ترے سبب سے رہے ہم بلا نصیب
اب تا بہ حشر گور کے پہلو میں تو رہے

یہ اشک انفعال نہ خالی اثر سے ہوں
یارب ہمارے موتیوں کی آبرو رہے

بلبل رہا ہے طائر دل اسمیں عمر بھر
سرسبز حشر تک یہ چمن آرزو رہے

اے چشم عین بزم میں رونا نہیں ہے خوب
وہ بات کر کہ جس میں تری آبرو رہے

پیر مغاں کا سلسلہ دیکھے جو محتسب
امیدوار بیعت دستِ سبو رہے

ہر دم یہ انتظار کا ایا ہے ہجر میں
آنکھوں میں جائے اشک جگر کا لہو رہے

احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر
بالیں پہ خاک اڑانے کو ہاں آرزو رہے

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور
کل پھر یہی نگاہ یہی گفتگو رہے

ہر چند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار
رونے سے عاشقوں میں مری آبرو تو ہے

ہوں میں تو رند مجھ کو تکلف سے کام کیا
پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبو تو ہے

ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس
لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تو تو ہے

ہم خوش رہیں بھلا دل نالاں سے کسطرح
ہو آپ کا یہ دوست ہمارا عدو تو ہے

زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں میں تو کیا عجب
گر تو نہیں ہے پاس تری آرزو تو ہے

مجھ کو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے ناصحا
بدخو اگر ہے یار تو ہو خوب رو تو ہے

جذبۂ دل نے مری تاثیر دکھلائی تو ہے
گھنگرووں کی جانب در کچھ صدا آئی تو ہے

عشق کے اظہار میں ہر چند رسوائی تو ہے
پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے

آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں
بے تکلف آئیے کمرے میں تنہائی تو ہے

جب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہوگا سودائی تو ہے

دیکھئے ہوتی ہے کب راہی سوئے ملک عدم
خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی تو ہے

دل دھڑکتا ہے مرا لوں بوسۂ رخ یا نہ لوں
نیند میں اسنے دلائی منہ سے سرکائی تو ہے

دیکھئے کب تک نہیں آتی گل عارض کی یاد
سیر گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے

میں بلا میں کیوں پھنسوں دیوانہ بنکر اسکے ساتھ
دل کو وحشت ہو تو ہو کمبخت سودائی تو ہے

خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے
کیوں نہو اے نوجواں اک شان رعنائی تو ہے

یوں مروت سے تمھارے سامنے چپ ہو رہوں
کل کے جلسوں کی مگر ہم نے خبر پائی تو ہے

بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے
ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

جسکی الفت پر بڑا دعویٰ تھا کل اکبر تمھیں
آج ہم جا کر اُسے دیکھ آئے ہرجائی تو ہے

کیا ہی رہ رہ کے طبیعت مری گھبراتی ہے
وہ بھی چپ بیٹھے ہیں اغیار بھی چپ ہیں میں بھی خموش
کیوں نہ ہو اپنی لگاوٹ کی نظر پر نازاں

موت آتی ہے شب ہجر نہ نیند آتی ہے
ایسی صحبت سے طبیعت مری گھبراتی ہے
جانتے ہو کہ دلوں کو یہ لگا لاتی ہے

بزم عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں
کوئی گذری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

رباعیات وقطعات وغیرہ

کھولی ہے زباں خوش بیانی کیلئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کیلئے
نظارۂ شاہد معانی کیلئے

تائید وضع ملت ودیں کی کرونگا میں
ہوتا نہیں طبیب مداوا سے دستکش
اہل زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
سچ ہے اجل تو ہنستی ہے سعی طبیب پر

جب لطف وکرم سے پیش آئے محبوب
جب مثل نسیم وہ گلے سے لگجائے
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

کیا تمسے کہیں جہاں کو کیسا پایا
آنکھیں تو بیشمار دیکھیں لیکن
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رشوت ہے گلوئے نیکنامی کا چھرا
ہرچند کہ بے محل خوشامد ہے بُری
عیاشی ہے بدی کے پہیئے کا دُھرا
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی بُرا

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ
کہتا ہے عجم۔ عجم میں رحم ہے موجود
سب سے بہتر روز وشب کا جلوہ
کہدو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوہ

وفا میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب

ہرچند محل انقلابات رہا
چھوڑیں نہیں منزلیں قمر نے اپنی
گھٹنے بڑھنے کا پیچ دن رات رہا
ذی رتبہ و صاحب مقامات رہا

آزادے دیں کا گرفتار اچھا
ہرچند کہ زور بھی ہے اک خصلتِ بد
شرمندہ ہو دلمیں وہ گنہگار اچھا
واللہ کہ بے حیا سے مکار اچھا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

انقلاب جہاں کو دیکھ لیا
کل کلی کھل کے ہوگئی تھی پھول
حب دُنیا سے قلب پاک ہوا
پھُول کمھلا کے آج خاک ہوا

تھا سر میں کمال وہ تو سلطان بنا
لذت طلبی سے نفس رِندی پہ جھکا
تھا دل میں جمال وہ مسلمان بنا
تھا پیٹ بہت حریص شیطان بنا

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبر
چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا
قسمت ہی نے ہمکو ہر طرح سے لوٹا

رسوا وہ ہوا جو مست پیمانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
لپکا جو سائے پر وہ دیوانہ ہوا
محروم اُدھر ادھر سے بیگانہ ہوا

کرم حق پہ رکھ نظر اپنی
آسرا سب کا چھوڑ دے اکبر
جو عقیدہ ترا نہ ہو ڈھیلا
وتبتل علیہ تبتیلا

مجلس میں خیال بادہ نوشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا اے اکبر
مکتب میں سرِ سخن فروشی پایا
لیکن اک عالمِ خموشی پایا

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہراج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشمِ تحقیق اکبر
مالک دولت کے، مالک تاج ہیں سب
بے بس ہیں سب، خدا کے محتاج ہیں سب

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
بحث اُسکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی
لا الٰہ[1] اور قل ہو اللہ کہکے پیغمبر بھی چپ
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اسپر بھی چپ

لا مذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاح قوم
کعبے سے بُت نکال دئے تھے رسولؐ نے
ہرگز گذر سکیں گے نہ ان منزلوں سے آپ
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

کامل کم ہیں اور اہل ارشاد بہت
ہے بزم سخن کا حال یہ اے اکبر
ساحر کم ملیں گے صیاد بہت
شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہد الست
کیا زید و بکر پہ معترض ہوتا ہے
نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
اک گور پرست ہے تو اک زر پرست

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ہے اب تو اِسی کا انتظار اے اکبر
ساتھ اسکے وہ لطف زندگانی رخصت
ہمکو بھی کرے جہان فانی رخصت

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست
طلب مدد کی نہیں اُنسے جو ہیں خود محتاج
خدا گواہ کہ یکی یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی ہے بالصبر و الصلوٰۃ اے دوست

تحریک ضرورت معیشت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے
خرقے کو بھی اب خیال خلعت ہے بہت
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

دُنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی
افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
عقبےٰ کا تصور اور اللہ کی یاد

حق نے جنھیں دی ہے فہم قرآن مجید
بدلے سو رنگ انقلاب دُنیا
ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید
ہر حال میں اُن کو ہے خدا ہی سے اُمید

کس نماندست کہ در بیشہ شکارے بکند
ایں زماں ہمت مرداں بہمیں محدود است
تیغ گیرد بہ کف و فتح دیارے بکند
زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ اُمید کر
نظم میں بھی واعظ آزادی کی اب تائید کر

[1] اشارہ طرف کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ کے ۱۲

صاف ہو روشن ہو اور ہو صاحب سوز و گداز
شاعری میں بس زبان شمع کی تقلید کر

فرمانِ اجل کا آگیا وقت صدور
دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں
دیکھے اکبر کے آج پڑھ اشعار
تجربہ خود بنے گا واعظ دیں

بے سود ہے یہ شکوہ دلفاظی و سیر
چلئے ابجد سے رب یسّر کہہ کر
منکر ہیں روح کے جو یہ اہلِ غرور
ہے فہم و خرد کا تم کو دعویٰ یہ کہو

سید صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور
سوتوں کو جگا دیا اُنھوں نے لیکن
لیجاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر
اسلام سے جنّے بیوفائی کی ہے

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو
یہ بھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ
بزم ملت کا عافیت جو ہو اگر

ہونگے کوئی دم میں شامل اہلِ قبور
یاں سب مجھے کہتے ہیں خداوند حضور
آئی[1] مبے حد پسند یہ گفتار
لیک بعد از خرابی بسیار

افسوس ہے مخلصونکو اور ہنستے ہیں غیر
ہوسکتی ہے تب امید تمت بالخیر
اک امر ہے پوچھنا ہمیں انسے ضرور
پیدا ہوا ما ؔدے میں کیونکر یہ شعور

کہتا نہیں تمسے میں کہ ہو اس سے نفور
اللہ کا نام لیکے اٹھنا ہے ضرور
لکھیں یارب ملک مرا نام بخیر
پایا نہیں میں نے اسکا انجام بخیر

دولت جو ملی تو اسکو تقسیم بھی کر
جو اہل ہیں اُسکے اُنکی تعظیم بھی کر
اصلاح یہ ہے نمود بے سود کو چھوڑ
اللہ کے آگے جھک اچھل کود کو چھوڑ

کہہ دو کہ میں خوش ہوں رکھوں گر آپکو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے
بیسود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
اکبر تو سرور طبع علم میں ڈھونڈھ

بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش
ذلت ہے در اصل جاہ و شوکت کی تلاش
محنت میں کر سکوں و راحت کی تلاش

[1] ایک انگریزی مورخ کہتا ہے کہ یہ مسئلہ ڈارون کی سمجھ میں نہیں آیا ۱۲

غالب انسان پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرۂ دہر سے یہ آتی ہے صدا
ہے ماہ صیام کی نہایت تعریف
نااہلوں کو یہ کبھی لگتا نہیں منہ

تکمیل میں اُن علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے اُمید کیا ہو کہ تمھیں
دیکھا مناظروں کا بہت اُسنے رنگ ڈھنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرت مذاق[1]

مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط
بے شبہہ یہ ہے مہذب و پاک و لطیف
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضاں کو شریف

نیچر کی جو طاقتوں کو کردیں مکشوف
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف
اکبر کے دلمیں اب نہ رہی بحث کی اُمنگ
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

اہل حرص و طمع جو ذلیل ہوتے ہیں اُنپر طعن

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھ کو تکمیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھ کو عزیز
بے غیرت و خود فروش و جاہل ہے نہ پل
یک جا کردیں حوادث دہر اگر

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ساری دنیا ہے اُس کو پیاری اکبر
جب علم گیا تو شوق عزت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوش اکبر میں صدا

خواہان علم نہ طالب گنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف
انوار ہیں دور کے دل افروز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمع اخلاص

عبرت نہیں میری بزم دانش میں دخیل
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھ کو وہ ذلیل
حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
جائز ہے کہ انسے مل مگر دل سے نہ مل

ہر رنگ دکھائے تجھ کو خالق کا جمال
کہتا ہے کم آل[2] جس کو حاصل ہو کمال
دولت رخصت تو ذوق زینت معدوم
مذہب جو مٹا تو زور ملت معدوم

بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم
گویا کہ شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
جلنے والے بہت ہیں دل سوز ہیں کم

[1] عالیجناب نواب احمد حسین خانصاحب بہادر تعلقدار پریاواں ۱۲ [2] ۱۲

ابتک کوئی بہتری تو ظاہر نہ ہوئی
گذرے جاتے ہیں ہمیشہ سال و مہ و یوم
شاید کہ یہی ترقی قومی ہے
ہر شخص بجائے خود بنا ہے اک قوم

رکھو جو مقابل اسکے سارا عالم
دنیا بخدا ہے ایک ذرے سے بھی کم
اس اک ذرے میں ہے ہماری کیا اصل
نافہم ہیں کر رہے ہیں ناحق ہم ہم

مخلوط کرو نہ نفس و نیچر کو بہم
گو نفس نے بھی لیا ہے نیچر سے جنم
جو بھوک لگے زبان کو وہ ٹھیک نہیں
نافع وہ طعام ہے کہ طالب ہو شکم

پڑتا ہے بتوں سے ساعت چند کا کام
تمہید میں اس کی دولت و عمر تمام
اللہ سے ہر نفس کا رہتا ہے لگاؤ
دشوار ہے نفس پر عبادت کا نام

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش نیم[1]
سرکار کی نوکری کو ہرگز نہ کر ایم[2]
شادی نہ کرو اپنی قبل تحصیل علوم
بت ہو کہ پری ہو خواہ وہ ہو کوئی میم

بھولے جاتے ہیں ہسٹری بھی اپنی
مذہب کو بھی ضعیف پاتے ہیں ہم
ہے دولت و جاہ بھی کمی پر ہر روز
ظاہر یہ ہے کہ مٹتے جاتے ہیں ہم

اس بزم سے رنگ کے سب اٹھے جاتے ہیں
تسکین کے جو تھے سبب اٹھے جاتے ہیں
اک قوت مذہبی عقیدوں سے تھی
وہ بھی تو دلوں سے اب اٹھے جاتے ہیں

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں،
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بیکار
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
مجھ کو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں
درپیش ہے منزل عدم اے اکبر
اس راہ میں ریل کی ضرورت ہی نہیں

توحید انکے دلوں میں محفوظ نہیں
اللہ کے ذکر سے یہ محظوظ نہیں
اس فرقۂ نو کو میں نے دیکھا اکبر
اسلام ان کی نظر میں ملحوظ نہیں

تجھ کو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں
کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں

[1] شہرت [2] مقصود

داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں

وہ رنگ کہن تمھارے عاشق میں نہیں
الجھا ہوا اب وہ طرز سابق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب
واللہ کو دخل میری منطق میں نہیں

اردو میں جو سب شریک ہونیکے نہیں
اس ملک کے کام ٹھیک ہونیکے نہیں
ممکن نہیں شیخ امراء القیس بنیں
پنڈت جی والمیک[1] ہونیکے نہیں

کہا احباب نے یہ دفن کیوقت
کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں
رونق نہیں اسکی جس کا دل گرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت ہو جو صاف
پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں

سمجھے جو کوئی برا یہ مضمون نہیں
کوئی پہلو خلاف قانون نہیں
ہر چند کہ یہ فقرہ چبھتا ہے بہت
شیطان کا کوئی شخص ممنون نہیں

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
حسن عمل کے ولولے وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

الفت اور ادب نہیں تو انسان نہیں
بے صبر و سکوں جو ہو تو ایمان نہیں
جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر
اکبر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں
ہیں مست نگاہ بت دل خواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر دفن میں جو ہیں محو
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہاں
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

مشکل سے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں
پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یوں نہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

[1] سنسکرت کا ایک بڑا مصنف ۱۲

گردن خالق کے آگے جھکتی ہی نہیں
ہوتی نہیں انہیں کچھ بھی غیرت پیدا

چغلیاں اکدوسری کی وقت پر جڑتے بھی ہیں
ہندو و مسلم ہیں پھر بھی ایک اور کہتے ہیں سچ

اوروں کی کہی ہوئی جو دہراتے ہیں
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال

کہنے سننے کی گرم بازاری ہی
ایسا سنئے کہ کہنے والا ابھرے

لفظوں کے چمن بھی اسمیں کھل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی،

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
ہو جائینگی مشکلیں تمھاری آساں

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
مرنیسے مفر نہیں ہی جب اے اکبر

تہذیب وہ ہے کہ رنگ مذہب بھی ہو
تزئین وہ ہی کہ خاکساری بھی ہو ساتھ

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
ہرگز نہ بڑھیں گے اُس سے نیچر کے مرید

بھولتا جاتا ہی یورپ آسمانی باپ کو
برق گر جائیگی اکدن اور اڑ جائیگی بھاپ

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو

اب ابتری سے یہ قوم رکتی ہی نہیں
اور بات اکبر کی ہی کہ چلتی ہی نہیں

ناگہاں غصہ جو آجاتا ہی لڑ پڑتے بھی ہیں
ہیں نظر آپس کی ہم ملتے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

وہ فونوگراف کی طرح گاتے ہیں
انسان یونہیں ترقیاں پاتے ہیں

مشکل ہی مگر اثر پرائے دلمیں
ایسی کہئے کہ بیٹھ جائے دلمیں

بے ساختہ قافئے بھی مل جاتے ہیں
تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

اُمید اچھی خیال اچھا رکھو
اکبر اللہ پر بھروسا رکھو

اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
بہتر ہی یہی خوشی سے مرنا سیکھو

آزاد وہ ہے کہ جو مؤدب بھی ہو
اسپیچ وہ ہے کہ اسمیں یارب بھی ہو

حیرت نہیں گر ملک کا ہم قالب ہو
ممکن نہیں جسم روح پر غالب ہو

بس خدا سمجھا ہی اسنے برق کو اور بھاپ کو
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

بیگانہ روش میں اپنی ذلت سمجھو

جو اس کے خلاف رائے رکھے اکبر
جس بات میں تم شکست ملت سمجھو

جو بندہ نفس ہو مخالف اس کا
کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو

عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو
حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو

قومی عزت ہی نیکیوں سے اکبر
دنیائے دنی کی یہ ہوس جانیدو

مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
شیطان واعظ ہی پنبہ در گوش رہو

بدلا پاتا ہوں مجلس دہر کا رنگ
کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی

لاٹھی ہی ہوائے دہر پانی بنجاؤ
اے جد بزرگ سکے تو انسو پوتو

کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہو

شہرت جو کمال سے ہویدا ہو جائے
لوگ ہنستے ہیں جو پیش آتی ہی یہ حالت کبھی

لیکن اخلاقی نظر میں اس سے تو بہتر ہی وہ
ہوتی ہے نصیب تلخ کامی تم کو

اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام

خاموش رہو سمجھو کی قلت سمجھو
اُس میں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو

قومی غیرت کی اسمیں قلت سمجھو
لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو

خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو
باتیں جو بری ہیں انسے پرہیز کرو

اسمیں کیا ہی کہ نقل انگریز کرو
گلچیں ہوا گر تو خار و خس جانیدو

اللہ کو اپنے دلمیں بس جانیدو
غالب ہی اُنسی کی بات خاموش رہو

مستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو

موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو
تزئین کو ترک کرو زمینیں جو تو

اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو
دولت تری خادمہ ہو محبوبہ نہو

لیکن یہ تکلفات مطلوبہ نہو

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
من ترا پاجی بگویم تو مرا پاجی بگو

محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
ہی اپنی ہی نفس کی غلامی تم کو

تدبیر کریں تو اُس میں ناکامی ہو
القصہ عجیب ضیق میں ہیں ہندی
تقدیر کا نام لیں تو بدنامی ہو
یورپ کا خدا کہاں ہے جو حامی ہو

مغوی کو بھی بد نہ کہئے ترغیب ہے یہ
شیطاں کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن
اکس ہے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ
اِک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

ہے عقل بشر بھی تابع حکم خدا
تدبیر کے باب میں ہے انکو شبہہ
بیفائدہ سب میں بحث و تقریر ہے یہ
کہہ دو اکبر کہ جزو تقدیر ہے یہ

مرد کو چاہیے قائم رہے ایمان کیساتھ
میں نہ مانا کہ تمھاری نہیں سنتا کوئی
تا دم مرگ رہے یاد خدا جان کیساتھ
سر ملانا تمھیں کیا فرض ہے شیطان کیساتھ

مسکین گدا ہو یا شاہ ذیجاہ
آ ہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت
بیماری و موت سے کہاں کسکو پناہ
کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

خوبی طاعت کی ہے مسلم اب بھی
خود بین و حریص و جنگ جو ہو اگر
عزت اسکی نہیں ہوئی کم اب بھی
واقف کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

رغبت جو دلائی وسعت مشرب کی
لیکن تبدیل وضع و نقل فارنج
شامل اسمیں غرض تھی بیشک سب کی
ہے بعض کی بات اور اپنی ہی مطلب کی

مذہب ہے گم ترقی یورپ کے سامنے
لیکن وہ آفتاب ہے اور یہ ہے مثل ابر
معتذر خاکسار بھی ہے اور جناب بھی
ابر غلیظ سے ہے نہاں آفتاب بھی

رحمت کا سماں بندھا تو غفلت بھی ہوئی
دنیا میں جسے جو پیش آیا اکبر
حسرت کا کھنچا جو سین عبرت بھی ہوئی
بس اسکے مطابق اسکی حالت بھی ہوئی

تحصیل علوم کر کہ دولت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

تسبیح و دعا میں جسنے لذت پائی
اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی

کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھ کر
بس دونوں جہاں کی اُسنے نعمت پائی

روزی ملجائے مال و دولت نہ سہی
گھر بار میں خوش رہیں عزیزوں کے ساتھ
راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
دربار میں باہمی رقابت نہ سہی

رازِ بتِ شوخ کی خبر ہی نہ ملی
کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب
دل کیا ملتا کبھی نظر ہی نہ ملی
جن کو اسوقت تک کمر ہی نہ ملی

کمیٹیوں سے نہو گا کچھ بھی غرض اگر مشترک نہو گی
بہت بجا نوٹ لکھ گئے ہیں اپنی پوتھی میں کالی ہانک
خیال ملت نہو گا جبتک مفید ہر گز یہ بک نہو گی
غذا نہو گی تو کیا جیو گا دیا کرو تم ہزار ٹانک[1]

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے ہندی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

گو کہ رک سکتی نہیں یہ نقل وضع مغربی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا
پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہم قالبی
بندگی تم کو مبارک صاحبو نکو صاحبی

دیکھے جو حوادث سماوی ارضی
بھولا ہے خدا کو تو ذرا غور تو کر
قائم کر لیں ہیں تو نے باتیں فرضی
زندہ رکھتی ہے تجھ کو کس کی مرضی

وہ شوکت و شان زندگانی نہ رہی
پردہ اُٹھا تو کھل گیا اے اکبر
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی
اسلام میں اب وہ لن ترانی نہ رہی

حصہ حریص کا ہے بیدینی و غلامی
محنت ہی کیلئے ہے تفریح قلب و روحی
قانع کیو اسطے ہے اعزاز و نیکنامی
مقبول و بشاش ہے اکبر کی خوش کلامی

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
لکھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
عزت کیلئے ہے کافی ایدل نیکی

بارہا جوش جنوں میں مجھے آیا ہے خیال
نظر عشق میں ہے زندگی و موت اکبر
کہ تماشا ہے یہ ہنگامۂ نیکی و بدی
اضطراب نفس چند و سکون ابدی

[1] دوا سے مقوی کو ٹانک کہتے ہیں ۱۲

یہ زینت دنیا ہی کہ مٹی یہ ہی یہنی
گوش شنوا ہو تو سنوا سکے ترانے

اس عہد میں یہی ہی بس داخل نکوئی
شوق عمل نہیں ہی فکر اجل نہیں ہی

منظور اے دل ہماری عرضی ہوگی
اس دور فنا میں ہوگی لیکن جو بات

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا

سوچو کہ آگے چلکر قسمت میں کیا لکھا ہی
ہشیار رہ کے پڑھنا اس جال میں نہ پڑنا

رکتا نہیں انقلاب چارہ کیا ہی
تسکیں کیلئے مگر ہی کافی یہ خیال

غنچہ رہتا ہے دل گرفتہ پہلے
کہتی ہی نسیم آکے راز فطرت

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہی گرم
کھلتا نہیں راز دہر شکوہ ہی تو یہ

انسان یا بہت سے دلوں کو ملا سکے
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا

تو نے دل دھر سے ملا رکھا ہی
کیا خود زندہ ہی اپنی طاقت سے تو

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہی

بچوں کے سوا کوں ہوا اسکا متمنّی
اس بزم میں اکبر سا نہیں کوئی مغنی

مذہب پہ نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

اُس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
طبع انسان سے بت پرستی نہ گئی

دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا رہا ہی
یورپ نے یہ کہا ہے یورپ نے یہ کہا ہے

حیراں ہیں ملک بشر بچارا کیا ہی
جو کچھ ہی خدا کا ہی ہمارا کیا ہی

رنگ چمن فنا سے گھبراتا ہی
سنتے ہی پیام دوست کھل جاتا ہی

لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہی
اور شکر یہ ہی کہ موت آجاتی ہی

یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہی
آخر کس نے تجھے جلا رکھا ہی

شیطاں نے فلسفے میں الجھایا ہی

قسمت اب دیکھنی ہی دلگی اکبر
دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے

اس دور میں خوش نصیب وہ ہی اکبر
ہر حال میں بہر روح انسب وہ ہی
قرآن کو غور سے پڑھو اور سمجھو

معلوم نہیں کہ یہ کدھر آتا ہی
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہی
جس نے قرآن کو کھلا رکھا ہی

اللہ اور رسول کا بھی مطلب وہ ہی
اکبر بخدا کہ جان مذہب وہ ہی

سنہ ۱۸۷۶ء

الکحر سے نہ ہی نہ کچھ خیالات سی ہی
اکبر بخدا یہ کامیابی ساری
تہذیب سے ہی نہ ترک عادات سے ہی
تقدیر سے اور اتفاقات سے ہی

دنیائے دنی محل آفات بھی ہی
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
فکر روزی مخل اوقات بھی ہی
جیتا رہی آدمی تو اک بات بھی ہی

انساں میں معتبر لیاقت بھی ہی
انداز سخن سے بھی ہی اندازۂ طبع
محسوب اس وزن میں وجاہت بھی ہی
اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہی

دولت وہ ہی جو عقل و محنت سی ملے
ایمان کا ہو نور دل میں وہ راحت ہی
لذّت وہ ہی کہ جوش صحت سی ملے
عزّت وہ ہی جو اپنی ملت سی ملے

آپسمیں موافق رہو طاقت ہی تو یہ ہی
صحت بھی ہو وزری بھی ہو دلکو بھی ہو تسکیں
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
دنیا میں بشر کے لئے نعمت ہی تو یہ ہے

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہی
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہی

انبساط نفس الگ ہی روح کا وجد اور ہی
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظور نظر
دشت وحشت اور ہی اور وادی نجد اور ہی
یاد رکھ اکبر تکبر اور ہی مجد اور ہی

ارمان نہ شراب و بزم شاہد کا ہی
سامان نہ محافل و مساجد کا ہی

اکبر کو ہے انس کنج تنہائی سے
دھیان اسکو فقط خدائے واحد کا ہی

کچھ شک نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہی
جو اس سے اختلاف کرے حق سے دور ہی
لیکن خدا کے واسطے خلق خدا سے مل
سمجھیگا اِس کو وہ کہ جو اہل شعور ہی

انسان جو عمر ختم کر چکتا ہے
خوش ہو چکتا ہے آہ بھر چکتا ہی
فانی دنیا کا دیکھ لیتا ہی رنگ
زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہی

سنئے حکمت جو میری گفتار میں ہی
اِک حدّ ادب ہر ایک سرکار میں ہی
پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا
پہلے تھا نور میں اور اب نار میں ہی

شیطان سے دل کو ربط ہو جاتا ہی
دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہی
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی
اکثر ہے یہی کہ خبط ہو جاتا ہی

جسکو خدا سے شرم ہی وہ ہی بزرگ دیں
دنیا کی جس کو شرم ہی مرد شریف ہی
جسکو کسی کی شرم نہیں اسکو کیا کہوں
فطرت میں وہ رذیل ہی دل کا کثیف ہی

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے
اِسکے لئے کون سر بکف ہوتا ہی
دنیا طلبی میں ہی یہ ہنگامۂ و شور
حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہی

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہی
بے غیرت و بے دلیل ہو جاتی ہی
گو جسم میں ظاہرا توانائی ہو
اخلاق میں وہ علیل ہو جاتی ہی

دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے
اخلاقی پہلوؤں سے جانچا اکبر
شدت سے اُسے علیل پایا میں نے

افسوس سفید ہو گئے بال ترے
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے
تو زلفِ بتاں بنا ہوا ہی ابتک
دنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں جال ترے

ہیں وعدۂ خالق دو عالم سچّے
قرآن سچّا رسولؐ اکرم سچے
اے منکر دیں قیامت آنی ہی ضرور
کہدیں گے وہاں کہ دیکھ لے ہم سچّے

؎ یہ صیغۂ جمع چاہیئے۔

جب واقعات اصلی پیش نظر نہ آئے
شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے
نیچر نے کی گذارش رخصت ہوں میں یہیں سے

ایسے بھی ہیں خلق جنکو فرعون کہے
ایسے بھی جنھیں محمد و عون کہے
میں نام بنام کیسے کہتا اکبر
نازک ہے مگر معاملہ کون کہے

ہر چند کہ کوٹ بھی ہی پتلون بھی ہی
بنگلہ بھی ہی پاٹ بھی ہے صابون بھی ہی
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہی

دولت بھی ہی فلسفہ بھی ہی جاہ بھی ہی
لطف حسن بتاں دل خواہ بھی ہی
سب سے قطع نظر ہے مشکل لیکن
اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہی

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اڑ جائے
مطلب کی کہوں تو پالسی میں اڑ جائے
باقی سر قوم میں ابھی ہی کچھ ہوش
غالب ہی کہ یہ بھی اس صدی میں اُڑ جائے

اعلیٰ مقصود چاہئے پیش نظر
کوشش تری گو ہو لطف ذاتی کیلئے
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا
شیریں کیلئے کہ ناشپاتی کیلئے

مذہب قانون و قوم کا بانی ہی
خالص طاعت عروج روحانی ہی
توہین اکدوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ
یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہی

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہی
ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہی
تسکین ہی جب کہ ہو خدا پر تکیہ
قانون بنا سکیں تب آزادی ہی

آگاہ ہوں معنی خوش اقبالی سے
واقف ہوں بنائے رتبۂ عالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اے اکبر
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

ایمانؔ حواسؔ و حق پرستی کیا ہے
یہ غفلت و کفر و جوش مستی کیا ہے
لاریب سب ہی ایک ہستی کا ظہور
یہ مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہی

جینا تھا جس قدر ہمیں دنیا میں جی لئے
ساغر کسی طرح کے ملے اور پی لئے

غم بھی رہا خوشی بھی تحیّر بھی فکر بھی
جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لئے

طاقت وہ ہے با اثر جو سلطانی ہے
تعلیم وہ خوب ہے جو سکھلائے ہنر

انسان چاہے جو بات اچھی چاہے
شیطان سے وہ فلاسفی ہے منسوب

پاکیزگئ نفس کی دشمن مے ہے
شیطان کی ہے پرائوٹ سکریٹری

یہ دربار ہے خالق دو جہاں کا
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالے

اوہام کے ہاتھ سے نہ ایذا سہیئے
ہے پیش نگاہ جلوۂ ارض و سما

چیخے ۔ چلائے ۔ کودے ۔ اُچھلے تہلے
حالت تو وہی ہے بلکہ اُس سے بدتر

غلط فہمی بہت ہے عالم الفاظ میں اکبر
یہ روشن ہو کہ پروانہ ہے اسکا عاشق صادق

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نور طبع پایا نہ گیا

اُسجا ہے جہاں زبان افشانی ہے
اچھی ہے وہ تربیت جو روحانی ہے

بدیوں سے محترز ہو ۔ نیکی چاہے
جس کا مطلب ہے ۔ کرے وہ جو جی چاہے

انساں کو خراب کرنیوالی شے ہے
مسلم اور اس کو منہ لگائے ہی ہے

ادب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

بندوں کو نہیں خدا کے ہو کر رہیئے
سبحان اللہ جوش دل سے کہیئے

ہر پھر کے وہیں رہے جہاں تھے پہلے
یوں منہ سے جو جس کے دل میں آئے کہلے

بڑی مایوسیوں کے ساتھ اکثر کام چلتا ہے
مگر کہتی ہے خلقت شمع سے پروانہ جلتا ہے

دنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی ہوئے

پیسیز یعنی قطعات

جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجکو بادہ صافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی
شغل یہی ہے دل کو کافی
خیراب دیکھئے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے
گورے دیکھے کالے دیکھے
بینڈ . بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا
بڑھا اور دنگل دیکھا
اُس جنگل میں منگل دیکھا
عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری
پانی تھا ہر پمپ سے جاری
تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پر مردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی
کچھ چہروں پر زردی دیکھی
دل نے جو حالت کردی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
بے رنگی با رنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا
بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم
زرّیں جھولیں نور کا عالم
ان کا چلنا کم کم تھم تھم
میلوں تک وہ چم چم چم چم

پر تھا پہلوئے مسجد جامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع
روشنیاں تھیں ہر سو لامع
سب کے سب تھے دید کے طامع

سُرخی سڑک پر کٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی
سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اِک چوکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی
خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصّہ من و سلوا
ایک کا حصّہ بھیڑ اور بلوا
ایک کا حصّہ تھوڑا حلوا
میرا حصّہ دور کا جلوا

اوج برٹش راج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا
پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رُخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہونچے پھاند کے سات سمندر
حکمت و دانش اُن کے اندر
تحت میں انکے بیسیوں بندر
اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت مُلاقی ان کا
محفل اُن کی ساقی ان کا
چرخ ہفت طباقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا

ہم تو اُن کے خیر طلب ہیں
انکے راج کے عمدہ ڈھب ہیں
ہم کیا ایسے ہی ہیں سب ہیں
سب سامان عیش و طرب ہیں

اگزبیشن کی شان انوکھی
ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی

اقلیدس کی نابی جو کھی
من بھر سونے کی لاگت سوکھی

جشن عظیم اس سال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے
شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
قصّۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہور کوچہ و برزن
طائر ہوش تھے سب کے پرزن
ہال میں ناچیں لیڈی کرزن
رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آکے یکایک
محو تھا ان کا اوج سما تک
زرّیں تھی پوشاک جھکا جھک
چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوج فلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی
اِس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
بزم عشرت صبح تلک تھی

کی ہے بندش ذہن رسا نے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے
کوئی مانے خواہ نہ مانے
جس نے دیکھا ہو وہ جانے

خدا جانے کہا کس نے یہ کس دن عقل مسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا

گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
برا معلوم ہوتا ہو مسائل کا یہ پشتارا

مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست انکی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا

نہ چھیڑیے دیجئے اُن کو حکیمانہ طریقوں سے
کہ بجھ کر راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا

چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا

عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں
اُنھیں بھی پست کر دے مغربی حکمت کا نقارا

ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دور گردوں میں
عجب کیا ہے کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دھارا

قیامت کر گئی قومی ترقی گوش مسلم میں
لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود مارا

اگر آں شاہد مغرب بدست آرد دل مارا
بچشم مست او بخشیم تسبیح و مصلی را

مصلّے کو غرض تہ کر کے اُٹھا عابد مشرق
جو طاقت آ گئی تھی دل میں اس طاقت سے للکارا

ادھر تحریر اُدھر اسپیچ ادھر سازش اندیش
اسے جھڑکا اسے ڈانٹا اسے گانٹھا اسے مارا

نتائج پر نظر کب مرد عاشق تن کی ہوتی ہے
وہ سمجھے ہیں نئی اک قوم کا بنجاؤں گا دارا

دو روزہ پالیسی نے اسطرف سے تقویت دیدی
ادھر بجنے لگا فتح و ظفر کا پھر تو نقارا

ڈنر عہدے تبسم مشورے وعدے بنے گیسو
وہ گیسو جس سے پھیلی بوئے مست عنبر سارا

حواس ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل
کجا موہوم حوریں اور کجا پریوں کا نظارا

وہ ٹوٹے یہ گرے وہ پھسلے یہ چیتا انکو غش آیا
نہ ایماں میں رہی طاقت نہ دلمیں ضبط کا یارا

حریفان طرب آگیں نے چھیڑا ساز عشرت کو
بجایا سب نے مضراب ہوس سے دارا دارا

بتوں کے عشق میں بڑھ بڑھ کے تھے عقل پر پتھر
مسوں کا بھی تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا

غریبوں درمندوں بیکسوں کے دل کی کیا ہستی
وہ حالت پیش آئی تھی کہ جس سے موم ہو خارا

نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یاران خود آرا

زبان حال سے فریاد تھی یہ اہل تمکیں کی
کہ اے نظم جہاں را حافظ و اے عرش را دارا

فغان زیں سحر فن دلکشاں آفت ایماں
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را

ہوا اب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رخ پر چلے دھارا

وہ پیر دیں کے بڑے حامی تھے طاعت کے مؤید تھے
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا

حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبد مذہب
تو کیا اقبال و عزت کا ادھر بہنے لگا دھارا

مناسب کچھ مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
وہی اینٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا

ادھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
اُدھر بازی حریفوں کی ہے ہاتھ اُنکے ہے پوبارا

نتیجے ہمنے خود آنکھوں سے دیکھے روز روشن ہیں
فلک نے سرکشوں کو خاک ناکامی پہ دے مارا

کہیں تحقیر مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے
بجھا کر نور دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا

بہت ہی غفلت و ترک عمل دنیا میں یہ مانا
عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیئے پیارا

مدار خیر خواہی[1] ترک مذہب پر نہیں ہرگز
ہر اک نے دل سے انگلش کی ہے لائلٹی کا دم مارا

[1] خیر خواہی ۱۲

نہ تھا یہ مطلب سارا کہ اسمٰعیل کافر ہو
حریفانہ نہ ہو انداز مطلب تھا یہی سارا

جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائیں گے تو کیا ہوگا
خدارا اک نظر اس سین کا کرتے تو نظارا

صلوٰۃ بے وضو سے رو رہی ہے اسطرف مسجد
ادھر قرآن بے رغبت ہے دل مذہب کا سیپارا

مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی
ادھر ہیں بے جھلے کندے ادھر ہے برق وش آرا

خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا اس کے کیا معنی
یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خود بین و خود آرا

کہیں اطفال ناداں ہیں کہیں پیران بے طاقت
یہ غوطے کھاتے ہیں فقرے میں آتا ہے وہ بیچارا

یہ اخلاقی یہ روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں
یہ نفس مطمئنہ پر ہوا کیوں غالب امارا

یہ کس کل کے بنیں گے جز دکھو کر اپنی ملّت کو
مگر ہاں اپنے بیلوں میں ملا لے کوئی بنجارا

ہمارے حکمراں تو چرچ میں سرگرم طاعت ہیں
تو ہم بندے پھریں کیوں دشت بیدینی میں آوارا

عمل مطلوب ہے بیشک مگر نور اپنا کیوں کھوئیں
زمانے کو ہے گردش ہم نہیں ثابت ہے سیارا

ہوالاول ہوالآخر یہ شہد روح پرور ہے
پھرو آزاد ہو کر یہ ہے بالو کا شکر پارا

بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقش جانفزا دل پر
کہ روحانی ترقی میں ہو لٹکا عرش کا تارا

بہت فکر اسکی ہے دن رات گو قومی بزرگوں کو
مگر کمزور یہ موجیں ادھر غفلت کا ہے دھارا

میں یہ پیچیدہ بحثیں پیش کرنے کو تھا آمادہ
کہ اتنے میں جناب حضرت حافظ نے للکارا

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

قدیم وضع پر قائم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا

جو اعتدال کی کہئے تو وہ ادھر نہ ادھر
زیادہ حد سے دئے سب نے پاؤں ہیں پھیلا

اِدھر یہ ضد ہے کہ لمنیڈ بھی چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا

ادھر ہے دفتر تدبیر و مصلحت ناپاک
اُدھر ہے وحی ولایت کی ڈاک کا تھیلا

غرض دوگونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلےٰ و فرقت لیلےٰ

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا — ہے نور دل بندگان خدا
یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو — سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو
اگر یہ کہوں ہیں وہ بالکل وحوش — تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لیٹوش
جب ایڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل — تو کی قوم نے یاد رب جلیل
کمی کی نہ اسٹیٹ نے خرچ میں — دعائیں ہوئیں دھوم سے چرچ میں
وہ جنرل کہ دیتی تھی جن سے زمیں — ہیں گرجا میں راکع مع الراکعیں
ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک — گرے سجدے میں پیش اللہ پاک

سر بادشاہان گردن فراز
بدرگاہ او بر زمین نیاز

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا — میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا
نیشنل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں — اتحاد دیں فقط باقی رہا تھا اب گیا
ہے عقیدوں کا اثر اخلاق انساں پر ضرور — اُس جگہ کیا خیر ہوگی وہ اثر جب دب گیا
پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام — قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا
منقلب ہوتے ہیں باہم طالب العلموں کے کورس — کورس بھی رخصت ہوا اس کا زمانہ جب گیا
اتحاد معنوی اُن میں برائے نام ہے — دیکھتے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا
بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو — جو اُٹھا بہر ہلاک ملت و مشرب گیا
اس نے نفرت انکو ایسی مستقل تازی زباں — حیف! مسلم سے خیال مبنی و معرب گیا
مجلس دنیا میں کس صف کے بنو گے مستحق — دور ہوا ولاڈٹ سے اور یہ تو یا رب گیا
نوکری کے باب میں وہ پالسی قائم نہیں — ہوش میں آ کُو وہ زنگ رو زونگ شب گیا

ہم بھی کہتے ہیں صاحب سوچ لو انجام کار — دوسرا پھر کیا ٹھکانا ہے اگر مذہب گیا

اک لعبت چیں کو لندن سے جو بیاہ کر لائے مقاعیلن — احباب نے تیر مطاعن سے اُنکے دل کو مجروح کیا
باپ انکے یہ بولے کشتی مری اللہ ڈبو دی ہائے غضب — اس لڑکے نے صحبت بد پا کر یہ کار ابن نوح کیا
تعلیم کو میں نے بھیجا تھا تزویج کی اسنے ٹھہرائی — ممدوح تو بننا بھول گیا بس اپنے تئیں منکوح کیا
لڑکے نے جواب میں عرض کیا اے قبلہ و کعبہ سنیئے تو — یہ کون برائی ہے جس کی جو فاتح کو مفتوح کیا

مسان خود فروش آخر فرستادند ایں ملہا — طلب کردند زر چندانکہ خوں افتاد در دلہا
نشاط طبع برہم شد شکست آں زنگ محفلہا — الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ادھر بے علم دیں ہے نور ایماں قلب سے زائل — ادھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہے دل مائل
ادھر ہے نوکری دشوار چکر میں ہے ہر سائل — شب تاریک و بیم موج و گرداب چنیں حائل

کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

نہ قید شرع باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ حد — نہیں کچھ گفتگو اس باب میں یہ نیک ہے یا بد
بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ یہ پڑھ قانون سرسید[لہ] — بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

کہاں کی پیش بینی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر — مقیم دیر تھے دلچسپ تھی بزم بت کافر
نہ تھا کچھ پاس ایمان دل کی تھی مدنظر خاطر — ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جو ہونا چاہتا ہے بدر بن جا ماہ نو حافظ — نہ کر آرام رہ راہ طلب میں تیز رو حافظ
لگائے رہ اُسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ — حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ

متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا

اگر ہے لفظ خدا سے بیسیوں مفہوم کا — اور ازاں جملہ مرادف ہے یہ نامعلوم کا

لہ اگرچہ اختلاف حرکت قافیہ اساتذہ کے یہاں ہے مگر یہاں میں سرسید سے قافیہ نہیں ملا سکا ۱۲

سب کا حصہ قوت و حالت کے لائق ہو یہاں
بس یہی مطلب تو ہے اے مہرباں مقسوم کا

پیر و مرشد نے کیا قوم میں پچپن پیدا
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائیگا جوبن پیدا

وہ تو پیدا نہوا ہاں تھے لڑکوں کے مگر
ہو چلے دین کی دیوار میں روزن پیدا

پستیٔ قوم کے جب آ گئے دن اے اکبر
اونچے درجوں میں ہوئے عقل کے دشمن پیدا

دین کیا چیز ہے شیرازۂ قومی ہے فقط
جس سے ملت کی ہے اک صورت احسن پیدا

آج ہوتا نہیں اس کا ضرر انکو محسوس
ہو رہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا

بالیقیں آئیگا اس باغ پہ ایسا اک وقت
کر چلیں گی روشیں نشتر و سوزن پیدا

صورت برگ خزاں دیدہ پھرینگے اڑتے
نہ بہار آئے گی پھر ہوگا نہ گلشن پیدا

باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل
ہونگے اطفال بھی بے غیرت و کودن پیدا

کاہ کی طرح سے اڑ جائیں گے دینی اعمال
اختلافات کے ہو جائینگے خرمن پیدا

ظلمت جہل سے گھر جائینگے دل کے اطراف
سینوں میں ہو نہ سکیں گے دل روشن پیدا

کون کہتا ہے کہ انگلش کا نہو دل سے مطیع
کون کہتا ہے نہ کر الفت و لسن پیدا

کون کہتا ہے تکلف سے نہ کر زیست بسر
کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا

بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں
تار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا

مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی
یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

کچھ گھروندا نہیں نیشن کہ بنالیں لڑکے
فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے نیشن پیدا

سلف ریسپکٹ کا پھر یاد رہیگا نہ سبق
پھر نہیں ہونے کی یہ بحث و ہومن پیدا

بزم تہذیب سے ہو جائینگے قطعاً خارج
حس ہی باقی نہ رہیگا کہ ہو شیون پیدا

بیشک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں
انسان کے لئے کرسچین ہو جانا

یزداں کا خیال تو دلاتا ہے وہ دین
ہے کفر صریح اہرمن ہو جانا

مرشد کہتے ہیں تو ہے نادان اے دوست
بات اور ہے صاحب سخن ہو جانا

میری چالیں بھی ہیں اسی کی تمہید
سکھلاتے ہیں پہلے سیدھن ہو جانا

ساکت کر دیگی ان کو حب بے علمی
آسان ہوگا ادھر وطن ہو جانا

سنہ ۱۸[illegible]ء

سید سے آج حضرت واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا

سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا
دل میں ذرا اثر نہ رہا لا الٰہ کا

ہے تجھ سے ترک صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج
کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

شیطان نے دکھا کے جمال عروس دہر
بندہ بنا دیا ہے تجھے حب جاہ کا

اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر
کیا جانیے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا

یورپ کلہ بیش آئے اگر آپ کو سفر
گذرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

وہ آب و تاب و شوکت ایوان خسروی
وہ محکموں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا

آئے نظر علوم جدیدہ کی روشنی
جس سے خجل ہو نور رخ مہر و ماہ کا

دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

نوخیز دلفریب گل اندام نازنیں
عارض پہ جنکے بار ہو دامن نگاہ کا

آ گئے اگر تو مِس نے کہے اک بت حسیں
او مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

ہو وقت قبلہ جھک کے کروں آپ کو سلام
پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا

پتلون کوٹ و بنگلہ و بسکٹ کی دھن بندھے
سودا جناب کو بھی ہو ہٹ کی کلاہ کا

ممبر یہ یوں تو بیٹھ کے گوشے میں اے جناب
سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

گرمی بحث میں آنر نے یہ اکبر سے کہا
گر رہ احمد مرسل پہ تو قائم نہ رہا

رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں
بادۂ جہل کی بس آ گئی مستی تجھ میں

نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالات صحیح
بحرِ عصیان و تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح

سخت ناعاقبت اندیش ہیں شیخ و ملّا
قوم برباد ہوئی جاتی ہے کھلم کھلا

کہا اک گبر نے یہ الزام ہے بے شبہہ درست
تو ہے مجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں سست

کبر و تزئین و تجمل سے تجھے ہے بس کام
دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نام اسلام

طاعت حق کی ترے قافلے میں گرد نہیں
نفس سرد نہیں ہے دل پُر درد نہیں

ہم اگر پختگی سے جاتے ہیں خامی کی طرف
ترا میلان ہے الحاد و غلامی کی طرف

تو بھی اُس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم
صادق آتا ہے یہی قول شہید مرحوم

اے صبا مایۂ سودا نہ تو داری و نہ من
بوئے آں زلفِ چلیپا نہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ سنہ ۱۸۷۷ء

اے گوہرِ مخزنِ ظرافت
وے جوہرِ معدنِ لطافت

سرمایۂ انبساطِ خاطر
تسکینِ دل و نشاطِ خاطر

دیباچۂ دفترِ فصاحت
عنوانِ صحیفۂ بلاغت

خلاقِ معانیِ طرب خیز
کشافِ رموزِ عشرت انگیز

ہادی و ادیب و دانش آموز
گوہر افشان و گوہر اندوز

زینت دہِ شاہدِ تکلّم
آئینۂ خندہ و تبسّم

سرچشمۂ قول و وعظ و گفتار
گنجینۂ وعظ و پند و اسرار

اے فخر دہِ زبانِ اُردو
وے اوج دہِ نشانِ اردو

رنگینی میں غیرتِ گلستاں
شوخی میں حریفِ برقِ تاباں

کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ
محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

دن رات یہی ہیں اسکے چرچے
پڑھ جاتے ہیں دل کو اسکے پرچے

ہے خلقِ خدا قتیل اس کی
حاسد کا حسد دلیل اس کی

معقول مزاح ہے تو یہ ہے
شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے

ہر چند کہ زجر نیشتر ہے
گو فقرۂ طعن نیشتر ہے

لیکن وہ قند میں گھلا ہے
یہ آبِ حیات میں دھلا ہے

وہ شربت حفظ عقل و ایماں
یہ مردہ دلوں کو ہے رگ جاں

بگڑے ہوئے بن گئے ہنسی میں
حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں

ہر کس کہ بدید گفت خوب است
باللہ مفرح القلوب است

رندوں کی زباں میں پند دلخواہ
سبحان اللہ واہ وا واہ

ہر چند کہ طرز پنچ لندن
بے شبہہ ہے دل پسند و پُر فن

لیکن وہ نقش اولیں ہے
نسبت اس سے اُسے نہیں ہے

ماشاء اللہ یہ نقش ثانی
بہتر ہے بصورت و معانی

وہ پیر معمّر و کہن سال
یہ خیر سے نونہال اقبال

وہ اک گل صد بہار دیدہ
یہ غنچۂ تازہ نو دمیدہ

مولود سعید مریم طبع
عیسیٰ دم و گوہر تم طبع

لطف شام اودھ ہے اس سے
روشن نام اودھ ہے اس سے

اک نور ہے مہر لکھنؤ کا
اختر ہے سپہر لکھنؤ کا

وہ سرد برنگ آتش گل
یہ گرم بسان آہ بلبل

بحث مضمون میں وہ اگر پنچ
یہ حل نکات میں ہے سر پنچ

واں بانڈوئے تار سست بنیاد
یہاں خامۂ نیزۂ چمن زاد

کیسا خامۂ زبانِ معنی
کیا ذکر زبان کہ جانِ معنی

اُٹھنے میں نگاہ چشم جادو ‖ چلنے میں حریف تیغ ابرو
مفتاح خزینۂ تصوّر ‖ نقّاش نگینۂ تصوّر
کہنا اسے شمع کب روا ہے ‖ اوصاف میں شمع سے سوا ہے
وہ چہرہ نمائے بزم صورت ‖ یہ پردہ برافگن حقیقت
ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے ‖ تاہم سرگرم گفتگو ہے
رعنا و لطیف و شوخ و بیباک ‖ سرگرم و حریف و چست و چالاک
مشاطۂ شاہد معانی ‖ بانی بنائے خوش بیانی
پیچیدگیوں میں حرف زن ہے ‖ شانہ کش گیسوئے سخن ہے
آزادی کا فخر اُسے اگر ہے ‖ یہاں فخر اس سے زیادہ تر ہے
یعنی کہ وہ مطلق العناں ہے ‖ بے قید ہر ایک سو رواں ہے
واں طبع کو زور لاتخف ہے ‖ دقّت تو جو ہے وہ اسطرف ہے
زنجیر خرد کی پائے بندی ‖ باقاعدہ شرح دردمندی
تار نظر حسود بدکیش ‖ ہر گام پہ مثل دام درپیش
کوتہ نظران پست فطرت ‖ سرگرم شرارت و عداوت
واں شاخ شجر پہ ہے ترانہ ‖ یاں دیدۂ دام آشیانہ
کیونکر نہ ہوا دعائے اعجاز ‖ کھولے ہیں قفس میں بال پرواز
کی سیر دو عالم اک نفس میں ‖ پھر دیکھئے تو اُسی قفس میں
دریا قطرے میں موجزن ہے ‖ غنچے میں بہار صد چمن ہے
ہے نوک سناں پہ نقش پرواز ‖ رقصاں دم تیغ پر بصد ناز
شعلوں کے ہجوم میں سمندر ‖ امواج میں ماہی قوی پر
کیا کثرت خار سے خطر ہے ‖ یاں دوش نسیم پر سفر ہے

پابندی کا کب ہو یاں تاسّف ‖ یوسف زنداں میں بھی ہے یوسف
جلوہ ہے وہی وہی تجلّی ‖ شوکت ہے وہی وہی تعلّی
پابند جو یوسف سخن ہے ‖ پھیلی ہوئی بوئے پیرہن ہے
ہر رنگ میں ہے بہار معنی ‖ ہر لفظ ہے پردہ دار معنی
ہر نقطہ ہے نکتۂ بصیرت ‖ ہر حرف ہے کاشف حقیقت
صرصر کے جور سے بری ہے ‖ یہ شاخ خزاں میں بھی ہری ہے
وہ مہر فلک سے منفعل ہے ‖ یاں روشنی دماغ و دل ہے
دریوزہ گری پہ اسکی اوقات ‖ یہاں قطب صفت ثبات و ذات
جن سے آسیب کا تھا کھٹکا ‖ اُن دیوؤں نے خوب سر کو پٹکا
غالب تھا اثر میں اسم اس کا ‖ ٹوٹا نہ کبھی طلسم اس کا
ہوتے تھے جو رنگ سے وہ بیچین ‖ حساد بھی صاد کرتے بالیقین
سنئے اک اور نکتۂ خوب ‖ آزادی گفتگو ہے معیوب
لاتا ہوں دلیل شاعرانہ ‖ دیکھو قدرت کا کارخانہ
منہ کے اندر زباں جڑی ہے ‖ دانتوں کے حصار میں پڑی ہے
بتیس جوان سخت طینت ‖ استادہ ہیں مائل اذیت
ہیں مثل سفید دیو بیباک ‖ طامع جابر حریص سفاک
حد سے جو بڑھے زبان گفتار ‖ دوڑیں اُسے کاٹنے یہ خونخوار
پہلو میں جوان کے ہمنشیں ہو ‖ وہ نوک خلال سے حزیں ہو
کتنا ہی وہ ہو ملائم و تر ‖ دانہ پستا ہے ان میں آکر
لوہے کے چنے کہاں سے لائیں ‖ سختی کا انہیں مزا چکھائیں
اس قید میں جب کہ یہ زباں ہے ‖ آزادی گفتگو کہاں ہے

باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل
مرضی تھی خدائے جسم و جاں کی
دل میں جو آئے بک نہ جاؤ
دریائے خیال موج زن ہے
ہے شارع عام حق و باطل
گذرے جو خیال بد بلا کد
باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو
خاموش بس اے زبان خامہ
ہر چند یہ عالم سخن ہے
ہر گوشے میں وسعت فلک ہے
ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
ہر برگ گل سخن میں سو رنگ
نیرنگ ایسے کہ عقل حیراں
ہر سمت ہزار میکدے ہیں
ہر خم میں شراب ارغوانی
اک قطرہ سے طبع ہو جو ممتاز
وہ راز کہ دل ہو محو مستی
ہو طول جو سلسلہ سخن کا
پر طول بیاں سے فائدہ کیا
بس بس اب روک لے زباں کو
ہو کر آمادہ جان و دل سے

لازم ہے سمجھ لیں اس سے عاقل
محدود ہوں شوخیاں زباں کی
ہشیار چلو۔ بہک نہ جاؤ
وقف یزداں و اہرمن ہے
ناظر اس کی ہے فکر عاقل
بازوئے خرد سے بس کرو رد
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو
منظور نظر ہے ختم نامہ
یاں فیض ازل ضیا فگن ہے
ہر ذرّہ میں مہر کی چمک ہے
اِک اِک میں گل سخن ہزاروں
ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ
حیرت ایسی کہ نور عرفاں
ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں
یعنی رنگینیٔ معانی
سینہ بن جائے مخزن راز
مائل ہو سوئے سخن پرستی
ہمسر ہو زلف پر شکن کا
اس صرف زباں سے فائدہ کیا
کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو
ہو محو دعا زبان و دل سے

جب تک ہے رباعی عناصر
جب تک کہ یہ نظم بیت ہستی
جب تک ہے مسدس جوانب
جب تک کہ ہے روح کا لطیفہ
یہ پرچۂ دل فریب و زیبا
تحریک سے مس کو زر بنائے
ہر جامے میں لاجواب نکلے
ہو سوز دل یگانہ و غیر
جب تک کہ اثر ہے کاف و نوں کا
پروانہ اسے چراغ سمجھے
خورشید کا نور ہیں طرف ہو
اے حافظ و خالق اودھ پنچ
اپنی اپنی مراد پائیں
ہر مشتری بلند فطرت
محتاج ہو سیم کا نہ زر کا
احباب جو اس کے ہیں معاون
ظرافت و مصنف لطائف
سر سبز ہوں گلشن جہاں میں
رنگین طبعی سے گل کھلائیں
پیدا ہوں وہ گوہر مضامیں
بیساختہ بول اٹھیں سخنور

رنگینیٔ نقش لوح خاطر
موزوں ہے برائے خود پرستی
بُرہان مشارق و مغارب
انفاس کا ہر نفس وظیفہ
ہو مونس جان ناشکیبا
ٹھہرے تو دل کو گھر بنائے
ہر رنگ میں انتخاب نکلے
بن جائے چراغ کعبہ و دیر
مفتوں ہو ہر ایک اس فسوں کا
بلبل دیکھے تو باغ سمجھے
ذرّوں کی کشش اسی طرف ہو
خوشدل رہیں عاشق اودھ پنچ
دیکھیں جب دل کو شاد پائیں
پائے دور قمر میں رفعت
مورد ہو بلندیٔ نظر کا
عالی نشان نیک باطن
طبّاع و مصور کو الفت
خرّم پھریں باغ و بوستاں میں
چشم بدبیں کو خوں رلائیں
دریا کے ہو لب پہ شور تحسیں
اللہ رے طبع و فکر اکبر

(اودھ پنچ - سبحان اللہ سبحان اللہ

گفتمش تارک مذہب شوم و خوش باشم
منصبے چند ہوس دارم و انعامے چند
خلق را فائدہ نیست ازیں جنگ و جدال
یک دو عاہت دریں محفل و دشنامے چند
گفت خاموش کہ دین است مدار ملت
ترک ایں راہ مکن از پئے خود کامے چند
عیب مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

۱۹۰۷ء

برق کلیسا

رات اُس مس سے کلیسا میں ہوا میں جو دوچار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار
زلف پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قد رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید
آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبح درخشاں کہ ملک پیار کریں
گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سن کر جسے بلبل جھپکے
دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں
آتش حسن سے تقوے کو جلانے والی
بجلیاں لطف تبسم سے گرانے والی
پہلوئے حسن بیاں شوخیٔ تقریر میں غرق
ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق
بس گیا لوٹ گیا۔ دل میں سکت ہی نہ رہی
سر تھے تمکین کی جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی
ضبط کے عزم کا اُس وقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا
عرض کی میں نے کہ اے گلشن فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار
تو اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے
شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی
غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے
لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں توپ سے اُڑ جاتے ہیں
گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں
پائیں سامان اقامت تو قیامت ڈھائیں
مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ یہ ہیں نیک نہاد
ہے ہنوز اُن کی رگوں میں اثر حکم جہاد
دشمن صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
کامیابی کی دل زار نے آہٹ پائی
عرض کی میں نے کہ اے لذت جاں راحت روح
اب زمانے پہ نہیں ہے اثر آدم و نوح
شجر طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں
اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف
ہم میں باقی نہیں اب خالد جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ
یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوش سپاہ
سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ
جوہر تیغ مجاہد ترے ابرو پہ نثار
نور ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار
اُٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحث بد و نیک
دو سلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک
موج کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
میں تو تہذیب میں ہوں پیر مغاں کا شاگرد
مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جاں نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلماں نہیں
جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحب فہم
تو نکالو دل نازک سے یہ شبہہ یہ وہم
میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

ڈال دے جان معانی میں وہ اُردو یہ ہے
کروٹیں لینے لگے طبع وہ پہلو یہ ہے

ایک بوڑھا نحیف و خستہ و زار
اک ضرورت سے جاتا تھا بازار
ضعف پیری سے خم ہوئی تھی کمر
راہ بیچارہ چلتا تھا جھک کر
چند لڑکوں کو اُس پہ آئی ہنسی
قد پہ پھبتی کمان کی سوجھی
کہا اک لڑکے نے یہ اُس سے کہ بول
تو نے کتنے کو لی کمان یہ مول

پیر مرد لطیف و دانشمند / ہنس کے کہنے لگا کہ اے فرزند
پہونچو گے میری عمر کو جس آن / مفت ملجائے گی تمھیں یہ کمان

میں نے اکبر سے کہا آیئے حجرے میں مرے / اس جگہ جائیں یہ نمازیں پڑھیں حسب دستور
چھوڑیے آپ یہ ہنگامۂ تعلیم جدید / کاٹ ہی دے گا کسی طرح خدا وند غفور
بولا جھنجھلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر / اسکی نسبت کہ میں کالج میں ہوں احمق مشہور

انگلش ڈرس انور کا جو کل بزم میں دیکھا / اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر / تبدیلی صورت کے رہے گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا / شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بیگانہ و وحشی ہوگی عزیزان وطن سے / بنگلے میں نہاں ہو گے کہیں چھوڑ کے گھر بار
فاتح ہے مساوات کی اُٹھیں گی اُمنگیں / وہ زیست جو آسان تھی ہو جائے گی دشوار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے / ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار
آخر کو رہو گے نہ اُدھر کے نہ اِدھر کے / انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار
انور نے کہا صَلِّ عَلیٰ واہ بہت خوب / شک اسمیں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
لیکن جو یہ تعمیم ہے حضرت کے سخن میں / اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہ گار
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی بُرے بھی / وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جسمیں ہوں ابرار
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور / اسکے بھی بجا ہونے کا مجھ کو نہیں اقرار
باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا تعلق / فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہوگا نہ زنہار
اوضاع زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے / رُکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
ہے جس کو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور / ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی دُرستی / یا ہیٹ ہو اور کوٹ ہو یا جبہ و دستار
شبہ ہو مرے اس قول کی صحت میں اگر ہو / سُن لیجیے سعدی کا یہ ارشاد گہر بار

حاجت بہ کلاہ برکی داشتنت نیست / درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

سنہ ۱۸۹۵ء

بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستاں ہوکر / عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہوکر
بچھا فرش زمرد اہتمام سبزۂ تر میں / چلی مستانہ وش باد صبا عنبر فشاں ہوکر
عروج نشۂ نشوونما سے ڈالیاں جھومیں / ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہوکر
بلائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے / ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگیں تاباں ہوکر
جوانان چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا / کسی نے یاسمن ہوکر کسی نے ارغواں ہوکر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستاں میں / صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگ اذاں ہوکر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو / ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہوکر
زبان برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں / خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہوکر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہوکر

قطعہ

میں نے کہا بہت سی زبانیں ہوں جانتا / مدت تک امتحاں دئے امتحان پر
جرمن۔ فرنچ۔ لیٹن و انگلش پہ ہے عبور / ثابت مرا کمال ہے سارے جہان پر
اک شوخ طبع مس نے دکھائی زباں مجھے / بجلی تھی ابر میں کہ قمر آسمان پر
بولی رہو گے زیست کی لذت سے بیخبر / قدرت نہ پائی تم نے اگر اس زبان پر

ہوئی جو مجھ سے یہ فرمائش بت طناز / کہ فن شعر میں تو آج ہے بہت ممتاز
لگادے اسپہ کوئی مصرعہ حسین و نفیس / زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز
کہا یہ میں نے کہ ہے قید حُسن و خوبی کی / تو سن یہ شعر نشاط آور و نگاہ نواز
پہن لے سایہ مری جاں اُتار کر یشواز / زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

ناخوش جو ہوا ہیں اپنی بے قدری پر
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف

اک ناز سے مسکرا کے بولی وہ مس
افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبرؔ
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کہا مجنوں سے یہ لیلی کی ماں نے
تو فوراً بیاہ دوں لیلے کو تجھ سے
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی
دل اپنا خوں کرنے کو ہوں موجود
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلی

مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
کیا ہے میں نے جسکو زیب قرطاس
کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم۔ اے۔ پاس
بلا دقت میں بنجاؤں تری ساس
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
مجھے سمجھا ہے کوئی ہرحنداس
نہیں منظور مغز سر کا آماس
تو استعفا مرا با حسرت و یاس

اگرچہ پولیٹکل بحث میں ہوئے ہیں شریک
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس میں
رموز مملکت خویش خسرواں دانند

جناب پنڈت جے چند و بابو آشوتوش
سمجھا گئے ہیں یہ مضمون سید ذی ہوش
گدلے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
کوئی کہتا ہے کہ بس اسنے بگاڑی نسل قوم
دلمیں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو

اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش
سوپ و کاری کے مزے لو۔ چھوڑ کر یخنی و آش

لیڈیوں سے ملکے دیکھو اُن کے انداز و طریق
بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم
جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا
سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش جادو نظر
اسکی چتون سحر آگیں اسکی باتیں دل رُبا
وہ فروغ آتش رخ جس کے آگے آفتاب
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برق بلا
دونوں جانب تھا رگوں میں جوش خون فتنہ زا
بار بار آتا ہے اکبرؔ میرے دل میں یہ خیال

ہال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو اُنسے تاش
ایشیا کے شیشۂ تقوی کو کر دو پاش پاش
جس سے تھا دلکی حرارت کو سراسر انتعاش
یاں جوانی کی امنگ اور انکو عاشق کی تلاش
چال اسکی فتنہ خیز اسکی نگاہیں برق پاش
اسطرح جیسے کہ پیش شمع پروانے کی لاش
دست سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش
دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش
حضرت سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۲۷۔ اگست ۱۸۹۱ء مقام کانپور

بٹھائی جائیں گی پردے میں بیبیاں کبتک
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
میاں سے بی بی ہیں پردا ہے انکو فرض مگر
طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں
عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں
جو منہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس

بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کبتک
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کبتک
میاں کا علم ہی اُٹھا تو پھر میاں کبتک
یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کبتک
سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کبتک
چھپیں گی حضرت حوا کی بیٹیاں کبتک

جناب حضرت اکبرؔ ہیں حامی پردہ
مگر وہ کبتک اور انکی رباعیاں کبتک

وہ سودی نجنگوڑے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اک تمبیال

بفرمایش دختر باتمیز — کہ رکھتا تھا جسکو وہ دل سے عزیز
لکھی اسنے یہ نظم اک لاجواب — دکھائی ہے شکل روانیٔ آب
جو بہتا ہے پانی میاں لوڈور — اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے — مقفےٰ کیے ان کے سب سلسلے
یہ جمعیت افعال کی خوب کی — کہ درسی بھی ہو اور دلچسپ بھی
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانی دریائے فکر — کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہے نہیں ان کی اس پر نظر — کجا میں کجا سودی نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق — ادھر تو ہے یہ کچھ اور یہ طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط
موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں — مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں
جو تھیں وقتیں کہہ چکا برملا — غرض دیکھیے اب یہ پانی چلا
اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
یہ بنتا ہوا اور وہ تنتا ہوا — ٹپکتا ہوا اور چھنتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں کے روزن زمیں کے مسام — یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام
ادھر پھولتا اور پچکتا ادھر — رخ اس سمت کرتا کھسکتا ادھر
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا — وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا — یہ لہروں کو باہم گنجاتا ہوا
ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا — ادھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا — بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں متوج کا راگ — وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا — تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
ادھر گونجتا گنگناتا ہوا — ادھر خود بخود بھنبھناتا ہوا
لپٹتا ہوا اور چمٹتا ہوا — یہ پھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
سماتا ہوا اور پلٹتا ہوا — سرکتا ہوا اور ملتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا — اترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا — دباتا ہوا اور بچتا ہوا
پھسلتا ہوا ڈگمگاتا ہوا — لچکتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا
وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا — وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہوا — ہر اک سے برابر الجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا — ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
لرزتا ہوا تلملاتا ہوا — بلکتا ہوا بلبلاتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا — نشیبوں میں بھرتا بھراتا ہوا
اچکتا ہوا اور اڑتا ہوا — اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا — زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا — وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا — وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا ڈنڈناتا ہوا
امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا

چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا
سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا

ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا
حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا

تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا
شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا

یونہیں الغرض ہے یہ پانی رواں
بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

وہ سودے کا سیلاب آب لوڈور
یہ بحر خیالات اکبر کا زور

برق و بخارات کا زور اے حلیم
کب ہے پئے روح رہ مستقیم

تار پہ جاتے نہیں اہل نظر
ریل سے کھنچتا نہیں قلب سلیم

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی روح
بے علم ہے اگر تو وہ انساں ہے ناتمام

بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم
نیچر کا اقتضا ہے رہے بن کے وہ غلام

تعلیم اگر نہیں ہے زمانہ کے حسب حال
پھر کیا امید دولت و آرام و احترام

سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا
ڈالی بنائے مدرسہ لیکر خدا کا نام

صدمے اٹھائے رنج سہے گالیاں سہیں
لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام

دکھلا دیا زمانہ کو زور دل و دماغ
تبلا دیا کہ کرتے ہیں یوں کرنیوالے کام

نیت جو تھی بخیر تو برکت خدا نے دی
کالج ہوا درست بصد شان و احتشام

سرمایہ میں کمی تھی سہارا کوئی نہ تھا
سید کا دل تھا درپئے تکمیل انتظام

آخر اٹھا سفر کو وہ مرد خجستہ پے
احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام

قسمت کی رہبری سے ملی منزل مراد
فرماں روائے ملک دکن کو کیا سلام

حالت دکھائی اور ضرورت بیاں کی
خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام

رحم آگیا حضور کو حالت پہ قوم کی
پھر کیا تھا موجزن ہوا دریائے فیض عام

لہ اصل کھو گئی ہے لڑکوں کی غلط نقلوں سے بعض اجزا مبہم ہو گئے انسے یہ نقل لکھی گئی۔ ۲۶ دسمبر ۱۸۹۱ء

ماہانہ دو ہزار کیا ایک ہزار سے
امید سے زیادہ عطا کی یہ لا کلام

اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں
تا حشر اس رئیس و ریاست کو ہو قیام

کیا وقت پر ہوئی ہے کہ بے احتیاج فکر
تاریخ اپنی آپ ہے فیاضی نظام
۱۸۹۲ء

کہا کسی نے یہ سید سے آپ اے حضرت
نہ آپ عالم برزخ سے مانگتے ہیں مدد
نظر تو کیجئے اس بات پر جو ہیں ہندو
بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے
کرسچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے
خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیان پاکیزہ
وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیان کرام
مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے
پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ
جواب انھوں نے دیا ہم ہیں پیرو قرآن
سند ہماری ہے ایاک نستعین اید دست
اسی کا نام زباں پر ہے حی اور قیوم
یہ بوٹے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ
جواب حضرت سید کا خوب ہے اکبر
ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر

نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں
نہ فاتحے کے طریق ادا کو مانتے ہیں
بہ صد خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں
وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں
بدل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں
وہ اہل بیت کو اہل عبا کو مانتے ہیں
فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں
کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں
نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں
ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں
اسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہیں
اسی کی قدرت بے انتہا کو مانتے ہیں
تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں
ہم انکے قول درست و بجا کو مانتے ہیں
خدا کو اور نہ طریق دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف نوٹ فرماں روا کو مانتے ہیں

پوچھا پروانے سے کہ اے ناداں
آگ میں گر کے کیوں گنواتا ہے جاں

لہ سید صاحب نے انسٹیٹوٹ گزٹ میں نظم مندرجۂ بالا کی تعریف چھاپی ہے۔

جل کے بولا کہ اے خرد دشمن
شعلے سے طالب وصال اچھا

سُن لے مجھ سے یہ معنیٔ روشن
یا اندھیرے میں پائمال اچھا

کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی
یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو
اک بات تعجب سے مگر میں نے سُنی تھی
اسپیچ ترقی میں تو آندھی ہے یہ فرقہ

ہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں
ہے نشو و نما پولٹیکل آب و ہوا میں
کل رات کو اک انجمن ذکر خدا میں
لگتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہر جان مر رہی ہیں
ادھر ہے قوم ضعیف و مسکیں ادھر ہیں کچھ مرشدان دیں ہیں
گئی رگ اتحاد ملت یہ ڈال ہوئیں خون دلکی ہو جیں
صدائے الحاد اُٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
قفس ہے کم ہمتی کا سیمیں پڑی ہیں کچھ دانہائے تزئیں
اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی پھیلی یہی بلا ہے
مگر وہاں کی بنا ہے نیشن یہ کاہے ملحد کا آپریشن
یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں ہی عزت لٹ رہی ہے

مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا اُبھر رہے ہیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں
ہم اسکو سمجھے ہیں آپ صاف نہار ہی ہیں نکھر رہے ہیں
دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گذر رہے ہیں
اسی پہ مائل ہے طبع شاہین نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں
خیال میٹر کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں
نہیں ہے گم لفظ سالویشن خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں
یہاں مساجد اجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جناب اکبر سے کوئی کہدے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

چو اشارہ کرد ناصح کہ بیا و شنو از من
گر امیر گبر بودہ بہ یہود عہد یاری
بجزائی عزیزاں ہمہ امتیاز جستن
نظرے فگند خشم بہ حقارتے بہ درویش
ہمہ اول تو دیدم ہمہ آخر تو دیدم

ہمہ طرز حیلہ جستن ہمہ فن ساز کردن
گر امین دیر بودہ بہ حرم نماز کردن
بمراد غیر بودہ ہمہ عیش و ناز کردن
کہ حرام باد ستے سوِ تو دراز کردن
نہ خوش است شرح احوال و بیان راز کردن

تو بہ خویشتن چہ کردی کہ باکنی نظیری
بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

کیا شک ہے آفتاب کے شان و جلال میں
لیکن نہیں وہ کچھ بھی موثر پس از غروب
ہر چند تم خیال کرو آفتاب کا
پوجو گے اس کو تب بھی وہ پھیرا نہ جائیگا
انساں کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی
کتنا ہی کوئی صاحب اوج کمال ہو
جب کر گیا جہاں سے وہ ملک عدم کو کوچ
قیوم و حیّ ذات ہے اللہ کی فقط
سُن لو کہ اتباع و ادب اور چیز ہے

روشن تر اس سے کونسی شے ہے خیال میں
لازم ہے غور کیجئے اس مسئلہ پہ خوب
گوشہ بھی اُٹھ سکیگا نہ شب کی نقاب کا
اُس کو پکارنے سے اندھیرا نہ جائیگا
تحقیق کی نظر جو کرو ٹھیک ہے یہی
کتنا ہی با اثر ہو کہ عالی خیال ہو
پھر اُس سے کچھ مدد کا تصور ہے ہیچ و لیچ
زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
مطلب کی لیکن اُن سے طلب اور چیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا

کر چکا کالج میں جب تکمیل فن
گو کہ شہرت ہے تمھاری دُور دُور
عرض کی میں نے کہ اے روشنضمیر
آپ نے سیکھا ہے اپنے باپ سے

تب یہ بولے مجھ سے مسٹر مارلین
مجھ سا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
ہے یہی تو جس کو روتا ہے بشیر
اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے

یہ طفل ناداں غریق غفلت ہوئے ہے ذلت میں تن رہے ہیں
بہار ہی سے کہ نہیں ہیں واقف خزاں کی ظلمونکو کیا وہ سمجھیں
نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے
یہ آخری صف میں اگلی والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے
رہے ہیں جو برگ و خس کے خوگر انھیں ہو کیوں خار انکا منظر

سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں
یہ داغ تو ہیں انھیں کی دلبر جو مجو رنگ چمن ہو رہے ہیں
اُنھیں کو کچھ حس ہے گردشونکا جو زیر چرخ کہن رہے ہیں
محل حسرت ہیں انکے سینے جو زینت انجمن رہے ہیں
نگاہ تو ہے انھیں کی مضطر جو بست شرر دشمن رہے ہیں

بہت خفا تھے مسائل دیں کہ ہو ہی ہو ہماری تو ہیں
اب انکو منطق منا رہی ہے وہ سر جھکائی ہیں سُن رہی ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کیطرح چھن رہے ہیں

مزے کا جشن تھا کل اک شراب خانے میں
کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلماں ہیں
وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

ہستی کے شجر میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ
کچے نہ رہو بلکہ کسی رنگ میں پک جاؤ
میں نے کہا قائل میں تصوف کا نہیں ہوں
کہنے لگے اس بزم میں آؤ تو تھرک جاؤ
میں نے کہا کچھ خوف کلکٹر کا نہیں ہے
کہنے لگے آجائیں ابھی وہ تو دبک جاؤ
میں نے کہا ورزش کی کوئی حد بھی ہے آخر
کہنے لگے بس اسکی یہی حد ہے کہ تھک جاؤ
میں نے کہا افکار سے پیچھا نہیں چھٹتا
کہنے لگے تم جانب میخانہ لپک جاؤ

میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے
کہنے لگے شعر اُسکے جو سُن لو تو پھڑک جاؤ

گر چکا ختم جب میں اسپینسر
مجھ پہ پڑنے لگی ہر اک کی نگاہ
پوچھا اُستاد نے کہ سمجھے بھی
ان دقائق نے دلمیں کی کچھ راہ
کہدیا میں نے اس کا کل مطلب
صاف ہے لا الٰہ الا اللہ

ماسٹر نے کہا تو کودن ہے
حق پکارا کہ واہ اکبر واہ

سنا کہ چند مسلماں جمع تھے یکجا
خدا پرست خوش اخلاق اور بلند نگاہ
کہا کسی نے یہ اُن سے کہ یہ تو بتلاؤ
تمھاری عزت و وقعت کا کس طرح ہے نباہ
نظر کرو طرف اقتدار اہل فرنگ
کہ انکے قبضہ میں ہے ملک و مال و گنج و سپاہ
اُنھیں کا سکہ ہے جاری یہاں سے لندن تک
اُنھیں کے زیر نگیں ہے ہر اک سفید و سیاہ

کلیس بنائی ہیں وہ وہ کہ دیکھ کر جنکو
زبان خلق سے بیساختہ نکلتی ہے واہ
تمھارے پاس بھی کچھ ہے کہ جسپہ تمکو ہے ناز
کہا اُنھوں نے کہ ہاں لا الٰہ الا اللہ

نہ وہ بک رہ گئے نہ سیر سید
دل احباب سے نکلتی ہے آہ
ذات محمود سے تسلی تھی
لی اُنھوں نے بھی آج خلد کی راہ
بولی عبرت کہ ہوش میں آؤ
اے حریفان شان و شوکت و جاہ
مٹ گیا نقش احمد و محمود
رہ گیا لا الٰہ الا اللہ

بنام ایڈیٹر رسالۂ ید بیضا

علم اسرار دل و حل معما داری
برتر از نظم دکن نظم ثریا داری
تو چہ حاجت بہ جمال سخن ما داری
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانوں میں اب تعلیم انگلش رک نہیں سکتی
کسی سے مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی
وہ نزلہ رک نہیں سکتا یہ پیچش رک نہیں سکتی
بڑے بوڑھے ہونگے لیکن یہ بھی خواہش رک نہیں سکتی

مذاق قوم بیگانہ ہوا اللہ اکبر سے
یہ نقش جانفزا مٹنے نہ پائے دل کے دفتر سے

اہل یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
چکھی سید نے ایک دن کاری
خانساماں نے کان میں یہ کہا
آپ تو علم سے نہیں عاری
پڑھیے کوئی دعائے اکل طعام
دین سے بھی رہے وفاداری
تب یہ اشعار حضرت سعدی
ہوئے اُن کی زباں پر جاری
اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں[1] را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

[1] مطلب یہ کہ ہم کیوں نہ ٹنگ، ادرکاری وغیرہ مقتبس ہوٹل میں کھائیں ۱۲

نظم مذہبی حسب فرمائش اڈیٹر دکن ریویو برائے نیشنل انتھم شروع ۱۹۰۷ء

جو دل کرتے ہیں حق کی پاسبانی
سمجھتے ہیں جو قرآں کے معانی
خدا کا اُن پہ ہے لطف نہانی
سنا ہے میں نے یہ انکی زبانی

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

سرور قلب و حرز جاں ہے اسلام
جہاں میں باسر و ساماں ہے اسلام
معین شاہی و شاہاں ہے اسلام
ابھی تک حافظ ایماں ہے اسلام

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

مساجد میں وہی شور اذاں ہے
وہی جوش دل اسلامیاں ہے
وہی اللہ اکبر بر زباں ہے
وہی رت ہے وہی ابتک سماں ہے

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

دلوں میں ہے خدا کی یاد اب تک
بہت میں صاحب ارشاد اب تک
طبیعت ذکر سے ہے شاد اب تک
بہت ہیں باغ دیں آباد اب تک

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

عیاں ہے پرتو روئے محمدؐ
رواں ہیں قافلے سوئے محمدؐ
مشام جاں میں ہے بوئے محمدؐ
وہی ہے رونق کوئے محمدؐ

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

دلوں میں کیوں تمھارے ہے یہ خامی
ابھی تک یاد حق ہے دل کی حامی
نہیں فطرت میں کچھ بد انتظامی
سنو یہ نغمۂ اُستاد جامی

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

یہ برٹش سلطنت کے ہیں عواطف
تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف
کہ مذہب کی نہیں ہے وہ مخالف
کہ کہتی ہے نگاہ چشم عارف

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

رسول اللہ کو دُنیا نے مانا
نہیں اسلام سے خالی زمانا
زبانوں پر ہے اب تک وہ فسانہ
سنو اکبر کا یہ قومی ترانہ

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

خدا علی گڈھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے

لطیف و خوش وضع و چست و چالاک و صاف و پاکیزہ و شاد و خرم
طبیعتوں میں ہے انکی جودت دلوں میں انکے ہیں نیک ارادے

کمال محنت سے پڑھ رہے ہیں کمال غیرت سے بڑھ رہے ہیں
سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے

ہر اک ہے اُنمیں کا بیشک ایسا کہ آپ اُسے چاہتے ہیں جیسا
دکھائے محفل میں قد رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے

فقیر مانگے تو صاف کہدیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سارا یہ کل کھلا دے

بتوں سے انکو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ
تمام قوت ہے صرف خوانی نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے

نظر بھی آئے جو زلف پیچاں تو سمجھیں یہ کوئی بلا سی ہے
الکٹرک لائٹ اسکو سمجھیں جو برق وش کوئی مسکرا دے

نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنام تہذیب و درد مندی
یہ کہکے لیتے ہیں سب سے چندہ کہ ہیں جو تم دو تمھیں خدا دے

انھیں اسی بات پر یقیں ہے کہ بس یہی اصل کار دیں ہے
اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے

مکان کالج کے سب مکیں ہیں ابھی انھیں تجربہ نہیں ہے
خبر نہیں ہے کہ آگے چلکر ہے کیسی منزل ہے کیسی جادے

دلوں میں انکے ہے نور ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں
ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہو بجھادے

فریب دیکر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب
مٹا دے آخر کو وضع ملت نمود ذاتی کو گو بڑھادے

یہی بس اکبر کی التجا ہے جناب باری میں یہ دعا ہے
علوم و حکمت کا درس انکو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے

سنہ ۱۸۹۰ء

ترجمہ قول یکے از اکابر یورپ

یہ شیخ اکبر سے اتنا کیوں خفا ہے
یہ کیوں غیظ و غضب جور و جفا ہے
نہیں ہے اسمیں جھگڑے کی کوئی بات
یہ اک قول حکیم با صفا ہے
نہو مذہب میں جب زور حکومت
تو وہ کیا ہے فقط اک فلسفہ ہے

بلبل ہیں آج ہم چمنستان کمپ کے
پروانہ کل بنیں گے کلیسا کے لمپ کے
فکر بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی
اب پارک کا خیال ہے چرچے ہیں ہیٹ کے
رکھتے تھے جو بزرگ قدم پھونک پھونک کر
خوگر ہوئے ہیں لیپ کے اسٹک کے جمپ کے

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی خبط کوئی کج ہے
جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے
نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے
کوئی انمیں ہے جو ایسا کہ جو دون کی ہے لیتا
جو اسے بھی چھیڑ دیکھا تو وہ کمتر از کھرچ ہے
جو کہ آئے سیر لندن ہیں اسیر کبر و فیشن
جو یہیں گئے ہیں بن ٹھن انھیں اینڈ ہے گرج ہے
نہیں کوئی صاف سینہ بہم انمیں بھی ہے کینہ
یہ انھیں کہیں کمینہ وہ انھیں کہیں اپج ہے
کہیں میم کا ہے پھندا کوئی دخت رز کا بندہ
ہے پھر اس پہ ناز و خندہ کہ دل اسمیں کیا حرج ہے

باقی ہیں قومیں تجارت سے عروج
بس یہی ان کے لئے معراج ہے

ہے تجارت واقعی اک سلطنت
زور یورپ کو اسی کا آج ہے

لفظ تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے

تمہاری اصل خدا کا کلام واضح ہے
عبث یہ ولولۂ فضل قوم فاتح ہے
سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے
وہی ہے باعث عزت عمل جو صالح ہے

نہو جو مذہب و ملت کیساتھ ہمدردی
زمانہ صاف کہیگا کہ ہے یہ نامردی

انھیں کے واسطے ہے کاسرو زر زیبا ہے
انھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے
انھیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے
مرے لئے فقط امید حور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں
جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں

کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے
گلوں میں غیرت گلشن کی آمد آمد ہے
رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق
کہ نائب شہ لندن کی آمد آمد ہے
وہ ہوکے آتے ہیں قائم مقام قیصر ہند
ستاروں میں مہ روشن کی آمد آمد ہے
ہیں انکے ساتھ میں اتنے اکابر یورپ
کہ گویا دہلی میں لندن کی آمد آمد ہے
غرض یہ ہے کہ ہو تکمیل زینت و رونق
ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے
کمر بندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی
ادھر سے کرنل ادھر انجن کی آمد آمد ہے
دکھا رہے ہیں ہنرمند خواب مقناطیس
دلوں میں حالت رد رشن کی آمد آمد ہے
امنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے فراوانی
ہر ایک جنس کے خرمن کی آمد آمد ہے
ورود فوج ہے ہے زرق برق کا عالم
جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے
چمک ہے کرچ کی ہر سو گمک ہے توپوں کی
چھما چھم اور دنادن کی آمد آمد ہے
چہل پہل ہے امنگیں ہیں جوش مستی ہے
بہار عیش پہ جوبن کی آمد آمد ہے

جو پیر ہیں انھیں ہیں ولولے جوانی کے
جوان ہیں تو لڑکپن کی آمد آمد ہے

تمام مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا
معنان و شیخ و برہمن کی آمد آمد ہے

گرہ میں زر نہیں اور ٹیم ٹام لازم و فرض
اسی سبب سے مہاجن کی آمد آمد ہے

ابھارے رکھتا ہے اکبر کے دل کو فیضِ سخن
اگرچہ پیری و پنشن کی آمد آمد ہے

آمد اقبال پری

اقبال پری آئی جو انداز بدل کر
دنیا کی ہوا ساتھ ہوئی ساز بدل کر

غزل زبانی اقبال پری

ہوں ناز سے معمور حکومت سے بھری ہوں
زریں مراد امن ہے میں اقبال پری ہوں

ہر شعلہ مقابل مرے چہرے کے ہے بے نور
کہتا ہے کہ ہوں بھی تو چراغ سحری ہوں

ہر ڈھنگ سے دکھلاتی ہوں شان اپنی جہاں کو
ہر رنگ میں ہیں مست مئے جلوہ گری ہوں

انگلینڈ پہ ہوں سایہ فگن حکم خدا سے
شاہنشہ ایڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں

مبارکباد پنچ کی طرف سے

قوم انگلش کو یہ دربار مبارک ہووے
لارڈ کرزن سا یہ سردار مبارک ہووے

ہو مبارک شہ انگلینڈ کو تخت و دیہیم
مجھکو یہ طبع گہربار مبارک ہووے

نصیحت اخلاقی

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے

گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی
نازاں ہے اسپہ باپ تو ماں کو غرور ہے

خوش قسمتی کی اُس کو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے

اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اسکا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے

البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار
مائل ہے نیکیوں پہ برائی سے دور ہے

سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو
وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہے

برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا
اسمیں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے

انکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے معین ہے اہل شعور ہے

راضی ہے اُس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے باادب ہے عقیل و غیور ہے

رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبت بد سے نفور ہے

کسب کمال کی ہے شب و روز اسکو دھن
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے

لیکن جواں صفات کا مطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

نظم قومی حسب فرمائش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانوں بتاؤ تو تمھیں اپنی خبر کچھ ہے
تمھارے کیا مدارج ہو گئے اس پر نظر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اسکا اثر کچھ ہے
حریفوں کی تعلی باعث سوز جگر کچھ ہے
تمھیں معلوم ہے کچھ ہو گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمھیں نے فرق بتلایا تھا سب گندم و جو میں
تمھیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی تو میں
شرف پایا تھا تم نے امتیاز حق و باطل سے
مخالف بھی تمھاری قدردانی کرتی تھی دل سے

تمھاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمھاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئیں تھیں
تمھارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمھیں تم تھے زمانہ میں تمھاری داستانیں تھیں
غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمھارا اتفاق باہمی دیوار آہن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
تمھاری ہمتوں کا عرش اعظم پر نشیمن تھا
تمھارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی

طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نظر میں مظہر نور حقیقت ساری ہستی تھی

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری مظہر شان جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ ذوق ہنرمندی نہ شوق علم و فن باقی

نہ وہ حسن عمل باقی نہ اب وہ حسن ظن باقی
نہ دل میں ہے وہ جوش حب یاران وطن باقی

جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کو راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

غضب ہے حب اسلامی سے خالی سب کا سینا ہے
بس اپنی ہی غرض کیواسطے ہر اک کا جینا ہے

حسد ہے ناتواں بینی ہے بے مہری ہے کینا ہے
یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینا ہے

کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم بغیر ضعف الفت
جو باقی شاعروں میں ہے تو ہے وہ اک مرض الفت

میں تم سے کیا کہوں اسوقت دل پر کیا گذرتی ہے
طبیعت بات کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے

تصور دلمیں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
خلش سینے میں ایسی ہے کہ وہ بیچین کرتی ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو

اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

سخن معقول موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے
زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے

کلام خوش کلاماں رنگ بامعنی بدلتا ہے
مگر شوق عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے

توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو
کلام دلکش اکبر ہو یا مہدی کا لکچر ہو

ڈارون[1] صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے
اپنی حالت کے مطابق چاہیئے طرز عمل
اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں

میں نہ مانونگا کہ مورث آپ کے لنگور تھے
اس سے کیا ہوتا ہے دادا قیصر و فغفور تھے
پاس گو بیٹھے تھے لیکن انکے دل سے دور تھے

ہوائے الحاد زنگ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
ہمیں نے در اس ہوا پہ کھولا کیا اسے جب چپ کوئی بولا
نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزت قوم پر نظر ہے
جو بیٹھو خود ہو رند مشرب تو کیا جمے رنگ وعظ مذہب
کریں جو بیچین با خبر ہیں ہر جا نہیں ہے جو بیمار اسکا چارہ
جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اس پر بلا یہ طاری
ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
خدا کی ساعت ہیں انکی صدیاں یہ ان جیسی نہیں ہیں ہماری ہاں

جو بات بگڑی ہے بنے وہ کیونکر جو چلگئی ہے وہ چل رہی ہے
ہمیں ہے خود اب تردد اسکا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے
نہیں ہے سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے
قلوب قبطیاں کی تتبع میں ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے
ہمیں نے سمجھا ہے مہد اسکو اسی میں اب نسل مل رہی ہے
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہیں سنبھل رہی ہے
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
بلائیں آئیں ہیں دکھ اور آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبان اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے راز سوز حسرت
وہ شمع اسکو بیاں کرے گی جو گور سید پہ جل رہی ہے

بجا ہے جو میں نے انسے طریق عمل یہ وعظ
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اغراض جو آپ
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم

بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجئے
خالق کا شکر کیجئے آرام کیجئے
تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجئے

[1] اس حال کی تحقیق تصنیف علماء یورپ بالخصوص الثان کے باب میں لائق ملاحظہ ہے جسمیں ڈارون کی غلطی بیان کیگئی ہے۔ مصنف

یورپ میں پھر آئیے پیرس و لندن کو دیکھئے / تحقیق ملک کاشغر و شام کیجئے
ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن / خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجئے
پیران بیفروغ کا گل ہو چکا چراغ / ناحق نہ دل کو تابع اوہام کیجئے
رکھیئے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف / متروک قید جامۂ احرام کیجئے
الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے / ہر ملت و طریق کا اکرام کیجئے
رہیئے جہاں ہیں وسعت مشرب سے نیکنام / مجھ کو مرید ہندوؤں کو رام کیجئے
رکھیئے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر / دولت کو صرف کیجئے اور نام کیجئے
سامان جمع کیجئے کوٹھی بنائیے / باصد خلوص دعوت حکام کیجئے
آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے / تزئین طاق و سقف و در و بام کیجئے
یاران ہم مذاق سے ہم بزم ہوجیئے / موقع ملے تو شغل مے و جام کیجئے
چشم و لب بتاں سے بھی غافل نہ ہوجیئے / تکمیل شوق پستہ و بادام کیجئے
نظّارۂ انساں سے تر و تازہ رکھیئے آنکھ / تفریح پارک میں سحر و شام کیجئے
مذہب کا نام لیجئے عامل نہ ہوجیئے / جو متفق نہ ہو اسے بدنام کیجئے
طرز قدیم پر جو نظر آئیں مولوی / پبلک میں ان کو مورد الزام کیجئے
زنجیر فقہ توڑیئے کہہ کر خلاف شرع / مضمون لکھیئے دعوئے الہام کیجئے
ممنوع ہے تعدد ازدواج خاصکر / یوں گھوم پھر کے تنقیۂ عام کیجئے
قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور / اس امر میں بھی ضرور کوئی کام کیجئے
لڑکے نہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل / فکریں پئے وظیفہ و انعام کیجئے
تحصیل چندہ کیجئے لڑکوں کو بھیجکر / سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجئے
بے رونقی سے کاٹئے کیوں اپنی عمر کو / کیوں انتظار گردش ایام کیجئے
جو چاہیئے وہ کیجئے بس یہ ضرور ہے / ہر انجمن میں دعوئے اسلام کیجئے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے / مردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہوا اٹھ گئی / ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے
اس کا سبب نہیں ہے سوا اسکے اور کچھ / یعنی کہ اٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب / گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے
اسے کیوں ہوئی اس قدر کامیابی / کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان انکے / کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز / دیا ہمنے ہر صیغے کا امتحاں ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے / یہاں جتنی انگلش ہے سب بر زباں ہے
کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب / سنو مجھ سے جو رمز اس میں نہاں ہے
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سید سے نسبت / تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

طبع سمجھی کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے / زلف اس کی خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نافہم یہ عیار محل ہے نازک / اہل بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہے

دار داں آفت جاں حسن و جمال عجبے / چشم مست عجبے دار و خال عجبے
او بتاراج دلم مایل و من مایل او / او بہ فکر عجبے من بہ خیال عجبے

سنہ ۱۸۷۰ء کے ایک گمشدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ یاں کوئی شے رہ نہیں جاتی / وہ شوکت و شان جم و کے رہ نہیں جاتی
یورپ کی ترقی کا چمکتا ہے ستارا / توقیر عرب عظمت کسرے رہ نہیں جاتی
دلکش نظر آتا ہے بہت لفظ نومبر / تزئین رخ بہمن و دے رہ نہیں جاتی
گڈبائی کا غل مچتا ہے اطراف جہاں میں / تسلیم نہیں رہتی ہے جے رہ نہیں جاتی
عالم کو لبھاتی ہیں پیانو کی صدائیں / بلبل کے ترانوں میں وہ لے رہ نہیں جاتی
آہنگ طرب کیلئے چھڑتے ہیں نئے ساز / دم سازی احباب کو نے رہ نہیں جاتی

زندوں سے بدل جاتی ہیں ساقی کی نگاہیں
وہ گردش پیمانہ وہ مے رہ نہیں جاتی

ہوتی ہے بہت سخت یہ منزل مگر اکبر
ہمت ہو تو پھر ناشدنی رہ نہیں جاتی

مواقع خاص

سنہ ۱۹۰۷ء حسب فرمایش پنچ

زمزمہ اوج فلک پر ہی یہی ہر بَرڈ[1] کا
ہی یہی مفہوم رُوئے ارض پر ہر وَرڈ[2] کا
زینت گیتی ہے ملک اعظم برطانیہ
سکہ بیٹھا ہے دلوں میں حضرت اڈورڈ کا

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا
اب بھروسہ حضور پر نہ رہا
مجھ کو چھوڑا امام باڑے میں
پھو نچے خود نیچری اکھاڑے میں
جیب خالی پھرا کیا بندہ
لے گئے غیر اسقدر چندہ
راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا
کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا
بزم قومی میں میں شریک ہوا
جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا
آپ پر بار صرف ڈاڑھی ہے
یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہی
جب حکومت کرے خود اسکا ڈفنس
کیوں نہوں میں شریک کانفرنس
مجھ کو ہے شوق علم و دانش سے
کیوں میں رُکتا پھر اپنی خواہش سے
نہ ہو تسکین وہ جو یہ توضیح
تو میں کردونگا دوسری تشریح
مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف
دل میں آیا مرے یہ شعر لطیف
دفتر اعتراض سوختہ بہ
دہن او بہ چندہ دوختہ بہ
سُن رہے تھے سماع مولانا[3]
اسی حالت میں انتقال ہوا
واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت
عالم وجد میں وصال ہوا
ہزار و نہ صد و شش از جہاں رفت
بیاد یک ہزار و نہ صد و ہفت

ممدوح خاص و عام ہیں لالہ نہال چند
در اُنکے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہی بند

[1] طائر [2] لفظ [3] مولانا محمد حسین صاحب سنہ ۱۹۰۷ء

چندے وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت
لیکن دقیق و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام
حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس
تقریر رزنٹ بل پہ جو کی ملک بول اٹھا

سب کرتے ہیں مباحث قرآن و دید و ژند
اس وقت میں جناب ہی ہوتے ہیں دردمند
قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شبہ اگر زند
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

سنہ ۱۹۰۷ء آغاز تشریف آوری میں کہا گیا تھا

خلاف حق چو حریفان ز راہ میگردند
کرم است بہ ہندوستاں شہ کابل

ز فیض حکمت او رو براہ میگردند
بتاں بہ گرد حبیب اللہ میگردند

موت جلدی میری مشت استخواں کو سونگھ
یہ سمجھنا چاہیئے خالق نے جو صحت یہ دی

چونک اٹھا اکبر غرض خواب گراں سے او نگھ کر
پھر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی

بعلالت سنہ ۱۹۰۵ء

حضرت کی وفات سے ہی ہر اک دل ریش
کیا کیا صفتیں تھیں جمع انمیں اکبر

رکھتے تھے عزیز اُن کو بیگانہ و خویش
حافظ، حاجی، طبیب، عالم، درویش

طلعوا لنے چوں فرستادی ز راہ لطف و مہر
بسکہ شوق دعوت وا پیچ در دل داشتم
خادم خاص از پئے آوردنت رفتہ بریل
چوں شنیدم فسخ کردی عزم رفتی بید ریغ

جوش زد از دل سرور و لطفہا اندوختم
محفلے ترتیب دادم شمعہا افروختم
نصف شب در انتظارت دیدہ بر در دوختم
شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

سید جلال الدین طہرانی ایڈیٹر حبل المتین

تھا باعث الم مرض جانگزائے قوم
آخر اوڈھ نے کالج طبی بنا گیا

مدت سے سن رہے تھے علیگڈھ میں ہائے قوم
شکر خدا کہ ہو گئی پیدا دوائے قوم

ملال کا تو محل اے حضور کچھ بھی نہیں
برائے لطف و کرم لائیے یہاں تشریف

خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں
الہ آباد علی گڈھ سے دور کچھ بھی نہیں

سلہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی ۱۲

محبت آپ کی ہے میرے دل میں مستحکم
وہ امر آپ کی جانب سے ہیں یہ سمجھا تھا
بغدشن کے تصنع سے مجھے ساز نہیں
گو اب آزاد ہوں لیکن مری صحت ہے خراب
ڈپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اُس شملے میں
کہا مہدی نے بجائی تمکو کیوں اسکی جو حیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں
برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں

میں صاف لکھتا ہوں یہ مکر و زور کچھ بھی نہیں
یہ چاہیے کہئے کہ تجھ کو شعور کچھ بھی نہیں
ہوں جو بے شغل تو اکبر یہ کوئی راز نہیں
پر کھلے ہیں مگر اب طاقت پرواز نہیں
برہمن نے کہا یہ شاخ بیدا در ایسے گملے میں
تمھارے واسطے یہ کیا محل رشک غیرت ہے
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے ہیٹے ہیں
ابھی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں انکی گھاتیں ہیں

کہا مہدی نے ہمکو تم سے اپنے مطلب ہے
برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مضعف ہے

محبت ہو تو انکو امید اس کی یہاں کب ہے
کہا مہدی نے ہاں ان باتوں سے بندہ بھی واقف ہے

وفات سر سید مرحوم

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا

نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنیوالے میں

کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں

سنہ ۱۹۰۶ء

دیکھی جو نمائش چکا گو
اتنے میں اجل پکاری سر پر

دل نے کہا دین سے کہ بھاگو
بس ہو چکا خواب زیست جاگو

شروع سنہ میں مرے ڈگمگا دل تم اپنی ماں کو دیکھ چکی ہو
مجھی کو سمجھو تم اپنا قبلہ سر ادب کو ہمیں کرو خم

تو دیر پھر کیوں لگا رہی ہو یہ کیا تامل ہے کیوں کرو ہو
وہاں کے حرچو نہیں لطف کیا ہے جسے اٹھانیکو تم جھکے ہو

علم باری میں یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی

ورنہ ظاہر میں تو کچھ زیست کی امید نہ تھی

سنہ ۱۹۰۵ء میں مصنف کو باری سے تپ آئی تھی

مولوی محمد کرم صاحب تحصیلدار میجا ضلع الہ آباد ۳ر دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء

عمدہ مچھلی مسلم و خام ملی
تحفہ پایا مراد خدام ملی
ممنون کرم کیوں نہوں اے اکبر
وہ دام میں لائے مجھ کو بدام ملی

اک دوست ہمارے ہیں تپ انکو شدید آئی
جھیلا کئے بیماری مدت میں شفا پائی
لاہور کے جلسے میں شرکت کو ہیں اب جاتے
حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے
میں کہتا ہوں جلتے ہو لاہور بلا قوت
وہ اسکو سمجھتے ہیں لاحول و لا قوۃ
یہ میری غلط بندش وہ اُنکی غلط فہمی
میں حد سے بڑھا شاعر وہ حد سے سوا وہمی

آتا نہیں مجھ کو قبلہ قبلی
بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات
کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا
سمجھو اُس کو پلاؤ قلیا

شبلی کا قلم علم کی منزل پہ جا ہے
رفتار پہ آز کی قدم اُسکا تھما ہے
چمکی ہوئی ہے بزم سلف اسکے بیاں سے
روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلما ہے

یہ کیا سبب ہے جو رُک رُک کے جی بھر آتا ہے
یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھاتا ہے
یہ خون ہو گئی کیوں میرے دل کی رنگینی
یہ داغ دینے لگی کیوں چمن کی گل چینی
اُداس ہو گئی کیوں روح خانۂ تن سے
اُچاٹ ہو گئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے
بحمد اللہ کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے
ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے
علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا آیا
عزیز و دوست جو ہیں سبکو اس سے اک مسرت ہے
گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر
اکابر قوم کے خوش ہیں ہر اک کو فخر و عزت ہے
پئے تکمیل دانش قصد ہے اب ملک مغرب کا
مبارک ہو کہ لندن کا سفر ہے وقت رخصت ہے
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسۂ رخصت
حقیقت میں مبارک وقت ہے اور عمدہ ساعت ہے
بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے
یہی سب کی دعا اس دم بصد جوش طبیعت ہے

لہ ڈاکٹر سلیمان جونپوری۔ بیرسٹرایٹ لا ۱۲

زبان پر سب کے جاری ہے یہ شعر حضرت اکبر
کہ جن کی نظم پر نظم ثریا کو بھی حیرت ہے
عطا کر قسمت تصنیف سعدی یارب اس گل کو
پھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہو کر

گو دل بیتاب امید وطن پر شاد ہے
شاق لیکن فرقت منشی جگن پرشاد[لہ] ہے
سنہ ۱۹۰۲ء

خوش پھر رہی ہے خلق خدا صبح عید ہے
ہر سمت زیب و زینت دنیا کی دید ہے
ہے جشن تاجپوشی قیصر بھی آج ہی
یہ اتفاق باعث لطف مزید ہے
بازار دہر پُر ہے متاع سُرور سے
بامنفعت فروخت ہے دلکش خرید ہے
کشتہ ہے کوئی طرز مس خوش خرام کا
کوئی نگاہ ناز بُتاں کا شہید ہے
صوفی کی انجمن میں بھی شاہی کا ہے سماں
لطف نوائے مطرب و نذر مرید ہے
مست اپنے رنگ میں ہیں نئی روشنی کے دوست
اظہار جوش طبع بہ طرز جدید ہے
ڈالی کسی نے بھیجی ہے حکام کے حضور
بیتاب دل میں شوق صدور رسید ہے
جنکے سبوئے دل میں ہے کچھ مایۂ نشاط
اُس سے شراب طول امل کی کشید ہے
مجھ کو خموش دیکھ کے پوچھا یہ چرخ نے
تو بھی اس آب و رنگ سے کچھ مستفید ہے
میں نے کہا کہ حالت عشاق ہے کچھ اور
پروانہ ہو وفا کی یہ اُن سے بعید ہے
پیش نظر ہمارے ہے شام شب فراق
اس کی جو ہو سحر تو ہماری بھی عید ہے

لندن کو چھوڑ لڑکے اب ہند کی خبر لے
بنتی رہیں گی باتیں آباد گھر تو کر لے
راہ اپنی اب بدل دے بس پاس کر کے چل دے
اپنے وطن کا رُخ کر اور رخصت سفر لے
انگلش کی کر کے کاپی دنیا کی راہ پائی
دینی طریق میں بھی اپنے قدم کو دھر لے
نیچر پکارتا ہے ہے اصل نسل تیری
کہتی ہے ہسٹری بھی بس جا اور اپنا گھر لے
واپس نہیں جو آتا کیا منتظر ہے اس کا
ماں خستہ حال ہو لے بیچارہ باپ مر لے

لہ آگرہ سے تبدیلی کے وقت ۱۲

مغرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا بہت کچھ
پیرانِ مشرقی سے اب فیض کی نظر لے

میں بھی ہوں اک سخنور آ سن کلام اکبر
ان موتیوں سے آکر دامن کو اپنے بھر لے

کانفرنس احباب سے پُر ہے
سب کو یاد استاد کا گر ہے

جو صفت ہے وہ سالک دُر ہے
دلکش ہر اک سپیچ کا سُر ہے

قومی ترقی کی راہ دھا بیاری
نو سن تیل کی فکر سے طاری

بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
چندے کی تحصیل سے جاری

قوم پر غالب کورٹ کے عملے
پھر یہ چندہ کیونکر دم لے

عملے ٹھہرے پارک کے گملے
کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے

لائی ہیں سکھیاں بھر کر جھولی
رنگ میں ڈوبی ہو سب کی چولی

خوب کھلی ہے برج میں ہولی
سب نے زباں اس گیت پہ کھولی

شیخ کو الفت ہو گئی مِس کی
اگلی دنیا دھر سے کھِس کی

خوب پیے اب شوق سے وہسکی
بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے

جاڑوں کا موسم بھولے بھالے
چندہ دے کر پھنسنے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں
مدعیاں رونق دیں ہیں
واقفِ فن دہن سے نہیں ہیں

بعض نمود و نام کے خواہاں
کم ہیں فیض عام کے خواہاں
لیکن باہم برسرِ کیں ہیں
کم ہیں اُن میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے
مفت میں روپیہ کھونا کیا ہے

اِن باتوں سے ہونا کیا ہے
شور زمیں میں بونا کیا ہے

دیکھ کے اک باضابطہ بھیکی
آپ نے سب کی دولت ہپ کی

دنیا آپ کی جانب لپکی
بزم جمالی خالی گپ کی

یہ وادی ہے طور سے خالی
یہ جنت ہے حور سے خالی

یہ محفل ہے نور سے خالی
پاس سے خالی دور سے خالی

دیکھتا ہے اک عمر سے بندا
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندا

بس یہی باتیں اور یہی پھندا
لاؤ چندہ لاؤ چندا

سید کا جو عہد کشن تھا
حسبِ ضرورت طرزِ سخن تھا

اس سکے کا ٹھیک چلن تھا
وقت وہ اور تھا اور ہی رن تھا

بگڑا دیکھا بیٹا بھتیجا
دل کہتا ہے بات کو پی جا

ایک کا جہلم ایک کا تیجا
ساکت ہو و کھلا کے نتیجا

بھائیوں پر منھ آئے جانا
اگلا قصہ سنائے جانا

گائے گیت کو گائے جانا
اُترا ڈھول بجائے جانا

بیٹھے روتے ہیں جن کے لڑکے
دل میں یہی رہتے ہیں دھڑکے

دوڑتے ہیں بنگلوں پر تڑکے
مار نہ بیٹھے کوئی بگڑ کے

کیوں رنگ حق پوش میں آؤ
مذہب کے آغوش میں آؤ

غیرت پکڑو جوش میں آؤ
غافل بندو ہوش میں آؤ

ایک انگریز نے بات یہ کہدی
اُس بازی کی ہیں نے شہ دی

جس نے ترقی وہ دی پیڑی
کیسے سیّد کیسے مہدی

گرمیوں میں بچوں کو تھکانا
اور اُس پر یہ بات بنانا

شہروں شہروں بھیک منگانا
مفلس لڑکوں کا ہوگا ٹھکانا

آپ کہیں معیوب نہیں ہے

ہم کو تو مرغوب نہیں ہے

عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے
ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہی

اس سے بگڑتی ہی قومی حالت
کہتے ہو ہو گی جو یہ جمعیت
جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت
ہوگا میل بڑھے گی الفت

تڑپوگے جتنا جال کے اندر
کیا ہوا تیس ہی سال کے اندر
جال گھسے گا کھال کے اندر
غور کرو اس حال کے اندر

کام بہت ہیں لوکل و ذاتی
مفت میں بچوں کو کرکے براتی
ان کی فکر تو کی نہیں جاتی
قوم کی گاتے ہیں بھائی وفاتی

کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے
لیکن یہ ارشاد خرد ہی
دل میں ضد ہے نہ کوئی کد ہے
بھائی ہر شے کی اک حد ہی

آزادی کی بی کے برانڈی
گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی
آپ چلاتے ہیں ڈنڈا بازی
مکتب گرم ہے سرد ہی ہانڈی

بزم عزا میں کیوں نہو شرکت
صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نہ صحبت
جس سے ہو دل میں پیدا عبرت
قلب کو جس سے پہونچے فرحت

یہ بے معنی مجلس کیسی
یہ بے حکم کی آفس کیسی
یہ ناحق کی گھس گھس کیسی
بات یہ سٹرم پوئیس کیسی

ہوگیا عقل میں کون اضافہ
دیکھ لیا یاروں کا قیافہ
خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ
پایا بس خوش رنگ لفافہ

قوم سے اُس کی گاڑھی کمائی
اور وہ یوں بے سود گنوائی
آپ نے فقرہ دیکے اڑائی
شاہ لندن تیری دُہائی

دوڑاؤ تدبیر کے ریشے
صناعی کے چلاؤ تیشے
قوم میں پھیلیں فن اور پیشے
تاکہ کٹیں افلاس کے ریشے

تم ہو فکر جاہ میں اُلجھے
نافہموں کی واہ میں اُلجھے
شہرت و شان کی چاہ میں اُلجھے
دل کیوں کر اللہ میں اُلجھے

خالق کی توحید سکھاؤ
ملحد کی تردید سکھاؤ
عقبیٰ کی تمہید سکھاؤ
روحانی اُمید سکھاؤ

مذہب کی تعلیم زبانی
ملّا خود جو نہ ہو حقانی
طوطا مینا کی ہے کہانی
پھر تو مکتب ہے شیطانی

جب ہوں گرو جی خود البیلے
راہ پر آئیں کیونکر چیلے
خوب رچائیں میلے ٹھیلے
مندر میں کیوں جائیں اکیلے

اگوا خود جب حق سے ہو غافل
ساتھی کیوں نہ چلیں رہ باطل
دنیا ہی دنیا دل میں ہو داخل
کیونکر دین ہو اُن کو حاصل

جس نے خیمہ یہاں پر گاڑا
لیکن قوم کو کیوں ہے پچھاڑا
اُس کو مُبارک ہو یہ اکھاڑا
اس نغمے پہ گلا کیوں پھاڑا

عشرتی گھر کی محبت کا مزا بھُول گئے
پہونچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی
بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں وہاں
موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
کیسے کیسے دل نازک کو دکھایا تم نے
بخل ہے اہل وطن سے جو وفا میں تمکو
نقل مغرب کی ترنگ آئی تمھارے دل میں

کھا کے لندن کی ہوا عہد وفا بھُول گئے
کیک کو چکھ کے سوئیوں کا مزا بھُول گئے
سایۂ کفر پہ انور خدا بھُول گئے
چمن ہند کی پریوں کی ادا بھُول گئے
خبر فیصلۂ روز جزا بھُول گئے
کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھُول گئے
اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہی کیا بھُول گئے

کیا تعجب ہی جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جبکہ بوڑھے روش دین خدا بھُول گئے

بنام منشی نثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ

نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجیے
اس فصل میں جو بھیجیے بس آم بھیجیے

ایسے ضرور ہوں کہ انھیں رکھ کے کھا سکوں
پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجیے

معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈریس
سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجیے

ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں
تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجیے

مرثیہ

دھرم پور آج کیوں اس درجہ وقف حسرت و غم ہے
یہ کیا باعث کہ برپا ہر طرف اک شور ماتم ہے

الٰہی کیا قیامت آگئی ہے کیا یہ عالم ہے
کہ جسکو دیکھئے مغموم ہے باچشم پرنم ہے

یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگ ناگہانی پر
گری برق اجل بے وقت کسکی نوجوانی پر

کنور عبدالعزیز اک نوجواں ماں باپ کا پیارا
گل باغ ریاست اور ہر اک کی آنکھ کا تارا

اسے دور فلک نے ناگہاں تیر اجل مارا
کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا

تلاطم ہے ریاست میں عزیزوں کا جگر خوں ہے
ہوا خواہوں کو صدمہ ہے دل احباب محزوں ہے

تماشے دیکھتے ہیں آپ اس دنیائے فانی کے
ابھی ہر بات کل کی غلغلے تھے شادمانی کے

امنگیں تھیں مزے تھے ولولے تھے نوجوانی کے
عیاں تھے ہر طرف اسباب عیش و کامرانی کے

ابھی یہ دیکھئے آہ و بکا ہے شور و شیون ہے
جنازہ اٹھ رہا ہے اہتمام گور و مدفن ہے

رہو خاموش اکبر شور و فریاد و فغاں تا کے
یہ آہ آتشیں یہ قصۂ سوز نہاں تا کے

سمجھ لو خود تمھیں کب تک یہ غم کی داستاں تا کے
اگر سارا جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تا کے

اگر تاریخ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
رہو ساکت ملا دو صبر کو داغ جدائی سے

۲۹۲ ۱۰۲۳ ۱۳۱۵ھ

قصیدہ مبارکباد جشن جوبلی ملکہ معظمہ قیصر ہند دام اقبالہا
حسب ایمائے مسٹر ہاول صاحب جج ۱۸۸۷ع

زمانہ میں خوشی کا دور ہے عشرت کا ساماں ہے
برنگ گل ہر اک باغ جہاں میں آج خنداں ہے

کوئن وکٹوریہ کی جوبلی کی دھوم ہے ہر سو
ادھر ہے نغمۂ عشرت ادھر نور چراغاں ہے

جدھر دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحن گلشن میں
بھرا جوش مسرت سے ہر اک مرغ خوش الحاں ہے

بساں بوئے گل ہر اک ہے باہر اپنے جامے سے
نسیم گلشن عیش و مسرت عطر افشاں ہے

چمک کر ہو گیا زیر فلک رشک قمر ہر گھر
یہی غب ہے کہ جسکا نور رشک مہر تاباں ہے

فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتش بازیاں ہر سو
کواکب مضمحل ہیں دیدۂ افلاک حیراں ہے

کہیں ہے رقص کی محفل کہیں ہے جلسۂ دعوت
کہیں تصویر بنتی ہے کہیں شرح چراغاں ہے

کہیں خیرات خانے جاری ہوتے ہیں کہیں مکتب
کہیں تقسیم کپڑوں کی ہے یہ فصل زمستاں ہے

اثر جوش مسرت کا ہے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر
کوئی فرماں روا ہے یا کوئی کم مایہ دہقاں ہے

کوئی ہے محو آسایش کوئی مصروف آرایش
شگفتہ مثل گل چہرہ ہے دل شاداں و فرحاں ہے

تعجب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہل عالم کو
یہ حیرت کیا جو قیصر کا ہر اک دل سے ثنا خواں ہے

سر آرائی پنجاہ سالہ قیصر بخوبی سے
محل لطف باری ہے مقام شکر یزداں ہے

یہی ہندوستاں سب کہتے ہیں جنت نشاں جسکو
کوئن وکٹوریہ کے عہد میں رشک گلستاں ہے

بسر امن و اماں سے ناظر حال ریاست ہیں
ہری کھیتی زمینداروں کی ہے سرسبز دہقاں ہے

کمی بدلی کرے گر قطرہ افشانی میں کیا پروا
کہ فیض نہر داماں زمیں پر گوہر افشاں ہے

نظر سلطان کی ہے خاص تعلیم رعایا پر
اشاعت علم کی یہ ہے کہ سب کی عقل حیراں ہے

ہزاروں مدرسے قائم ہوئے ہیں سیکڑوں کالج
جہاں فکر ارسطو بھی بس اک طفل دبستاں ہے

جہاں چلتا نہ تھا کچھ زور واں اب ریل چلتی ہے
میسر خاکساروں کو بھی اب تخت سلیماں ہے

نہ کچھ کھٹکا ہے چوروں کا نہ قزاقوں کی ہے دہشت
رواں بے زحمت و خوف و خطر ہر سمت انساں ہے

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری / کہ سامان معیشت جنس دل سے بھی اب ارزاں ہے
طلسم تازہ دیکھا کارخانہ تار برقی کا / زبان تار پر وہ بات ہے جو دل میں پنہاں ہے
شب تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبال قیصر کا / کہ ہر ذرہ نگاہ دزد میں مہر درخشاں ہے
رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں / ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگہباں ہے
محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم / گرہ جو دل میں تھی وہ اب مثال در غلطاں ہے
پریس کو بھی ہے عہد ایس میں کامل آزادی / زبان خامۂ مضمون نگاران سیف براں ہے
توجہ ہے مفید عام کاموں کی طرف سب کی / کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے
شفاخانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو / پئے ہر رنج راحت ہے پئے ہر درد درماں ہے
خلوص صدق دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی / کہ یارب جبتلک گردش گردوں گرداں ہے
فروغ مہر سے جب تک ہے زینت عالم / نشاط انگیز جبتک انتظام باد و باراں ہے
دل اہل جہاں ہے جب تلک مرکز تمنا کا / ہوائے آرزو جبتک محیط قلب انساں ہے
خدا کے نام کی عزت ہے جبتک اہل دانش میں / تجلی علم کی جب تک چراغ راہ عرفاں ہے
ہماری حضرت قیصر رہیں اقبال و صحت سے / کہ جنکا آفتاب عدل اس کشور پہ تاباں ہے

خدائے عشرتی تم کو ہمیشہ شادماں رکھے / خلائق سے تمھیں خوش انکو تم مہرباں رکھے
کرے مملو تمھاری طبع کو رنگیں خیالی سے / تمھارے دفتر دل کو گلستاں بوستاں رکھے

ہند میں ہیں ہوں مرا نور نظر لندن میں ہے / سینہ پر غم ہے یاں لخت جگر لندن میں ہے

دفتر تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

آں نو نہال خوبی ماہ دو ہفتہ من / در نو بہار عمرش رفت از فضائے ہستی
پیمانۂ غم سرشار و بہ چشم کرد / رفتم سر مزارش در بیخودی و مستی
آہے ز دل کشیدم گفتم کہ اے مہ من / با ایں کمال و رفعت حیف است میل پستی

آخر چہ پیش آمد اے شمع محفل من / در گوشۂ نشستی وز انجمن گسستی
آخر چہ شد کہ رفتی اے رونق گلستاں / در موسم بہاراں رنگ چمن شکستی
اے برق وش چہ داری نسبت بگور تیرہ / اے شعلہ رو بخاک تربت چرا نشستی
اے خوش نگاہ واکن چشمان سحر آگیں / چیزے بگو بہ عاشق لبہا چرا بہ بستی
ناگہ ندائے از غیب آمد بگوش جانم / کاے بیخبر ز ایاں اے محو بت پرستی
آں را کہ شعلہ خوانی و آں را کہ برق دانی / آں جملہ بود رنگ نقش طلسم ہستی
آں رنگہا پرید و بویش بماند رازے / رازے کہ کس نداند در بند خود پرستی
عبرت کشود چشمم حیرت بہ ہوشم آورد / در سینہ دفن کردم جوش و خروش ہستی

تاریخ فوت گفتم در صنعت عجیبے
بوٹا بروں شد اکبر از گرد باغ ہستی
۲۰۹ ۲۰۹ ۷۰۲ ۱۲۹۳ء

بیکار ہے جگر ہے مضمحل گردہ ہے / جس دوست کو دیکھئے وہ افسردہ ہے
گو نبض زباں سے زندگی ہے ظاہر / دل کو جو ٹٹولئے تو وہ مردہ ہے

بہتر ہے یہی کہ اب علیگڑھ چلیے / رکیے نہ کسی کیواسطے بڑھ چلیے
جس فن کا ہو درس ہو جیئے اسمیں شریک / جو پیش آئے سبق اسے پڑھ چلیے

مہدی سا بزرگ صاحب جاہ تو ہے / سنجیدہ کلام کے لئے واہ تو ہے
منزل کا اگر پتہ نہیں ہے نہ سہی / دلکش روشیں ہیں دلکشا راہ تو ہے

یہ نظم ایک لمبی تمہید و تحسین کے ساتھ ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں چھاپی گئی میں نے پرائیوٹ خط لکھا تھا۔

مولانا سے کڑوی،

پھرے ایک مولوی صاحب جو کل دربار دہلی سے / یہ پوچھا میں نے کچھ لائے بھی تم سرکار دہلی سے

وہ بولے ہنس کے اے اکبر کہوں کیا تجھ سے حال اپنا
اسی مطلع سے بس کرتا ہوں اظہار خیال اپنا

ادھر سرخی مُڈ گلگو نکی تھی انڈے کی زردی تھی
ادھر ریش سپید اپنی تھی اور شدت سے سردی تھی

مولانا محو عشق یزدانی تھے
بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
بھولیں نہ کبھی انھیں محبان رسول
یعنی رجبی شریف کے بانی تھے

مقام آگرہ

ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں زینت[1] عباد جہاں
پختہ وضعی کے ہیں انداز دکھانے والے

للو پتو سے الگ اور زوائد سے بری
بس مصلے ہی یہ ہیں چھاؤنی چھانے والے

ساز پر ہاتھ پڑا اور ہوئے رخصت آپ
رہ گئے کھول کے منہ بین بجانے والے

انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب
رعب حاکم دل دنیا پہ بٹھانے والے

رنج کی جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ
اگلے اسلام کے ہیں یاد دلانے والے

دوستوں کیلئے بازو کا ہیں تعویذ جناب
رہزنوں کو یہ ہیں سولی پہ چڑھانے والے

شان اللہ کی ہیں برکت[2] و اسرار[3] و مجید[4]
انکے اخلاق کے قائل ہیں زمانے والے

فیض اُن کا سبب رونق عیش احباب
تاج زریں سر عشرت[5] پہ اُڑھانے والے

۱ خان بہادر مولانا شاہ محمد حسین صاحب (۲) مولوی برکت اللہ صاحب رئیس غازیپور۔ ۳ اسرار حسین خانصاحب مدار المہام ریاست بھوپال ۴ خان بہادر عبدالمجید خانصاحب مرحوم ۵ سید عشرت حسین ۱۲

متفرقات

الف

ترے پرتو سے ایجان جہاں ظلمت میں نور آیا
ترے فیض تجلی سے یہ ذرّوں میں شعور آیا

لطافت کو نہ چھوڑے رنگ تیری شادی و غم کا
ہنسی آئے تو پھولوں کی جو رونا ہو تو شبنم کا

ترا چہرہ ہے منظر چشم شوق نور عرفاں کا
ترا عشوہ ہے مصدر جلوہ ہائے فیض یزداں کا

شباب عمر نے کھویا طمع نے دین لیا
فلک نے ہمسے بڑی نعمتوں کو چھین لیا

ہوائے دے[1] بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مہ جبیں کا
نثار ہونگی وہ اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

تا چند پرسی ای خرد ایں از کجا دیں از کجا
تو از کجائی ایں بگو تا گویمت دیں از کجا

مزے سے زندگی کٹتی جو دل قابو میں آجاتا
مگر ایسا تو جب ہوتا کہ وہ پہلو میں آجاتا

مرتبہ اس سے بھی دنیا میں سوا ہو آپ کا
یاد رکھے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا

نہ ہو یاد خدا تو نور باطن ہو نہیں سکتا
نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا

بنگالی ہاتھ میں قلم لے تو کیا
مسلم جو مثال بزم جم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل
سو مرتبہ مر کے وہ جنم لے تو کیا

نہیں ہے رحم قاتل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا
کہاں ہے صبر اب دل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا

ہجوم بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

آپ کا برتاؤ موسم کے موافق تھا حضور
واقعی اسکے اثر سے دل بخوبی رنگ گیا

کدھر ہے رنگ مخالفت اب زمانہ بالاتفاق بدلا
خود اپنے نور نظر کو دیکھو نگاہ بدلی مذاق بدلا

تری ترچھی نظر سے ہم کو ڈر کیا
محبت کی تو پھر دل کیا جگر کیا

اک فلسفہ ہے تیغ کا اور اک سکوت کا
باقی جو ہے وہ تار ہے بس عنکبوت کا

۱ دے نام ماہ فارسی ۱۲

باہم شبِ وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھ کو پری کا شبہہ ہوا اُن کو بھوت کا

ہنگامِ نزع ہوش جو غائب ہوئے تو کیا
اس وقت وہ غرور سے تائب ہوئے تو کیا

مناسب ہے یہی دیر جو کچھ گذرے اُسے سہنا
نہ کچھ قصہ نہ جھگڑا نہ کچھ سننا نہ کچھ کہنا

تماشہ دیکھ اک بہرِ دیدۂ عبرت سے دنیا کا
اجل کی نیند جب آ جائے لحد میں جا کے سو رہنا

بُت نہ کہتے ہوں جسے ہے یہ ہمارا بندہ
ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا پیارا بندہ

اُنھیں غمزوں میں آساں ہے معانی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیاں مدعا کرنا

عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا
چشم بد دور آپ کو بجلی گرانا آگیا

سراسر جلوۂ حسنِ بتاں زلفِ لیلےٰ تھا
محل رشک اس بازار میں مجنوں کا سودا تھا

سمجھے تھے لوگ جسکو ہمارا اُنھیں کا تھا
کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارا اُنھیں کا تھا

اب سانس بھی نہ لیں گے دبائیں گلا وہ کیوں
ہمکو تو زندگی میں سہارا اُنھیں کا تھا

اُٹھنے دیا نہ کیوں مرے ذرّاتِ خاک کو
اے چرخ اوج پر تو ستارا اُنھیں کا تھا

آزادیوں کے شوق میں اُبھرا تھا دل اگر
اسکی خطا نہ تھی وہ اُبھارا اُنھیں کا تھا

خضر سمجھے ہو جسے غولِ بیابانی ہے
غلط اُمید کے جنگل میں تھکا ماریگا

جاں ستانی میں نہ چھوڑیگا دقیقہ باقی
دلستانی کے لئے لافِ وفا ماریگا

کفر ہے معنی میں تیرے لفظ ہی اسلام کا
نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا

کہتے ہیں مغلوب ہے اکبر خیالِ حور سے
کہدو یہ بہتر ہے جھوٹے بسکٹوں کی چور سے

راہِ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے
حیف لیلےٰ پہ جو آمادہ کاوش ہو جائے

وہ دست درازیوں سے کب ہے تائب
ہے حافظِ دیں پہ شمعِ فکرِ صائب

رخصت ہو جو علمِ دیں تو پھر دیں بھی جائے
گل ہو جو چراغ ابھی ہو پگڑی غائب

عفو کن یا رب اگر تقوے نہ ماند برقرار
دل بہ پہلو ہست و کارم باشباب افتادہ است

چراغِ دیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی دوست
اسی سے چشمِ بصیرت نے کہدیا ہمہ اوست

ہیں توسُ باغ میں مرے سہم بہت
سُنئے یہ خیال جسمیں ہے وہم بہت

قومی مجلس میں اب سخن فہم ہیں کم
دربار میں گو کہ ہیں گزٹ فہم بہت

دیکھ کاریگری حضرت سید اے شیخ
دیگئے لوح و مذہب میں کمانی کیطرح

بحرِ ہستی کا یہی دور چلا جاتا ہے
برف کی طرح جمے بہہ گئے پانی کی طرح

بھروسہ اُنپہ کرکے مجھ کو پچھتانا پڑا آخر
بڑا دعوے کیا تھا میں نے شرمانا پڑا آخر

ولولے اُٹھتے ہیں دل میں دیکھ کر انکا جلال
حوصلے ہوتے ہیں پست اُن کی نظر کو دیکھ کر

مقابل کفر کے تھی وہ نمود اسلام کی اکبر
مگر اب انقلابِ دہر سے باقی کہاں کافر

نصاریٰ قبلۂ مقصود ہیں ہندو ”برادر“ ہیں
زمینِ شعر میں بس رہ گئی زلفِ بتاں کافر

زن زمیں زر تو ہے فساد کا گھر
لیکن اتنا کہوں گا اے اکبر

زنِ منکوحۂ شریف و غریب
کیا عجب ہے کرے جو امن نصیب

ہو جو بس آمدِ زرِ تنخواہ
تو نہیں حاجتِ وکیل و گواہ

ہو جو تھوڑی سی باغ ہی کی زمیں
تو کلکٹر کا ڈر زیادہ نہیں

شرابِ دولت سے مست ہیں وہ قناعت سے ہم ہیں سرخوش
نہیں ہے کچھ باہمی تعلق وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

سخن شناس سے میں چاہتا ہوں دادِ سخن
خوشی کے واسطے کافی ہے مجھ کو واہ فقط

سوسائٹی نہیں ملتی کہ جس سے دل بہلے
جو کوئی مونس و ہمدم ہے اب تو آہ فقط

شرف ہے جیبۂ بیرسٹری سے جن کو یہاں
مقدموں ہی کی وہ دیکھتے ہیں راہ فقط

بیاضِ شعر سے مطلب نہیں کلرکوں کو
رجسٹروں ہی کو کرتے ہیں وہ سیاہ فقط

رزقِ ما یحتاج جب دیدے تجھے اللہ پاک
کر عبادت میں بسر اور سر کو رکھ بالائے خاک

پالسی مسلم کی دیکھی اور ہندو کی ترنگ
اُسمیں ہے اکثر ریاکت یہ ہے اکثر خوفناک

بیٹھا رہا میں صبح سے اُس در پہ شام تک
افسوس ہے ہوا نہ میسر سلام تک

دلوں پہ مارتے جاتے ہیں چھاپہ شکسپیر
پڑھو گے حضرتِ سعدی کی بوستاں کب تک

تھیں سے اُٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ
اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار
تو پھر بقائے نقاب رُخ زناں کب تک
رہو گے منتظر مہر آسماں کب تک

نہ نرے اونٹ ہو نہ ہو بلڈاگ
چال ہے اعتدال کی اچھی
جس نے دیکھا ہوگیا عاشق
نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ
ساز حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ
واہ رے صورت واہ رے خالق

فیض کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق
وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر
امتحاں میں پیش نظر اور عاشقی بالائے طاق
کہتے ہیں رکھئے پرانی روشنی بالائے طاق

اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے راز دل
کیوں کرنے لگے وہ مجھ گدا سے باتیں
روشن نفس نہیں نہ ہو جس میں گداز دل
زوروں پہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں

میں سجدے میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ
یہی کافی ہے مجھ کو اہل ایماں باصفا سمجھیں
رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور دُرفشانی کی
کوئی کہتا نہیں سا ج ہوں فطرت کا ماہر ہوں
میں اپنے نوکروں کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں بنگلے میں
جو محو ہیں کبر فرزینت کے عقبیٰ اور خدا سے غافل ہیں
ممکن نہیں ہم ان کی کوئی بات ٹال دیں
طاعت حق پر وہ میلان دل قوم اب کہاں
پتا میرا یہی ہے منزل ہستی میں اے اکبر
بصارت نے کمی کی انحطاط عمر میں اکبر
مرے ساز سخن سے پست فطرت کو تنغص ہے
جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے

ہیں ٹیلوں میں وہ کرتے ہیں خدا سے باتیں
نہیں پروا منافق بد کہیں مرتد بُرا سمجھیں
میں اشک آنکھوں میں بھر لایا بلاغت اسکو کہتے ہیں
یہیں تک فخر کی حد ہے بس ڈپٹی ہوں میں ناظر ہوں
کوئی ہے۔ لاکھ کہیئے کون کہتا ہے کہ حاضر ہوں
ارباب بصیرت کے آگے حشرات الارض میں داخل ہیں
دیں حکم اگر تو سینہ سے دل کو نکال دیں
وہ نماز صبحدم خیر من النوم اب کہاں
مرید حضرت دل ہوں مقیم خانۂ تن ہوں
بصیرت ہے تو آنکھیں مجھسے آب آنکھیں چراتی ہیں
پیا نوبے سر انجھا گیا بزم شغالاں میں
جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں

ذی علم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہے طاری
افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں

چہرۂ یورپ کا میں پروانہ ہوں
شب میں پیدائش ہوئی ہے پیش شمع
جو حسرت دل ہے وہ نکلنے کی نہیں
یہ بھی ہے بہت کہ دل سنبھالے رہئے
حواس و فہم میں الجھے ہوئے ہیں
خدا تک ہے رسائی سخت دشوار
اُس کی ہر اک بات کا دیوانہ ہوں
جلوۂ خورشید سے بیگانہ ہوں
جو بات ہے کام کی وُہ چلنے کی نہیں
قومی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں
برات و سہم میں الجھے ہوئے ہیں
سب اپنے وہم میں الجھے ہوئے ہیں

سنہ ۱۸۷۵ء

دینی پہلو کو اے برادر دیکھو
نظم اکبر ہوئی ہے منقوش قلوب
کانٹوں سے ہو محترز گل تر دیکھو
آنکھیں ہوں اگر خدا کا دفتر دیکھو

قرآں سے واقف ہیں نہ انجیل کے پیرو
با ایں ہمہ ہے شوق ترقی میں تگ و دو

ادبار کے ہیں یہ دن اولو العزم نہ ہو
رونق محفل کی اب نہیں ہے مجھ سے
خدا رکھے سلامت اُس نظر کو
ہوتی ہے شکست مائل رزم نہ ہو
گوشے ہی میں بیٹھ عازم بزم نہ ہو
کہ جس نے سیم کو چھوڑا نہ زر کو

مرشد نے کہا اُٹھئے حضرت معنی نہیں صورت تو وہ ہو
گھر چھوڑ کے بیٹے بنگلے میں طاقت نہیں زینت تو وہ ہو
اُس نقش کی کر دو خانہ پُری تقدیر رہیگی پھر نہ بری
راس آئیگی تم کو بادہ خواری مجلس تو وہ ہو صحبت تو وہ ہو

تصدیق ادھر شوق اُدھر بالارادہ جھوٹھ
اس سے زیادہ مگر نہ اس سے زیادہ جھوٹھ
عارض نہ اُنکا گل ہے نہ دل میرا آئینہ
رنگین جھوٹھ وہ ہے اگر یہ ہے سادہ جھوٹھ

ہوا ہونہیں منحنی نہایت دبا رہا ہے فلک کا غمزہ
عرب تصرف کریں تو شاید الف کی صورت میں آئے ہمزہ

ملکی ترقیوں میں دوالے نکالئے
کافی ہے بہر شغل کلیسائے فکر رزق
پلٹن نہیں تو خیر رسالے نکالئے
اب دل سے مسجد اور شوالے نکالئے

سراسر نور تقوے سایہ پر قربان کرآئے
فرق کیا واعظ و عاشق میں بتائیں تم سے

یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زر کھو کے مس لائے
اُس کی حجت میں کٹی اسکی محبت میں کٹی

یہی فتوائے نیچر ہو کہ ہم بھی ہو رہیں انکے
ملا ئیں کس طرح سُر صدر پر نزلہ ہو مذہب کا
مگر قومی اطبا دور ہی کر دیں گے یہ نزلہ

زرا نکا زور اُنکا علم انکا سلطنت اُنکی
بہت اونچی سرونمیں بج رہی ہو اتبوگت اُنکی
تو ہی اطفال کو کرے گی آخر تربیت اُنکی

تھا شوق ادائے مطاب اک حُسن کیساتھ
دیوانہ تھی قوم عشق میں پریوں کے

اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی
بگڑی گئی اور غلام جنات بنی

جبتک ہو ہم میں قومی خصلت باقی
چالیس برس کی بات ہو شاید یہ

بیشک پردے کی ہو ضرورت باقی
بعد اسکے رہی گی پھر نہ حجت باقی

زاہد کی طبع دیکھ کے اُس بُت کو لچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دین میں دل کو چھپا لیا

وہ کیا تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی
وہ بھی کہاں بچا یہ کہو جاں بچ گئی

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکر شاعر
طبع مجنوں مری ہے عاشق ملت ایدوست

ذات سے اُنکی مخاطب نہیں فکر شاعر
کیوں روا رکھتا ہو ناحق مری ذلت ایدوست

رہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے

چل بسے گیسوئے لیلیٰ میں الجھنے والے

فتوئے کفر دنیا واعظ کی بے حسی ہے
یہ بزم ساقی عجب جگہ ہو کہ روح بیخود پڑی ہوئی ہو

یہ عشق بُت نہیں ہو اکبر کی پالسی ہے
حواس منطق کی عقل گم ہو دلیل حیران کھڑی ہوئی ہو

خبر دل کی مس دل خواہ جانے
رہی اب عاقبت کی بحث اکبر

خبر ایمان کی حبّ جاہ جانے
تو اس کا حال تو اللہ جانے

شوق شہرت بھی بُرا زر کی بری جاہ بھی ہو
ہاں مگر حُسن بت زہرہ جبیں آفت دیں

نفرت انگیز نظر میں ہوس جاہ بھی ہو
اس سے مجبور تو یہ بندۂ درگاہ بھی ہو

کمال شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہو
حُسن نور شمع ہر محفل میں ہر شب ہو وہی

کہ حسن خود ہی ہے عاقل اشارہ کافی ہو
موسم باراں میں لیکن کثرت پروانہ ہے

بہ چشم غور دیکھو بلبل و پروانہ کی حالت
وہ پھنستی ہو قفس میں اور اسکا نام روشن ہو

وہ اپنے پیچیں دیا کرتی ہو اور وہ جان دیتا ہو
ہوا پر خمیۂ معنی کو اکبر تان دیتا ہو

حالت پہلی سی اب کہاں میری ہو
سینہ میرا ہے دل نہیں ہو میرا

حیرت انگیز داستاں میری ہے
میری نہیں بات گو زباں میری ہو

واعظ کا دل بھی سوز محبت سے گرم ہو
اُڑائی خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر

چپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہو
خدا کو مان کو جو دیں وہی اہل کرم اچھے

فیض حضرت بہر نمط ہوتا ہے
ہر امر غلط کی ہوتی ہو یاں تصحیح

دل کو میرے حظ نہیں فقط ہوتا ہو
اور لطف یہ ہو کہ غم غلط ہوتا ہو

میں نے اکبر سا بھی وہمی نہیں دیکھا کوئی

کہتا ہو ان کی کمر مجھ کو نظر آتی ہو

مایوس کر رہا ہو نئی روشنی کا رنگ
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ

اسکا نہ کچھ ادب ہو نہ کچھ اعتبار ہو
یعنی نہ نور دل ہو نہ شمع مزار ہو

بوڑھے ہوے کتاب سے بوس و کنار ہو
اپنی جبیں سے چین کے مالک اگر ہو تم

اپنے لئے الف ہی بس اب قد یار ہے
میں بھی ہوں شاہ روس کہ دل میرا زار ہے

زندگی سے اب طبیعت سیر ہے
کون و مکاں ظہور جمال حضور ہے

موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے
غافل اسیر دام فریب شعور ہے

یا امٹیشن[1] کر صدقے چائے دودھ اور کھانڈ لے
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی

یا ایجیٹیشن[2] کے بدلے تو چلا جا مانڈلے
رزق کی کشتی کو کھے پتوار لے اور ڈانڈ لے

دنیا کی حرص و آز کا واعظ شہید ہو
جبتک رہو زندہ آرزومند رہے

گو پیر ہو گیا ہے مگر زن مرید ہو
جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہو

[1] Imitation نقل اتارنا
[2] Agitation مخالفانہ جوش

اب حشر میں خلد و نار کا ہے جھگڑا
دیکھیں یہ امید و بیم تا چند رہے

حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے
لیکن سرورِ قلب یہ قسمت کی بات ہے
آپس کی واہ واہ لیاقت کی بات ہے
سرکار کی قبول یہ حکمت کی بات ہے
وہ مخبر رقیب ہے میں ہوں شہید عشق
یہ اپنی اپنی ہمت و غیرت کی بات ہے
جاپان و روس سے نہیں کچھ واسطہ ہمیں
خرچ کی یاں تو بحث ہے تبت کی بات ہے
بی اے بھی پاس ہوں ملے بی بی بھی دلپسند
محنت کی ہے وہ بات یہ قسمت کی بات ہے
تہذیب مغربی میں ہیں بوسے تلک معاف
اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

بچانا نشۂ طول امل سے دل کا مشکل ہے
سرور بادۂ امید فردا آ ہی جاتا ہے

تان اس بت نے اڑائی ہمیں بلما بھولے
ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھولے
صنم ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر
غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلمیٰ بھولے

جان آ چکی ہے لب پر ہیں منتظر فنا کے
اب تک ہے واں تغافل قربان اس ادا کے
فغاں کرنے کا بھی یارا نہیں ہے
سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے

ہمنشیں ظلم بتاں پر چپ نہ رہنا چاہیے
بات جب کچھ بن نہ آئے شعر کہنا چاہیے
ہوا بد لگی ہے ایسی کچھ زمانے کی
دعائیں مانگتا ہوں ہوش میں نہ آنیکی
مجنوں کی پیاس کو بجھاتی
لیلیٰ یہ کچھ باؤلی نہیں تھی

عمر ۲۲ سال

طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی اسکی ٹھہری
دل مرا لے کے چلے آپ یہ اچھی ٹھہری
مشتاق تو ہستم کہ عزیزی و حبیبی
لیکن چہ تواں کرد کہ مہمان رقیبی

دست فلک سے ہند کی خلقت بہت پٹی
جو کچھ تھی اسکی عظمت و وقعت وہ سب مٹی
اس کی دوا قناعت و نیکی ہے بس فقط
ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونیورسٹی
باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی
اب میں ہوں اور عزلت اور عالم خموشی

اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر
سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمایش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقدار
پریاواں ضلع پرتاب گڈھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہوا جو خدا نے چاہا
عجب ہے تسلیم و صبر کی خو اگر نہ پیدا ہو لیں اب بھی
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادوں پہ تھا بھروسہ
عزیمتیں فسخ ہو گئیں جب عرفت ربی عرفت ربی

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی
نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل
عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی
ہوئی جو عمر انکی مجھ سے سنئے کہ بندہ میں ہے ایک باقی
عجب ہے ہجر کا اقتضا سمجھ جو رکھے نیت کو نیک باقی
موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی
اٹھ گیا دل دہر سے دولت نظر سے گر گئی
دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں ہے تمہید بری
کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری

فلسفہ حریف کا دین کا ہے عدو بنا
اسطرف ہے قید سخت اور ترا ہی نجینا
صبح و شام صدق سے کر دعا کہ ربنا
لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

متعلق بڑ کی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار
کیا جانئے کسکو اسنے اچھا سمجھا
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل
سرکار نے کس کو انہیں سچا سمجھا
بدبو مرے گھر نہ اے شرابی پھیلا
ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو
ہر دم ترے منہ سے نکلتا ہے مے لا
مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا
بنئے نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولو انسے ہرگز
ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا

اب حشر میں خلد و نار کا ہی جھگڑا دیکھیں یہ امید و بیم تا چند رہے

حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے لیکن سرِ در قلب یہ قسمت کی بات ہے
آپس کی واہ واہ لیاقت کی بات ہے سرکار کی قبول یہ حکمت کی بات ہے
وہ مخبر رقیب ہے میں ہوں شہید عشق یہ اپنی اپنی ہمت و غیرت کی بات ہے
جاپان و روس سے نہیں کچھ واسطہ ہمیں خرچ جی کی یاں تو بحث ہے تبت کی بات ہے
بی اے بھی پاس ہوں ملے بی بی بھی دلپسند محنت کی ہے وہ بات یہ قسمت کی بات ہے
تہذیب مغربی میں ہیں بوسے تلک معاف اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

بچانا نشۂ طول امل سے دل کا مشکل ہے سرور بادۂ اُمید فردا آ ہی جاتا ہے

تان اس بت نے اڑائی ہمیں بلما بھولے ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھولے
صنم ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلمیٰ بھولے

جان آ چکی ہے لب پر ہیں منتظر فنا کے اب تک ہے واں تغافل قربان اس ادا کے

فغاں کرنے کا بھی یارا نہیں ہے سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے

ہمنشیں ظلم بتاں پر چپ نہ رہنا چاہیئے بات جب کچھ بن نہ آئے شعر کہنا چاہیئے

ہوا بد لگ گئی ہے ایسی کچھ زمانے کی دعائیں مانگتا ہوں ہوش میں نہ آنے کی

مجنوں کی پیاس کو بجھاتی لیلیٰ پہ کچھ باؤلی نہیں تھی

عمر ۲۲ سال

طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی اسکی ٹھہری دل مرا لے کے چلے آپ یہ اچھی ٹھہری

مشتاق تو ہستم کہ عزیزی و حبیبی لیکن چہ تواں کرد کہ مہمان رقیبی

دست فلک سے ہند کی خلقت بہت بٹی جو کچھ تھی اسکی عظمت و وقعت وہ سب مٹی
اس کی دوا قناعت و نیکی ہے بس فقط ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونیورسٹی

باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی اب میں ہوں اور عزلت اور عالم خموشی

اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمایش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقدار
پریاواں ضلع پرتاب گڈھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہو جو خدا نے چاہا عجب ہے تسلیم و صبر کی خو اگر نہ پیدا ہو لمیں اب بھی
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادوں پہ تھا بھروسہ عزمتیں فسخ ہو گئیں جب عرفت ربی

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہی جمال دلکش پیدا طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی
نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی
ہوئی جو عمر اُنکی مجھ سی سنئے کہ بندہ میں ہے ایک باقی عجب ہے پیری کا اقتضا سے جو رکھے نیت کو نیک بانی
موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی اُٹھ گیا دل دھر سے دولت نظر سے گر گئی
دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں تمہید بری کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا اُمید بری

فلسفہ حریف کا دین کا ہے عدو بنا اسطرف ہے قید سخت اور ترا ہے بچینا
صبح و شام صدق سے کر دعا کہ ربنا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

متعلق بڑ کی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار کیا جانیے کسکو اُسنے اچھا سمجھا
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل سرکار نے کس کو انمیں سچا سمجھا

بدبو مرے گھر نہ اے شرابی پھیلا ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو ہر دم ترے منہ سے نکلتا ہے مے لا

مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا بنیئے نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولو انسے ہرگز ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا

پیچ مذہب کا کسی صاحب نے ڈھیلا کر دیا
سادہ طبعوں کو بھی بالآخر رنگیلا کر دیا

شوق پیدا کر دیا بنگلے کا اور پتلون کا
وہ مثل ہے مفلسی میں آٹا گیلا کر دیا

تھا بنارس پہلے ہی سے اک صنم رس میں بھرا
چشم مس اینی[1] نے اور اسکو رسیلا کر دیا

مرے نزدیک یہ پنجاب کا بلوا بھی برا
ساتھ ہی اسکے علی گڈھ کا یہ حلوا بھی برا

آپ اظہار وفا کیجئے تمکین کے ساتھ
لپٹ جانا بھی برا ناز کا جلوہ بھی برا

جب اپنے ہاتھ میں لی غیر نے عنان سمند
تو پھر سوار سے اکبر پیادہ ہی اچھا

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا
آپس ہی کے خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کیلئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

یہ قومی ترقی بھی ہے پریوں کا فسانہ
کانوں سے سنا سب مگر آنکھوں سے نہ دیکھا

اٹھاتا پڑتا تھا دن رات بار الفت خوباں
جوانی کیا تھی نیچر نے مجھے بیگار پکڑا تھا

اب ان قصوں کا کیا حاصل اب ان باتوں کا کیا رونا
یہی مرضی خدا کی تھی یہی قسمت میں تھا ہونا

کہاں کی دولت و ثروت کہاں کی عزت و حشمت
میسر ہیں تجھے دو روٹیاں بس گھر کا لے کونا

ہنگامۂ ترقی قومی کو دیکھکر
اور اک حال کے لئے میں ہو گیا کھڑا

کوئی ہوا نہ مجھ سے مخاطب وہاں مگر
چپکے سے میرے کان میں اک غیر نے کہا

اکثر وہی بزرگ ہیں جو ہیں پڑے ہوئے
با ہوش کم ہیں انکے بھی منہ ہیں سئے ہوئے

ہرگز کوئی کہے گا نہ اس انجمن کا راز
کیوں اپنے آپ کو ہو پریشاں کئے ہوئے

پہلے تھا قوم میں سب کچھ مگر اب کچھ نہ رہا
کسی شاعر نے ہے واللہ یہ کیا خوب کہا

شیخ کے پاس ہے اب صرف مصلّےٰ باقی
اور مرے پاس ہے اردوئے معلیٰ باقی

معانی قرآن کا پوچھ مزا
پڑھو لن یضروکم الا اذیٰ

نہ حرف شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا
ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا

خدا کے واسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
سنی باتوں کا کیا سننا کہی باتوں کا کیا کہنا

[1] یعنی مسز اینی بسنٹ صاحبہ ۱۲

کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا
قومی خصلت کا سر سے اٹھا سایا
کہتے تھے ولد کو لوگ سر لابیہ
سر للماسٹر کا اب وقت آیا

بڑھا پاتا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب
زمانے میں نیا یہ دور ہے ماہی مراتب کا

تیروں نے غم کے قلب کو کمبخت کر دیا
سوز دروں نے سینہ کو دم پخت کر دیا

طفل دل محو طلسم رنگ کالج ہو گیا
ذہن کو تپ آ گئی مذہب کو فالج ہو گیا

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

واہ اے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا
یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا
قوم کے عشق میں یہ سوز جگر کیا کہنا
ایک ہی دھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

قوم کا اوج ہو منظور خدا خواہ نہو
غیر ممکن ہے کہ دنیا میں ترئ آہ نہو

قوم کی تاریخ سے جو بیخبر ہو جائیگا
رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائیگا

بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا
لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا
قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم
ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال
بیج مغرب نے جو بویا وہ اگا اور پھل گیا

بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضموں لکھا
ملک میں مضموں نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

ساتھ انکے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا
بندر کی طرح اونٹ اچھل ہی نہیں سکتا

پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گرو جی
بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا

کیا شور و فغاں نے میری اسکو مضمحل کتنا
بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا

خواہش ایواں نہ شد و خط اسلام را
حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

جو پاس بھی ہو تو بعد مصیبت تو نفس میں کچھ نہیں فضیلت
اگر ہو طالب کمال کے تم تو چھوڑ دو امتحان اپنا

پیری سے کمر خم ہے تو فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجا

وسعت ہے در علم میں ہے راہ عمل بند
ہے صاف سڑک یار و لیکن ہے شکنجا

کیا کہوں اسکو میں بدبختی نیشن[1] کے سوا
اس کو آتا نہیں اب کچھ امیٹیشن[2] کے سوا

اسقدر تھا کھٹملوں کا چارپائی میں ہجوم
وصل کا دل سے مرے ارمان رخصت ہوگیا

لات دُنیا نے جو ماری بنگیا دیندار وہ
تھی بُری بٹھو کر مگر شیطان رخصت ہوگیا

مری تقریر کا اُس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

اگر باندھی بھی یاروں نے جو راہ حب قومی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ ٹولے تو نہیں چلتا

کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے جسمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

لطیف الطبع ساتھی چاہیئے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کارواں بو نہیں چلتا

درس تھا یکساں مگر وہ تو مسیحی ہی رہے
تجھ پہ مذہب کے عوض شیطان کا قابو ہوگیا

ایک ہی بوتل سے پی ہوٹل میں دونوں نے شراب
لطف مستی ان کو آیا اور تو الو ہوگیا

ہر قدم ان کا شہید لغزش مستانہ تھا
سر میں تھا سید کے قرآں زیر پا میخانہ تھا

تجھے انگلش سے جب موقع نہیں ہے گرمجوشی کا
تو پھر کیا لطف ہے اے ہمنفس اس بادہ نوشی کا

تکلف سے جواب اُسنے دیا سنکر کہ ای اکبر
ادا کرتا ہوں میں یہ حق فقط پتلون پوشی کا

چھوڑ کر رنج اپنے مٹنے کا
منتظر ہوں اب اُنکے پٹنے کا

سر سید کو فلک نے تننے نہ دیا
تہذیب کو پھر دوبارہ جمنے نہ دیا

ملت کی شکست میں مدد دی کامل
بننے لگی قوم جب تو بننے نہ دیا

گھر میں نہیں چرخ نے سنبھلنے نہ دیا
باہر کی طرف چلے تو چلنے نہ دیا

کالج نے بٹھادیا جو مانند شجر
کچھ پھول چلے تھے اُسنے پھلنے نہ دیا

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا

گلچیں ہیں ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی
اس نکتے کو کون سمجھے بندے کے سوا

رئیسوں کی اُپج ہے یہ ترانہ ہے نہ غلے کا
نہ یہ پودا ہے گلشن کا نہ یہ بوٹا ہے گملے کا

ہمارے حضرت شیخ مہذب کی ذہانت ہے
خدا اسمیں حجت دے یہ بھی اک طرہ ہے شملے کا

[1] قوم National [2] Imitation نقل اُتارنا [3] یعنی رقیبوں کے

دل چھوڑ کر زباں کے پہلو پہ آپڑے
ہم لوگ شاعری سے بہت دور جا پڑے

معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زباں کا
انجم نہوں تو لطف نہیں آسماں کا

ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب
بیگانوں کیواسطے ہے اک حد ادب

ممکن ہو اگر تو اسکو قائم رکھو
عزت کے نشان اور مٹ گئے سب

پنڈت نے خوب بات کہی جوش طبع میں
ناحق گذشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ

پتھر کے بدلے اب تو دھرم[1] ٹوٹنے لگا
محمود بُت شکن تھا برہمن شکن ہیں آپ

محتاج در وکیل و مختار ہیں آپ
سارے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ

آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار
معلوم ہوا اشے مجھے زمیندار ہیں آپ

جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت
ہر سر میں سمائی خودسری کی قوت

اطفال کو ناز ہے مگر قومی آنکھ
روتی ہے کہ ہے یہ خودکشی کی قوت

حاضر ہوا میں خدمت سید میں ایک رات
افسوس ہے کہ ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات

بولے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے
میں چلدیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے

مہمان آگئے تو اُس کو گھیر تو بہت
اُسکی راہوں نے اُس کو پھیر نہ بہت

مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں
بھائی مجھے میرا حصہ دے تو بہت

عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت
نیچر نے سکھا کے کردیا جسم کو مات

اب تک ہے مگر وہی ہوس حضرت کی
ہے طول امل ہنوز شیطان کی آنت

عزیزوں کی اعانت کم بزرگوں کا ادب رخصت
جو دل بدلا تو سب بدلا خدا رخصت تو سب رخصت

ڈیلی گیٹوں نے جو شملے میں بہم کی ہے صلاح
بعد عمدہ کھانیکے ایسی ڈکاریں ہیں مباح

سنٹرل بھی ہو کمیٹی اور پراونشل بھی ہو
حامی پبلک بھی ہو رُخ جانب کونسل بھی ہو

بابوؤں کی طرح لیکن غل سے کچھ مطلب نہو
کردیں بس توضیح جزو و کل سے کچھ مطلب نہو

ولولے ایسے نہیں محتاج کچھ تصریح کے
کیوں نہ ہو دانے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے

[1] ہمیں ٹوٹنے لگے ۱۲

گنڈے اب قومی گلے کا ہار ہو جائینگے یہ
پالیسی کے طرۂ دستار ہو جائینگے یہ

بحث ملکی میں تو پڑنا ہے نری دیوانگی
پالسی اُن کی رہے قائم ہماری دل لگی

ہم یہ کہتے ہیں کرو جو استخارہ راہ دے
تم فقط پتلے بنا سکتے ہو جان اللہ دے

طفل مکتب کہ سخنہا ز زباں میگوید
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت وچناں میگوید

طبع او فونوگراف است وبرو دش سبقش
آنچہ بستند برو نقش ہماں میگوید

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند

ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش
یورپ کیلئے بس ایک گودام ہے ہند

گفتم ایران را بسر جنگ نہ ماند
آں مردی وآں ہوا وآں رنگ نماند

آغا خندید گفت رنجے دگر است
کامروز برائے ساغرم بنگ نماند

شکر چشم و گوش کرتا ہوں مگر یارب یہ کیا
آنکھ بھنگی کے حوالے کان مچھر کے سپرد

افسوس ہے بدگماں کی آزادی پر
خالق کبھی خوش نہوگا بربادی پر

طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر
یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر
بنیا بیٹھا ہے موٹھ موٹھی لیکر

سودا اس کو ہے جو سدھارا لندن
دولت و جنس گھر میں جو تھی لیکر

یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا
کرتا ہوں میں تجھ کو اسکی تنبیہ اکبر

ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار
قرآن کو مان لا تقم فیہ اکبر

کرو نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میونسپل کے اندر
یہ اہلکاران بددیانت بنینگے پھوڑا الجل کے اندر

ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

میں رعیت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں
مجھ کو کیوں رشک آئے وضع ملّت انگریز پر

کانٹے بچھ جاتے ہیں اُن لوگوں کی راہ زنی میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے اُن کی میز پر

مُعمّا

ممکن نہیں عبور مرے انکے راز پر
بالفعل ہے مقام عدالت جہاز پر

کیا اسکی خوشی کہ تم کو ہے عقل کثیر
ہمکو تو اسی سے کردیا تم نے فقیر

ہرگز یہ نہیں ہے حسن قانون خدا
کہتے ہیں حضور اس کو حسن تدبیر

تہذیب نو کی رنگ پہ بلبل نہیں ہیں سب
واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ پر

شیخ ملتے ہی رہیں گے تجھ سے بہر اخذ زر
دین خود تجھ کو نہ چھوڑیگا جو تو دنیا نہ چھوڑ

جس طرح ہے تجھے الم جسم کی تمیز
دیکھے گا درد جان کو بھی اکدن تو اے عزیز

ہرگز نہیں ہم کو سلطنت کا افسوس
ہے ابتری معاشرت کا افسوس

انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اسکا
ہے اپنے ہی میل معصیت کا افسوس

سیاہ کرنا دلوں کا اسے ہے کیا مشکل
تمہارا علم لگاتا ہے آفتاب میں داغ

یار نے پوچھا کدھر جاتا ہے تو
عرض کی میں نے ہلاکت کیطرف

پوچھا اس جانب لئے جاتا ہے کون
میں نے دیکھا اسکی صورت کیطرف

بن گئی ہے خضر راہ دوستاں کید حریف
ہے نماز گربۂ زاہد سے خوش کبک نحیف

ہم کو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں
کون سمجھے شاعروں کے یہ اشارات لطیف

ہم کو نہیں انکے عیش و راحت پر رشک
بے غیرتی کو دل اسپہ برساتے ہیں اشک

کافی ہے ہمیں عبادتِ حق کے لئے
ایک اونٹنی ایک پال پانی اک مشک

کونسل میں شریک ہوگا کل ملک
اب تھینکس کا باندھ دیگا پل ملک

یارب کل سلطنت ہے تیری
تؤتی الملک اور تنزع الملک

اونچا سنتی ہے کیا گورنمنٹ
کیوں کرتا ہے اتنا شور و غل ملک

گائیں ناحق بھڑک رہی ہیں
ویران نہ کرینگے جان مل ملک

ہوتی ہے روش جو سلطنت کی
جاتا ہے اُسی طرف کو ڈھل ملک

زندہ جس سے ہے بزم قومی — وہ کون ہے حضرت محسن الملک
غنچے کی طرح سمٹ کے ابھرو — اسوقت کھلیگا غنچۂ گل ملک

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق — کافر و نیٹو میں ہے تھوڑا ہی فرق
کافری کا ہے علاج ایمان سے — نیٹویت تو ہے لپٹی جان سے

بنام خیالات پاٹ آفریں — زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں

اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں — جو ایک کرے اُدھر طبیعت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم — وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں — ایماں کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں
طرز تعلیم پر ہے لیکن الزام — وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں — معنی کے یہاں گوہر نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن — صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھو کر — یہ کیا اندھیر ہے بجھ لیتے ہیں یہ تب چمکتے ہیں

دنیا میں ضرورت زور کی ہے اور آپ میں مطلق زور نہیں — یہ صورت حال رہی قائم تو امن کی جا جز گور نہیں
تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپکو بھی پہچانتے ہیں — کب آپکی باتیں مانتے ہیں کچھ فہم تو ہے گو زور نہیں
ای بھائیو بابو صاحب سے کھنچنے کا نہیں ہے کوئی محل — گو نسل علاء الدین میں ہو مسکن تو تمہارا غور نہیں

مشتاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں — منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں
حضرت کو جو فرصت ملاقات نہو — بوسے پر آستاں کے شاکر ہوں میں

ہوائے طوبیٰ ہے اب سر میں موج کوثر ہے اب نظر میں — ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی جا پہنچیں اُن ہائر میں

دلچسپ ہوئیں سنئے گلشن پہونچیں — زلفیں شملے سے تا بہ دامن پہونچیں
درگا بابو سے راجہ جی جب روٹھے — صدقے ہونے کو بی نصیبن پہونچیں

جھنجھلا کے بولے اُنسے جو لیٹا اندھیرے میں — اندھیر اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں

آغاز تحریک سودیشی میں یہ نظم کہی گئی تھی مصنف شور و شر سے متفق نہیں۔

داخل مری الفت میں یہ کام ہے پُن میں — پہونچائے گا قوت شجر ملک کی بُن میں
تحریک سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر — کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دُھن میں

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہمن دونوں — موافق اپنا پاتے ہیں میرا چلن دونوں
ترانے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں — زباں پر میری موزوں ہوتی ہے حمد اور بھجن دونوں
مجھے الفت ہے سنی سے کبھی شیعہ سے بھی یاری ہے — اکھاڑے میں دکھا سکتے ہیں دلکش بانکپن دونوں
مجھے ہوٹل بھی خوش آتا ہے اور ٹھاکر دوارا بھی — تبرک ہے مرے نزدیک پرشاد اور مٹن دونوں

ایک سید کیا کریں یا بیٹھ کر دس کیا کریں — حضرت حالی کے اشعار مسدس کیا کریں
سچ تو یہ ہے مہربانی آپ کی درکار ہے — ہم غریب و ناتوان و زار و بیکس کیا کریں

روشنی سر میں گداز غم دل مایوس میں — شمع ساں ہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں
روکتا ہوں زور دریا سے تو فرماتے ہیں وہ — آجکل برکت بڑی ہے خرقہ و سالوس میں

گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم — اس سے بہتر اس غذا کیواسطے چورن نہیں

ہم نیک خصال ہیں یہ تسلیم نہیں — دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں
لیکن یہ ہیں طریق و عادات عجم — واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں

چو مسٹر بنا شد ترا میہماں — چہ بر میز خوردن چہ بر روئے خواں

مہدی نے گھر کیا ہے دل شیخ و زر میں — سید کا جانشیں ہے وہ آج ہند میں

یہ بولے رو کے پیر وا گیا دیں — دھرم دنیا سے اُٹھا اور گیا دیں

نوکر کو سکھاتے ہیں میاں اپنی زباں — مطلب یہ ہے کہ سمجھے اسکے فرماں
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز — اس نکتہ کو وہ کیا سمجھیں جو ہیں ناداں

نیچریت چیست از دیں گم شدن — نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

بھوک سے زائد ہو جسکے پاس کھانا اسکے پاس — اتنی دولت ہے کہ رکھنے کی جگہ ملتی نہیں

ناصح نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑو
مذہب نے کہا کہ مجھ کو چھوڑوگے تو وہ
ورنہ سائنس ہیں ڈالیگا تمھیں
کیا گود میں اک طرف اٹھالیگا تمھیں

پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
وہ کمپنیاں ہیں اونر کوڑی کی دوکان
کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

سوجھا نہیں خود غرض کو آئین صواب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
جتنا چھوڑوگے ہمکو تم ہوگے خراب
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
حکام کی ہے یہ صرف عیسیٰ نفسی
جو اہل نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

حدیں قوموں کی قسمت کی کیا کرتا ہے یہ قائم
محبت کس طرح اس قوم میں باہم رہی قائم
زمانہ دیکھ کر چلئے طریق زندگانی میں
ربا ہیں صرف غیبت دل ہیں ڈوبے بدگمانی میں

میں نے کہا کہ اپنا نہ سمجھئے مجھے غلام
بولا وہ بت یہ ہنس کے فرنگی نہیں ہو میں

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
کیوں نہ کہدوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ خود رائے کیا کروں
قومہ نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
سعی بازو یہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑو
برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو
ویراں ہوئی کھیتی تو عمارات بھی توڑو
باقی نہ رہے پھول تو ابیات بھی توڑو

یا کس کے کمر پہ خوشامد باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے اے شیخ
یا حجرے میں گھس کے بیٹھو تہمد باندھو
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

پانیر کے صفحہ اول میں جسکا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں جو اسکو عاقبت کی فکر ہو

شملہ بمقدار علم

افسوس ہے کہ مرگئے بک اب نہیں کوئی
شملے پہ جان دی تو تعجب ہے اسمیں کیا
اس درجہ جس میں علم ہو اس درجہ حلم ہو
لازم تھی وہ جگہ جو بمقدار علم ہو

(بک پرنسپل علیگڈھ کالج)

زندگی اور قیامت میں ریلیشن[1] سمجھو
ہو جنھیں مقدرت وضع و نفاذ قانون
آہ و فریاد سے قابو میں نہ آئیگا وہ یار
اس کو کالج اور اسے کانووکیشن سمجھو
بس انھیں کو صف اقوام میں نیشن[2] سمجھو
طپش قلب کو بنگال ایجی ٹیشن[3] سمجھو

دیں دار بنو درست دیں ہو کہ نہ ہو
مذہب پہ جمے رہو یہ ہے شیخ کا قول
قدر اس کی زمانے میں کہیں ہو کہ نہ ہو
کہدو کہ یقین ہے یقیں ہو کہ نہ ہو

افسوس ان پر فلک نے پایا قابو
شیخی کو چھوڑ میرزا پہلے بنے
مطلق نہیں انہیں رنگ ڈھونڈو یا بو
بنتے جاتے ہیں اب یہ مسلم بابو

لطف سخن تو ہے یہی ٹرس[4] بھی ہو ڈفی[5] بھی ہو
ذہن کا وصف ہے یہی اوریجنیلٹی[6] بھی ہو

مرشد نئی روشنی کا ہے قابل قدر
طالب نہ جمے کا لیکن اس سے رہی دور
تزئیں بھی خوش نما ہے تنویر کے ساتھ
اتوار لگا ہوا ہے اس پیر کے ساتھ

عقل سید بود از انوار حکمت یافتہ
مشکلے در پیش ہست او را اگر گوئیم نبی
زور بازویش عدو را بیجها بر تافتہ
زا نبیا ہرگز کسے نگذشت بینش یافتہ

پردہ اٹھ جانے سے اخلاقی ترقی قوم کی
سن چکا ہوں نہیں کہ کچھ بوڑھے بھی ہیں اسمیں شریک
جو سمجھتے ہیں یقیناً عقل سے فارغ ہیں وہ
یہ اگر سچ ہے تو بیشک پیر نابالغ ہیں وہ

اکبر کو ہے الفت بتاں گمراہ
احباب سنیں جو اس سے ایسے اشعار
کرتا ہے انھیں کی وصف میں نامہ سیاہ
تردید کریں کہیں کہ سبحان اللہ

لے لیکے قلم کے لوگ بھالے نکلے
افسوس کہ مفلسی نے چھاپا مارا
ہر سمت سے بیسیوں رسالے نکلے
آخر احباب کے دوالے نکلے

۱ بمعنی رشتہ ۲ قوم ۳ مخالفانہ جوش ۴ لطیف ۵ ظریف ۶ جدت ۱۲

سچ ہے کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم
ہم لوگوں سے کیمپ کو پرے رکھا ہے
کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال
معتصم کب ہیں یہ حبل اللہ سے
منتشر اجزا اب اُن کے ہو گئے
دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے
نہیں ان کو کچھ شرم لاحول قوم
میں لیٹا تو اُٹھ کر کھڑے ہو گئے
یہ ملحد تو چکنے گھڑے ہو گئے

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو
دنیا گذراں ہے سچ ہے فانی ہے
گویا کہ شعاع نور یزدانی ہے

تم کتنے ہی محو کج ادائی رہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذت طبع
تم پر دل و جاں سے ہم فدائی رہتے
لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بری کیا راہ پکڑی ہے
وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی اندھے کی لکڑی ہے

اُٹھ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھ کو کچھ حیرت نہ ہوگی تم کو ہو جائے گا فخر
مغربی تہذیب میں کس کو میں سمجھوں مستند
کہہ دو اک بدمست گورے کو کہ بندہ زادہ ہے
اس تماشاگاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے

اسیر دام زلف پالیسی مدت سے بندہ ہے
فصاحت نذر لکچر ہے۔ ریاست نذر چندہ ہے

ان کی سب باتوں کو اکبر سیکھ لے
خود وہ فرمائیں گے پھر آ بھیک لے

جو لوگ طرفدار علی گڑھ کے رہیں گے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو
اس دور میں بیشک وہی بڑھ چڑھ کے رہینگے
کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہینگے

داد قرآن کی نہ دو بھائی عمل اس پہ کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ظاہر میں اگرچہ راز سربستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علیگڑھ کالج
مضمون لطیف و خوب و برجستہ ہے
گلدان میں مسلموں کا گلدستہ ہے

سرحد پر باغیوں کو سکھ مارینگے
قائم رہے البشیر کا یہ پرچہ
گردن اُردو کی رائم رکھ مارینگے
ہم بھی مضمون کوئی لکھ مارینگے

کونسل سے ہر طرح کا قانون آرہا ہے
لیکن پڑھے لکھوں میں کیونکر آنکھوں کی ہے یہ حالت
مطبع سے ہر طرح کا مضمون آرہا ہے
اشک آرہے تھے پہلے اب خون آرہا ہے

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی
لیمو کے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے
کالج میں آکے کانووکیشن کو دیکھئے
اب کاغذی ترقی نیشن کو دیکھئے

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائیے
فلسفہ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول
غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جائیے
دین کی ہو بات تو ابطال پر ٹھن جائیے

چندے کی مجلس میں پڑھیے رو کے قرآن مجید
شیخ صاحب یہی تو قومی ترقی کی شناخت
مذہبی محفل میں لیکن مثل دشمن جائیے
روٹھنے سے کچھ نہیں ہے فائدہ من جائیے

پڑا ہے قحط بشر مر رہے ہیں فاقوں سے
بجھی ہوئی ہے طبیعت یہ روشنی ہے فضول
خوشی ہو کیا مجھے شبرات میں پٹاخوں سے
اُتار لیجئے صاحب چراغ طاقوں سے

دنیا ہی اب درست ہے قائم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

اکدن وہ تھا کہ دب گئے تھے لوگ دین سے
اک دن یہ ہے کہ دین دبا ہے مشین سے

گذرے مری نگاہ سے یاروں کے جھگڑے
کھانے بھی خوب کھائے اڑیں گلچھڑیں بھی خوب
ہم تو اسی کی بات سمجھتے ہیں کام کی
مطلب یہ تھا سروہ بڑھے اور غم گھٹے
لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے
عشق صمد زیادہ ہو عشق صنم گھٹے

جس سے جو بن پڑے وہی کام کرے
لیکن رہے قومی بھائیوں کا ہمدرد
صاحب بنے کھائے کھیلے آرام کرے
ہر حال میں ادعائے اسلام کرے

پرچے ہیں نہ مذہب کے نہ وہ قصۂ دل ہے
اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہے
پرچے ہیں اب اخبار کے اور آرٹیکل ہے
اسکی تو گورنمنٹ ہی رسپانسبل ہے

سلہ دوسرے مصرع کے قافیہ کیلئے طبع آزمائی ہوئی تھی ۱۲ سلہ ذمہ دار ۱۲

تل کھیت میں ملجائے تو گودام میں لیجائیں
کیا فائدہ عارض پہ کسی بت کے جو تل ہی
تنخواہ کے بل سے نہیں ہوتی ہی مسرت
اور شیخ یہ کہتا ہے کہ یہ سانپ کا بل ہی
غزالی و رومی کی بھلا کون سنے گا
محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مل[1] ہی

سابق کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے
کل آج نہ تھا۔ آجکو کل کر نہیں سکتے
الزام کہیں مشق قواعد کا نہ لگ جائے
صوفی بھی بہت کود اچھل کر نہیں سکتے

تائید کانفرنس

جمعیت عاقلان قوم اچھی ہے
گلہائے سخن کے باغ کھل جائینگے
کہتا ہی یہ معترض کہ ملنا کیا ہے
کچھ اور نہیں تو دل ہی مل جائینگے

چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور
کیونکر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے
البتہ ایک عرض کروں گا دبی زباں
گو خوشنما بہت ہے مگر بے اصول ہے

دنیا کی ہوا راس جو آئی بھڑک اٹھے
انگارے ہوے جاتے ہیں اب کو لکے کالے
کمزور کی ہانڈی جو زبردست نے دیکھی
دل نے کہا بے پوچھے ہوئے کھو لکے کھالے
تسبیح مری تو ہے عطا کردۂ مرشد
ان برہمنوں کے پاس تو ہیں مول کے مالے

ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی
افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہی
گرجا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود
مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہی

بزم اکبر دانش آموز و نشاط انگیز ہے
ہر سخن اس کا لطیف و خوب معنی خیز ہے
بالارادہ اس سے جو کرتا ہی اعراض و گریز
ناتواں ہیں وہ ہی یا کودن ہی یا انگریز ہی

سخن سازی کی چالوں میں تو خامہ انکا شاطر ہی
مگر جو حالت اصلی ہی وہ پبلک پہ ظاہر ہی

اس زمانے میں جو دل دہر سے پھر جاتا ہی
آدمی پایۂ تہذیب سے گر جاتا ہے

ہیں کچھ واقف نہیں آرام وہ اب کون بندہ ہی
کہ پل موہوم امیدوں کا لفظوں کا سمندر ہی

معاملہ تھا عرب کا خدائے واحد سے
عجم نے واسطہ رکھا شراب و شاہد سے

[1] دونوں مغربی فلاسفر تھے ۱۲

ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی
ادھر تھی بحث نزاع حمید و حامد سے

ہے نئی روشنی اک لوکل و ذاتی ترکیب
لفظ ہی لفظ ہیں جتنے ہیں زد اڑا سکے
لیمپ بجلی کا ہے یہ مہر جہانتاب نہیں
جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں فوائد اسکے

بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے
دنیا تو گئی دین بھی برباد کریں گے
جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پہ قائم
کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے
بارک کوئی کر دیگی عطا ان کو گورنمنٹ
یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے

صوت ہزار طائر بدلحن نے سنی
کہنے لگا کہ بھاڑ میں بلبل کی چیخ جائے
اسنے کہا مقابلہ کا کب تھا یاں خیال
یہ تو وہی مثل ہے کہ کانا ہو کونچ جائے

مسجد کا ہے خیال نہ پروائے چرچ ہے
جو کچھ ہے اب تو کالج و ٹیچر میں خرچ ہی
عزت کا ہی نہ اوج نہ نیکی کی موج ہے
حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہی
اس طرز تربیت پہ ہیں اغیار خندہ زن
لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی نوج ہی

اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق
مسجد بھی ہی مولوی بھی ہیں ٹاٹ بھی ہی
دریا میں نہیں ہیں جوہر تیغ اکبر
گو آب بھی اسمیں دھار بھی کاٹ بھی ہی

پیری نے دانت مجھپہ لگایا ہی گھات سے
بائیں طرف کی داڑھ میں ہی درد رات سے
پارہ مسالے ایک طرف درد اک طرف
پیپل سے فائدہ ہے نہ کچھ تیج پات سے

نہ یہ قید شریعت ہی نہ یہ غفلت کا پردا ہی
رواج و مصلحت کی بات ہی حکمت کا پردا ہی
تھیں دھوکے میں ڈالا ہی مثال اہل یورپ نے
ادھر سایہ حکومت کا ہی یاں عزت کا پردا ہی

کہتے ہیں ترک ملت انساں کو بات کیا ہی
[illegible]
تحقیق تو کرو تم حضرت کی ذات کیا ہی

خوب فرمایا یہ شاہ جرمنی نے پوپ سے
وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہان توپ سے
جد امجد خود ہیں کرتے تھے یہ موسم بسر
ہم کو اپنے عہد میں پالا پڑا اکٹوب سے

رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہو گئے
ہم نفس وہ اک جو باقی تھے وہ صاحب ہو گئے

وقت بد میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال
ہم نشیں اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے

کدھر جاتی ہے طبع قوم اسکو کوئی کیا جانے
بصیرت جنکو ہے وہ جانیں اکبر یا خدا جانے

طریق حق میں بھی پھر خدا ذرا چلیے
فٹن کی راہ نہیں ہے پیادہ پا چلیے

کہا جب غیر کو کیوں تو نے لے کر دل پھنسایا ہے
تو بولا دل لگی کے واسطے اُلو پھنسایا ہے

ادھر چاہ ذقن ہے اسطرف ہیں جال گیسو کے
ہمارے دل کو اُسنے کر کے بیقابو پھنسایا ہے

لگوں کو دیکھ کر کہتا ہے وہ شوخ
ہمارا رنگ بھی پھیکا نہیں ہے

عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہ ایجان جان شاہی گئی

قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں
نیچرل وہ ہے یہ ہے مصنوعی
نیچرل ایک چیز ہیں نہیں سکتی
آئیں کیونکر صفات مجموعی

نہ رنگ انجمن وہ ہے نہ وہ میکش نہ وہ ساقی
یہ دعوت کیا ہے بس ہے اک ادائے فرض اخلاقی
نہ وہ مکتب نہ وہ ملا نہ وہ صورت نہ وہ سیرت
سوا نام خدا کے اب رہا کیا قوم میں باقی
کہاں وہ دعوت احباب کی طیاریاں اکبر
خموشی سے ادا کرتا ہوں بس اک فرض اخلاقی

بے بصیرت ہے مگر تو منکر شیخ و ولی
ناشگفتہ رہ گئی بیشک ترے دل کی کلی
چشم پیدا کن کہ بینی آشکارو ہم نہاں
در قبائے گل خیال رنگ ہی بوئے علی

بلا طاقت تو افلاک انساں کی نہیں چلتی
وہاں تو ریل چلتی ہے یہاں روٹی نہیں چلتی

پہلے تو دکھاتی تھی چمک اپنی گنی
اب پیش نگاہ ہیں فقط نیشن[1] وینی[2]
کہتے ہیں حریف ہنسکے اب از رو طعن
جب دین کو کھو دیا تو دنیا بھی چھنی

ہمنے واعظ کی خوب داڑھی نوچی
یہ بات مگر نہ اپنے دلمیں سوچی
مذہب کو شکست دیکے کیا پائیں گے
آخر کو رہینگے موچی ہی کے موچی

افسوس خطاب عزت بادی آج ہوئے ہم سی الیس آئی
شیخ نہ سمجھے لفظ انگریزی بولے ہوئے ہیں یہ عیسائی

اب تک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی
ناحق تجھے ہم نشیں ہے فکر اسکی پڑی

۱؎ انگریزی الفی ۲؎ انگریزی ہے

انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی
یہ ہند ہے یہاں خوش انتظامی ہے بڑی

روشنی جن میں نئی ہے وہ مری سنتے نہیں
لاکھ سمجھاؤں کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں پیارے ہم طریق
وضع پر قائم ہیں ان میں ہے پرانی روشنی

انگریزوں میں عادت سحر خیزی تھی
انداز و روش میں اک دلآویزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی
پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

مہدی کو برا بھلا جو چاہو وہ کہو
لیکن دکھلا دی اسنے ہیوی اپنی
لاکھوں ہی کے ڈھیر کر دئے کالج میں
پوری کر دی یہ اسنے ڈیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا انکا
رہی اک حالت فرضی ہماری
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسہ
کہیں گذری نہیں عرضی ہماری
خدا سے جب کہا مرتا ہے اکبر
کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ لے خرد تو بھی گئی
غیرت کے ساتھ مذہبی بو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرت کرامت[1] اکبر
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

کیا پوچھنا ہے حکمت مغرب کا واہ واہ
فطرت بھی اس کو دیکھ کے حیران رہ گئی
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جان
دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی

قطعہ

جو پائی ترک عبادات میں مثال بری
شروع ہی نے پکارا کہ ہے یہ فال بری
جناب حضرت سید پہ کھل گیا ہوگا
کہ ہو ہی جاتی ہے بیقیدیوں سے چال بری
یہ بحث جانے دے اکبر کچھ اور باتیں کر
عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل و قال بری

خواہان نوکری نہ رہیں طالبان علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہل شعور کی

۱؎ عالیجناب مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا مرحوم جج ہائیکورٹ الہ آباد ۱۲

کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آرہی ہے صدا دور دور کی

پاؤں کو بہت جھٹکا پٹکا زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی
تدبیر بہت کی ہی اکبر تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی
یورپ نے دکھا کر رنگ اپنا سید کو مرید بنا ہی لیا
سب پیروں سی تو وہ بچ نکلے اس پیر کے آگے کچھ نہ چلی

جہاں نے ساز بدلا ساز نے نغموں کی گت بدلی
گتوں نے رنگ بدلا رنگ نے یاروں کی مت بدلی
فلک نے دور بدلا دور نے انسان کو بدلا
گئے ہم تم بدل قانون بدلا سلطنت بدلی

عجب حیرت آگیں ہی یہ انقلاب
ہماری سمجھ کیا سے کیا ہوگئی
سمجھتے تھے سب جسکو بیجا صریح
وہی بات بالکل بجا ہوگئی

جو کام تھا گھنٹے کا نکلتا ہے وہ پل سے
خوش کیوں نہ رہیں لوگ فرنگی کے عمل سے
تاریخ تو خالد رض کی پڑھو رات کو گھر پر
اور دن کو کچہری میں دیو نیل کمل سے

تماشا دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں
کلوں میں ہی وہاں داخل یہاں مذہب پہ گرتی ہی

ایمان کی ہی تاک کافری ہی تو یہ ہی
تقوی بے دم ہی ساحری ہی تو یہ ہی
نظم اکبر ہے دافع جادو و کفر
ماشاء اللہ شاعری ہے تو یہ ہی

ظرافت

الا یا ایہا الطفلک بجو راحت بہ نا ولہا
کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن تزئین پائے خود بہ بوٹ ڈاسن پتلوں
کہ ہر سید خبردار د ز راہ و رسم منزلہا

دیکھئے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو
شیخ صاحب کو تو لکچر پر بھی وجد آنے لگا
کیوں کرے گا پیش ہم پر جلوۂ حور بہشت
جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے
پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا
خود ہم نے کیا ازار اور انگا پیدا
نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

دیگر

مس کو دیکھا عاشق زلف چلیپا ہو گیا
مست تھا دل بھول کر وہسکی کا پیپا ہو گیا

مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا
بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا
اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

بنیوں کو اخذ سود کی فرصت نہیں رہی
منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی
لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی
کودن کو غنت ربود کی فرصت نہیں رہی
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی
ماجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی
چوہوں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی
اُلجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

بچے فراغ طبع سے اب کھیلتے نہیں — اُبھرے ہوئے جوان بھی ڈنڈ پیلتے نہیں
عشاق رنج ہجر بتاں جھیلتے نہیں — پاپڑ فروش پاپڑوں کو بیلتے نہیں
اُلجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

لیتا ہے کون گرمیِ دل سے خدا کا نام — اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام
مذہب کو دور ہی سے کیا جاتا ہے سلام — کوٹھی کو ہے فروغ نہ رونق پہ ہے گودام
اُلجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

گم ہو گیا ہے لوگوں میں آپس کا میل جول — وہ ٹولیاں نظر نہیں آتیں نہ اب وہ غول
تاشے نہ شادیانے بجتے کہیں نہ ڈھول — مخبوط بدحواس پریشان گول مول
اُلجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف — لڑکا نہ سیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف
لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش صف بصف — یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف
اُلجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

پنڈت پراجا کے بنارس پہ آ رہے — مرکٹ کے شیخ شہر بھی نوٹیس پہ آ رہے
حالی غزل کو چھوڑ مسدس پہ آ رہے — ہم فرد تھے سو ہم بھی مخمس پہ آ رہے
اُلجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

کونسل میں نکتہ چینوں کی ٹولی بہت بٹی — اچھا ہوا سنبھل گئی اب یونیورسٹی
بیکار کالجوں سے بھرے گا نہ ہر سٹی — اس بل سے یہ شکایت احباب بھی مٹی
اُلجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

مری نظر میں یکساں ہیں شتر ہوں یا گئو ماتا — مجھے کرتے جو وہ سجدہ تو کہتا میں بھی جھوم آتا
ہم میں کیوں ضعف ہو جب دین سے پورنٹ پھرا — مسجدیں کیوں نہ جھکیں جب تو پ سے گرجا نہ گرا

پیر مغاں سے رات کیا میں نے یہ گلا — مغموم ہوں یہاں بھی مزا کچھ نہیں ملا

اُس نے یہ مسکرا کے کہا از رہ مزاح — جینے کی کس نے تم کو بڑھاپے میں دی صلاح
میں نے کہا کہ بعض نود سالہ پیر مرد — اب تک اڑا رہے ہیں در میکدہ کی گرد
کہنے لگا کہ اُن پہ عبث ہے تری نظر — غفلت کا ہے وہ نشہ جوانی سے تیز تر

زمانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا — نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

کرتے تھے بتوں سے خوب جوتا ماجھا — رہتے تھے مشیر برہمن اور اوجھا
برکت ہے اُسی کی اس صدی میں حضرت — بیٹھے ہوئے کر رہے ہیں چا چھا جا جھا

رحیمن پکاری کہ نیدھا بوا — عجب جانور ہے یہ کاکا توا
بتا تو ذرا عقل ہے میری گم — کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل — وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات — دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جس نے اسکو — کاٹنا چاہا زمانے میں وہ بس آپ کٹا
کہتے پھرتے ہیں یہ اب کانگریسی ہر سو — مر گیا گول کا بوڑھا یہ چلو پاپ کٹا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے — شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

نیچر نے دیدیا ہے پٹہ رجولیت کا — کیونکر نہ ہوں بتوں سے طالب قبولیت کا

پرچہ رکھا جو اس نے میں یہ سمجھا — پاکٹ میں یہ بیس روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پہ کھولا تو بس یہی لکھا تھا — کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

اسمال[1] نہیں گریٹ[2] ہونا اچھا — دل ہونا برا ہے پیٹ ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونوں بیکار — انسان کو گریجوایٹ[3] ہونا اچھا

۱؎ بالارادہ اصلی لفظ سے تجاوز کیا گیا ۲؎ چھوٹا ۳؎ بڑا ۴؎ سندیافتہ کالج ۱۲

بن پڑے تو قبلہ ہی بننا مناسب ہے تجھے
دیدنی ہے یہ تماشائے مشین انقلاب
شیخ صاحب یہ تو اپنے اپنے موقع کی ہے بات
تخلیئے میں آج میں نے اُن کا بوسہ لے لیا
اب تو مجھ کو بھی مناسب ہے کہ پٹواری بنوں
فکر دنیا نے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث

دقتوں میں وہ پھنسا جو اسکوائر ہو گیا
باپ تو قبلہ تھے بیٹا اسکوائر ہو گیا
آپ قبلہ بن گئے میں اسکوائر ہو گیا
دیکھئے ڈگری جو ہو دعویٰ تو وائر ہو گیا
یار کو شوق حساب مال و سائر ہو گیا
مولوی بھی محو قانون و نظائر ہو گیا

دکھائی فلسفۂ مغربی نے وہ مردی
پری کی زلف میں اُلجھا نہ ریش واعظ میں
وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کیلئے

کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا
دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

یہی سبب ہے اب انکی بات پہ کان دھرتے نہیں ہیں لڑکے
مچائی سینے میں اُسنے شورش اڑائے اُسنے زباں کے ٹکڑے
وہ ہنسکے بولا جگہ کہاں ہے دکھاؤں کاریگری جو اپنی

کھنچا نہ دست مولوی سے نہ تھا یہاں کوئی کان ایسا
میں جلد رخصت ہوا وہاں سے کہ حقہ ایسا تھا پان ایسا
کہا تھا منکر سے میں نے اک دن بنا تو لے آسمان ایسا

عہد اسلام عہد انگلش میں
پہلے توحید تھی تو اب تحصیل

سنئے قول اکبر سخن گو کا
آگے غل ایک کا تھا اب دو کا

پکالیں پیسکر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

ممکن نہیں اُن کے حکم سے سر پھیروں
اُن کو یہ خوشی کہ اب رہیگا یہ غلام

دل میں مرے اب تو اُن کا ڈر بیٹھ گیا
مجھ کو یہ خوشی کہ قافیہ بیٹھ گیا

سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا
پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول پڑھنے کی نہ راہ

کہتا نہیں کوئی کچھ بھی پڑھ پڑھ کے سوا
اور قبلہ کوئی نہیں علیگڈھ کے سوا

ہر ایک کو خوش کروں میں کیونکر صاحب
آسائش عمر کے لئے کافی ہے

اپنے ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب
بی بی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب

تم نے جو سنا صحیح ہے ہاں صاحب
سچ کہتے ہیں وہ کہ ہمکو اس سے کیا کام

عربی سے گریز کرتے ہیں خاں صاحب
ہیں کیمپ میں ہمتو خانساماں صاحب

اندھیر مچا ہے زیر فلک خلقت بھی ہے چپ اور راج بھی چپ
صاحبزادے نشہ میں ہیں اور بیف کنوجی کی ہے طلفن

ہم دیکھ رہے ہیں آنکھوں سے پر کل بھی کہی اور آج بھی چپ
ہیں مولوی صاحب قبلہ بھی چپ اور پنڈت جی مہاراج بھی چپ

سکہ زر بابوئے در دھوتی زنار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست

باوجودش نالہائے زار در اخبار داشت
گفت ما را خوف فیس و ٹکس در ایں کار داشت

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ
می دہد آں بت کنار گنگ ناقوس طرب

یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزور موت
ندوۂ شیخم مگر در گومتی افتادہ است

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست
یاد دار ایں قول مولانائے روم

بعد ہر ایپلیج آخر خندہ ایست
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

پشہ بیدار است دینگھا کش بخواب افتادہ است
اکبر بیچارہ امشب در عذاب افتادہ است

زر قوم سے لیکے ایسا سامان کرو
حلوے مانڈے سے کام رکھو بھائی

جس سے کہ تمہاری بزم سجائے بہشت
مردہ دوزخ میں جائے یا پائے بہشت

پردہ میں ضرور ہے طوالت بیحد
تشبیہ بری نہیں اگر میں یہ کہوں

انصاف پسند کو نہیں چاہیئے ہٹ
بیگم ہے پیچوان لیڈی سگرٹ

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دلمیں ہے جمگھٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں

اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ
گھوڑا مری آزادی کا اب جاتا ہے لکٹٹ

شیطان نے دیا یہ شیخ جی کو نوٹس
آیندہ پڑھیں گے آپ لاحول اگر

بالکل ہی گیا ہے زور اب آپ کا ٹوٹ
فوراً داغوں گا اک ڈفیمیشن سوٹ[1]

شیطان کا سنا جو شیخ صاحب نے یہ قول
میں خود ہوں بدل گیا زمانے کے ساتھ

بولے کہ فضول تجھ کو یہ آتا ہے ہول
پڑھتی ہے مجھی پہ اب تو دنیا لاحول

[1] نالش ہتک عزت ۱۲

حضرت اکبر سے سنکر یہ لطیفہ بزم میں
سب ہنسے کچھ رہ گئے خون جگر کے پیکے گھونٹ
شیخ جی رفو بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر
چشم بد دور اب بنے ہیں آپ کمسریٹ کا اونٹ

کودتے پھرتے ہیں یہ باغ میں لٹو کی طرح
باغباں دیکھے ہوئے بیٹھے ہیں الو کی طرح
ان نئی روشنی والوں سے نہیں ہے کچھ فیض
شب تاریک میں چمکا کریں جگنو کی طرح
آگئی زلف مسائل زلف بتاں پر غالب
پیچ ہوتے تھے بہم افعی و راسو کی طرح
اکبر اس عہد میں تو صبر و تحمل سے جو کام
اس سے بہتر ہے کہ غصہ کرو بابو کی طرح

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے تخ
اور شیخ کے گھر میں ہنہنانے کی ہے تخ
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے
گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے تخ

سحر مسلم شکایت با خدا کرد
کہ تفسیرش بادیدی چاک کرد
من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من انچہ کرد آں آشنا کرد

اکبر اگرچہ موسم باراں خوش است خوب
لیکن چو گوش و چشم دریں فصل واکنید
مچھر دود کہ گوش لقفر یاد بندہ نیز
بھنگا رسد کہ گوشہ چشمے بپا کنید

بگو بہ سیٹھ کہ اورا بھرم نخواہد ماند
بگو بہ برہمن اورا دھرم نہ خواہد ماند
من ارچہ در نظر یار شرمسار شدم
رقیب نیز چنیں محترم نہ خواہد ماند

تہمد پہ ہے شبہ و حقارت کی نظر
پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی برہنہ پھریے اکبر
شاید پڑجائے انکی رغبت کی نظر

جو دونوں ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے
کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر
خدا کرے کوئی بت آکے یہ کہے مجھ سے
بٹھا بھی لے مجھے گھر میں تو مجھے مرید بھی کر
جو سُن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ
جو ہنہنایا ہے اتنا تو آج لید بھی کر

اس بت کے لئے ہے دہر میں فصل بہار
اک تخت رواں پہ پھرتا ہے لیل و نہار
کہتا ہوا اٹھاؤ اس کو یہ ہے مراعرش
کہدو اکبر کہ میں فرشتہ نہ کہار

اُنھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانیکی عادت بھی
تعلق عاشق و معشوق کا تو لطف رکھتا تھا
نہ تھی مطلق توقع بل بنا کر پیش کر دوگے
حقیقت میں ہیں بلبل ہیں مگر چاریکی خواہش ہے
نکالا کرتی ہیں گھر سے یہ کہہ کر تو تو مجنوں ہے
رقیب سفلہ خو ٹھہرے نہ میری آہ کے آگے

نکلتی ہیں دعائیں انکے منہ سے ٹھمریاں ہوکر
مزے اب وہ کہاں باقی رہی بی بی میاں ہوکر
مری جاں لٹ گیا میں تو تمھارا میہماں ہوکر
بنا ہوں ممبر کونسل یہاں مٹھو میاں ہوکر
ستا رکھا ہے مجھ کو ساس نے لیلیٰ کی ماں ہوکر
بھگایا مچھروں کو انکے کمرے سے دھواں ہوکر

پائے در پتلون و دل در پیشواز
چند روزے باہمیں حالت بساز

سنتا ہوں محال ہے خدائی سے گریز
لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز
تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گھونٹا
فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز

آگے انجن کے دیں ہے کیا چیز
بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس
اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس
دیکھ کر ہم کو ایسی دلدل میں
راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس

عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش
ہونے نہیں دیتا حُسن کے راز کو فاش
گیسو و کاکل میں جستجو کمر کی وہ کرے[لہ]
حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش

بی شنخانی بھی ہیں بہت ذی ہوش
کہتی ہیں شیخ سے بجوش و خروش
خواہ لنگی ہو خواہ تہمد
در عمل کوش و ہرچہ خواہی پوش

دل نے یہ کہا کہ دین کے جو نہوں دوست
ہرگز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض
میں نے یہ کہا کہ خیر بہتر ہے مگر
اب شیخ کو بھی ہے چارپیسوں سے غرض

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف
مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف
دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے
پیر و نقی دکان و دربار کا خوف

اونچے ہیں رذیل اور ہیں زیر شریف
قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھیر شریف

لہ حب معشوق پیش نظر ہو وصل کے یہی معنی ہیں ۱۲

اکبر کو یہ مجتبی نے دی خوب صلاح — چل دیجئے بھائی صاحب اجمیر شریف
پیشے نے کہا سبک نشینی میری — ہے قابل داد اگر کریں آپ انصاف
میں نے یہ کہا بجا ہے لیکن یہ شیس — ہے بار گراں و تلخ تقصیر معاف
فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف — جو امر ہے واقعی گذارش کر دوں صاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے — لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف[1]

عالم بنیے تو کیجیے مات کا شوق — مسٹر بنیے تو ہو مساوات کا شوق
چکر ہی میں آپ کو پھنسا رکھونگا — مجھ کو بھی ہوا ہے اب اسی بات کا شوق

شمع سے تشبیہ پا سکتے ہیں یہ عیاش امیر — رات بھر پگھلا کریں دن بھر رہیں بالائے طاق

ہندو تنتے ہیں تھام کر گائے کی سینگ — آغا گرمی دکھاتے ہیں پیچ کے ہینگ
لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پہ ناز — کالج میں ڈٹے ہوئے اڑاتے ہیں جوڈینگ

کیسی ترقی کیسا میل — ہم سے سن لو اس کا کھیل
جس کی لاٹھی اس کی بھینس — فعلُ فعلُ فعلن[2] فعل

اکابر سے حساب دوستانہ نبھ نہیں سکتا — غلط فہمی بہت ہوتی ہے بڑھ جاتی ہے مشکل
یہ کہہ کر پیش کر دے فرد اخراجات اے اکبر — حساب دوستاں در دل حساب خادماں در بل

کہتی ہے ز راہ کبر مجھ سے وہ گرل[3] — کیا تجھ سے ملوں کہیں کا تو ڈیوک[4] نہ ارل[5]
اکبر نے کہا دکھا کے داغ دل و اشک — ہے میری گرہ میں بھی بہ ردیٔ[6] یہ پرل[7]

خوشی سے میں نے کئے یہ نفیس آم قبول — ادائے شکر ہیں اب ہو مرا سلام قبول
نہ میں سخن کا ہوں تاجر نہ طالب شہرت — اسی سے کرتی ہے پبلک مرا کلام قبول
زمانہ دیکھیے کہتے ہیں پنڈت از رہ طعن — میاں ہماری بھی ہو جائے رام رام قبول
وحید صبح بنارس کی موج میں ہیں پڑے — بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول
سنی جو ہوں بت کمسن کی بول اٹھے آغا — کہ معتبر نہ شماریم نا تمام قبول

[1] سبحان اللہ [2] یہ مصرع محض اظہار وزن کیلئے ہے قافیہ نہیں [3] لڑکی [4] نواب [5] امیر [6] لعل [7] موتی ۱۲

مسوں کے ہوتے ہوئے کیوں تعب کو میں دل دوں — ملے حلال تو پھر کیوں کروں حرام قبول
منیر صورت مہر منیر تاباں ہوں — کریں خواص و عوام ان کا احترام قبول
نہ ہو جو وہسکی لندن تو گھر کا ٹھرا ہو — نہیں ہے بنگ کا مجھ کو تو کوئی جام قبول

سنہ ۱۸۱۷ء

اس قدر رنگ اڑا ہو گئے رنگیں اوراق — چوک میں پادری صاحب نے جو کھولی بیبل
بیسنکے اکبر نے کہا رنج نہیں کچھ اس کا — ہو گئی اب تو حقیقت میں یہ ہولی بیبل

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام — حسن کی قید نہیں بس ہے مساۃ سے کام
یاں تو بربادی کے افسانوں سے دل بریاں ہے — بابو ہی اچھے کہ ان کو ہے فقط بھات سے کام
کہتے ہیں ہمکو جو چندے مہذب ہے وہی — اُسکے افعال سے مطلب ہے نہ عادات سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیک نام — اہل دانش ہیں مگر میر افزوں ہے احترام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں — ہیں مع اہل سعدی کا بھتیجا وہ ہیں پلٹن کے غلام

مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریق نوم — تھے مبتلائے حج و صلوۃ و زکوۃ و صوم
دنیا و دیں کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا — عشق بتاں شباب میں پیری میں عشق قوم

من العلم قلیلاً، گو بھی دیکھو بعد اُوتیتم — نہ مانو گے تو اک دن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم

تجھ کو کیا کسی کی ہوا نے فدائے گل — مجھ کو کیا کسی کی ادا نے فدائے قوم
آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں — تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے قوم

آپ کی فرقت میں میں کل رات بھر سویا نہیں — لیکن اتنی بات بھی گاتا رہا رویا نہیں
نوش جاں فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتا — چھ بجے ہیں میں نے تو منہ بھی ابھی دھویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں — بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں
وہ یہ فرماتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ — میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

ہم کیا خالی ہوائی گولا چھوڑیں — اکس جوگ کے بل پر اپنا چولا چھوڑیں

[1] پاک ۱۲

حضرت نے تو چھاؤنی میں رکھی ہے دکان
ہم کیوں اپنا محلہ ٹولہ چھوڑیں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں

سوپ کا شائق ہوں یخنی ہوگی کیا
چاہئے کٹلٹ[1] یہ قیمہ کیا کروں
لیتھبرج کی چاہئے ریڈر مجھے
شیخ سعدی کی کریما کیا کروں
کھنچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف
پھر میں اپنے سر کو دھیما کیا کروں
ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے بیر
پھر میں اپنا جان بیما کیا کروں
چاند میں آیا نظر غار مہیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

زور پر ہے شہر میں طاعون چارہ کیا کروں
لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچارا کیا کروں

نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں
شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں
ہم کو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں
ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں

بے سود اشعار اور کبت ہوتے ہیں
مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں
گر پیچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار
یہ بت تو بزور زر ہی چت ہوتے ہیں

یہ سچ کہا اکبر نے ہاتھاپائی کا ہے کیا علاج
زور منطق سے تو ممکن ہے انہیں ساکت کریں
بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ ہم جو انکو چت کریں
ہے فقط یہ مدعا ان کی کمر ثابت کریں
شیخ جی فربہ تھے انکی طبع میں جدت کہاں
مغربی جوہر مگر بلغم کو چاہیں پت کریں

جیسکوں دنیا سے کس طرح میں
قومی چندے کدھر سمائیں
عورت نے کہا کہ گوند میں ہوں
کالج نے کہا کہ توند میں ہوں

ماشاء اللہ وہ ڈنر کھاتے ہیں
بنگالی بھائی اُن کا سر کھاتے ہیں
بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر
انکی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں

یوروپ والے جو چاہیں دلمیں بھردیں
جس کے سر پر جو چاہیں تہمت دھردیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کردیں

[1] انگریزی شوربا ۱۲ [2] انگریزی کباب ۱۲

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بنک[1] میں
قلاش کر دیا مجھے دو چار تھنکس[2] میں

لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں
شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خودکشی کی ٹھہرے
خیر اسکو بھی مان لیں تو بندوق کہاں

شبنمیں گورسوں میں فارمولا وک کرتی ہیں
عدیم الفرصتی سے انکی الفت ترک کرتے ہیں

انکی صورت بہت اچھی ہے اسمیں شک نہیں
پھر مجھے کیا ذہن میں اسکا جواب اب تک نہیں
مجھ سے آخر آپ کو کیوں اسقدر وحشت یہ خوف
آپ بنگالی نہیں ہیں اور میں ازبک نہیں

گو کہ وہ کھاتے پڈنگ اور کیک ہیں
پھر بھی سیدھے ہیں نہایت نیک ہیں
جب میں کہتا ہوں کہ گیو می کس ڈیر
سر جھکا کر کہتے یو می ٹیک ہیں

تن رہے ہیں آپ فکر جاہ کے تیلون میں
میں گھلا جاتا ہوں فکر رزق کی افیون میں

حال دنیا سے بیخبر ہیں آپ
گو تقدس مآب ہشتاک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے
چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ
لگے کہنے یہ پھینک کر دھسا
تم ہو شیطان کے مطیع و مرید
تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید
ہے تمہاری نمود بس اتنی
جس طرح ہو پڑی پریڈ پہ لید

کل مست عیش و ناز تھے ہوٹل کے ہال میں
اب ہائے ہائے کر رہے ہیں اسپتال میں

دنیا اُسے قرار دو اور آخرت یہ ہے
سن لو کہ ساز معنی اکبر کی گت یہ ہے

سنا کے مصرع شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مے کی طرف سے معذرت

قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں
کیونکر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری برا نہ مانو اے شیخ
وہسکی کی ہے لہر موج تسنیم نہیں

[1] بنک [2] شکریہ [3] انگریزی حساب [4] کالج میں جسکی تعلیم ہوتی ہو [5] یعنی پیاری مجھکو بوسہ دو [6] یعنی آپ لے سکتے ہیں ۱۲

مچھروں نے بہت ستایا رات
بولے اس کا ہمارا منبع ایک

میں نے کوسا کہ ہو تمھیں طاعوں
کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خوں

گئے کول حافظ محمد حسین
کہ کر دیجئے ان کی دعوت ضرور
وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی
وہ بولے مر ان کا کیا جوڑ ہے

تو مہدی سے بولے یہ حاجی زمن
وہ ہیں صاحب دانش و علم و فن
ذرا دیکھ لیں رونق انجمن
میں گلڈ نگ لئے ہوں ہیں وہ اسٹیلین

وہ لطف اب ہندو و مسلماں میں کہاں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث

اغیار ان پر گذرتے ہیں خندہ زناں
ہے سخت مضر یہ نسخہ گاؤ زباں

چندوں ہی کو سوجھتے ہیں ان کو مضموں
لڑکے انھیں دیکھ کر مچاتے ہیں دھوم

دل شاد ہو اُس سے قوم یا ہو محزوں
یہ ہیں نئی روشنی کے چندا ماموں

اعزاز نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں
سیّد بنا ہو تو بنو مسٹر سیّد

اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
ہونا ہو خان تو تم ہو انگریزی خواں

متفرق شعر ہیں قطعہ نہیں ہے

پردہ اُٹھا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا

حوریں کالج میں پہونچ جائینگی غلمان تو ہیں
تھینک یو دیر میں سننے کیلئے کان تو ہیں

خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں پہ کہا
اُنسے ملنے میں ہے ایمان کا نقصان اکبر

آپ کیوں جان مری کھا رہے ہیں پان تو ہیں
خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں
جناب شیخ ناحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

کیوں کرتا ہے اعتراض ذی شرم
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا
کرتا نہیں لیکن اسکی عظمت

اُس کا جو میں ہم زبان نہیں ہوں
گو میں شرعی جوان نہیں ہوں
اس کا افسانہ خواں نہیں ہوں

کرتا نہیں قوم پر اُسے پیش

عیاش ہوں قلتباں نہیں ہوں

فخریہ میں نے جو اشعار پڑھے سعدی کے
شیخ سعدی تو بزرگوں میں ہیں مرے تجھے یاد و ست

فخریہ آپ سنانے لگے نظم ملٹن
آپ کے کون تھے ملٹن یہ سنوں حضرت من

بولے جاڑوں میں لالہ گنگا دیں
ڈاڑھی سورج کی تھام لیتا ہوں

دھوپ سے مجھ کو ہوتی ہے تسکیں
مدعا یہ کہ گھام لیتا ہوں

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہاں رات یہ تم قسمیں کھانا جب یاد کریں راجہ صاحب
ملنے کا کسی سے ہے یہ مزا اک جوش طبیعت ہو پیدا

یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
دربار اوڈ میں اے اکبر واللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
اس بزم میں سب سے پہونچنے پر اخاہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

تھا تصور مالک آزادی رندانہ ہوں
پہلے تھا اُس بت کے گرد اب ساتھ ہے بچوں کی فوج

لیکن اب بالکل اسیر انتظام خانہ ہوں
عشق میں دیوانہ تھا اب فکر میں دیوانہ ہوں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

مذہب نے کہا کہ جان سے عاری ہیں
گویا قزاق تھے ہوئے ہیں اب اسیر

آئیں رہی کے لوگ باعث خواری ہیں
اپنوں ہی میں یہ گواہ سرکاری ہیں

حیران ہیں اس زمانے میں ہم جی کیا کریں
تعلیم اونچے درجے کی ہوتی نہیں نصیب

جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کریں
پھر گھر میں بیٹھ کر بجز اے بی کے کیا کریں

شیخ کی وہ دھج نہیں وہ شیخ کی داڑھی نہیں
دوستی مذہب سے ہے پر اسقدر گاڑھی نہیں

اکبر مجھے شک نہیں تری تیزی میں
شیطان عربی ہے ہند میں ہے بخوف

اور تیرے بیان کی دلآویزی میں
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

ہیں عمل اچھے مگر دروازۂ جنت ہے بند
کر چکے ہیں پاس لیکن نوکری ملتی نہیں

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسّر

گلے میں جو آئیں وہ تانیں اُڑاؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شیخ اسد جاہ اناڑی ہی جو گھوڑے پہ چڑھے
باگ گردن میں رکاب آ کے پھنسی ران میں ہو
لات دنیا پہ نہ مارو ابھی اے حضرت شیخ
بیٹھکیں کر لو ذرا زور تو کچھ ران میں ہو

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
جامۂ ہستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں نزع میں
پھینکئے اب کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو

دنیا نوسی طرق سے منہ موڑ دو
شیرازۂ مذہبی نعت کا توڑ دو
بھوکے سے کہو کہ حد تہذیب میں رہ
آنتوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑ دو

فقط مذہب سے تم میں عزت و وقعت کی ہے یہ بو
وگرنہ اور کیا نسبت کجا دیلم کجا کلو

بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنۂ حالی سنو
باہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو
ہمکو تو پیر طریقت نے یہی دی ہے صلاح
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

اونٹ نے گایوں کی ضد پر شیر کو ساجھی کیا
پھر تو مینڈک سے بھی بدتر سب نے پایا اونٹ کو

جیسے رکھا چاہتے ہو بانی اپنی دسترس
منہ میں ہاتھی کی کبھی اے بھائی وہ گننا نہ دو

تکلفات سے للہ اپنا سر نہ پھراؤ
جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
مجھے بھی چکھو گے کیا رکھ کے خوان نعمت پر
کباب کرتا ہے اب مجھ کو انتظار پلاؤ

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو
اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو
بیٹو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور
کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

صاحب سے اذن لیکے کرونگا میں عشق چشم
لیسنس ہے ضرور ہرن کے شکار کا

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
سب ہوئے اندوہگیں خون جگر سب نے پیا
ہاں جو شاعر تھے انھوں نے نالۂ موزوں کے ساتھ
داغ دل کو آسمان نظم پر چمکا دیا

پیتا ہوں شراب آب زمزم کے ساتھ
رکھتا ہوں اک اونٹنی بھی ٹم ٹم کے ساتھ
ہے عشق حقیقی و مجازی دونوں
قوال کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

قوم سے دل کی سفارش کیا کروں

ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید
خودکشی آسان کر دیتی ہے یہ

غزل میری سنتے نہیں شیخ جی
تقدس کی بھی انتہا ہو گئی
تکلف کے پکوان میں دن ڈھلا
ہماری تو پوری سزا ہو گئی
اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ مے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

پیارا ہے ہمکو شیخ ہمارا برا سہی
چاقو ولایتی نہیں دیسی چھرا سہی
اکبر کا نغمہ قوم کے حق میں مفید ہے
دل کو تو گرم رکھتا ہے وہ بے سرا سہی

رہا کرتا ہے مرغ فہم شاکی
نئی تہذیب کی انڈے ہیں خاکی
چھری سے انکی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی
رہی رات ایشیا غفلت میں سوتی
نظر یورپ کی کام اپنا کیا کی

ہے عجب انقلاب دنیا میں
کیا کہوں بابت بھائی صاحب کی
اب وہ تسبیح پر بجائے درود
پڑھ رہے ہیں دُہائی صاحب کی

ہوئی جب آمد پیری ہوا میں سر کہ پیشانی
ترش روئی کی چٹنی جوڑ ہے داڑھی ہو جب کھچڑی
سوال اب یہ عجب شے ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی
چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

تھیسین نہیں خوش آتے نہ بھاتے ہیں نرجی
میں ریل کا طالب ہوں نہ خواہان ازجی
سنتا نہیں لکچر میں پڑا رہتا ہوں دن رات
لگتا ہے فقط لیڈیوں میں دقت ڈزجی

کمپ میں محروم ہوں میں لطف خاطر خواہ سے
آگیا ہوں تنگ مذہب کی معاذ اللہ سے

وضع مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کافور تھی
اب میں سمجھا واقعی داڑھی خدا کا نور تھی

علم پر بھی عشق کی تاثیر آخر پڑ گئی
تخلیئے کی بات پبلک کے دلوں میں گڑ گئی
وصل کی شب میں ذرا اس بت سے لڑائی تھی زباں
یہ اثر اس کا ہوا اردو سے ہندی لڑ گئی

۱؎ سرگرمی ۲؎ سعی کی کوشش ۳؎ یعنی عربی و فارسی کے الفاظ داخل کر دیئے گئے ۱۲

سائنس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی
بابو یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا

کچہریوں میں ہے پرسش اگر بجو بیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین تھولے کی

مقصود ہے شغل کوئی مضمون سہی
ہنگامۂ موت بھی ہے اک جشن اکبر

لذت نان جویں تجھ کو مبارک اے شیخ
حضرت خضر ٹکٹ مجھ کو دلا دیں اک بار

دہشت نئی روشنی سے آخر کو گھٹی
کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج

انٹر ملکی کی بحث میں تم جو ہندو کے بنو گے ساتھی
تو اپنا کھو دو تم کو دینگے نہ اپنی پوری بانٹ دینگے
مگر وہ رہتے ہیں دور تم سے یہ لوگ ساتھی ہیں اور بڑے ہی
ہر اک کو اپنی جو چھوڑ کر تم انھیں کی شرکت کرو ترقی میں
نہ ہوگی حکام کو بھی وقعت جو ہوگی اک جا ہر اک کی خواہش
جو مانگو گے ایک پھل مسلم وہ کاٹ کر ایک پھانک دینگے

اُنکے دست نازنیں سے پانی پی

آخر کو ہوئی وہ بات جو تھی ہونی
جو سست تھے دھ ہوگئے ہیں وہ شتر حلیم

مذہب اور مولوی پہ گالی ہولی
دروازۂ منصفی ہے ہمپر کیوں بند

توپوں کی مار سے بھی خدا کی پکڑ بڑی
اسوقت گو ملکش نے ڈالی ہے گڑ بڑی

سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور میٹوں کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

پیمانۂ مے نہیں تو افیون سہی
گر جنگ نہیں تو خیر طاعون سہی

مجھ گنہگار کو ہے صرف منجن کافی
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجمن کافی

فکر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی
مولانا سیکھتے ہیں بالفعل نٹی

لاٹ صاحب خطاب دینگے نہ راجہ جی سے ملیگا ہاتھی
پڑیگا موقع جو کوئی اگر تو دونوں ہی تم کو چھانٹ دینگے
یہ چلے ہیں سوسائٹی میں اہیر انہیں تو ہم میں گھوسی
تو یہ کوئی نہ کہہ سکیگا تمھارے دشمن کہاں تقبل میں
ضرورت انکو بھی یہ نہ ہوگی کریں ہر اک سے علاوہ غش
چلا دو گے پھر بھی منہ تو سب کو وہ ایک لاٹھی سے ہانک دینگے

اب کہاں باقی ہے ہم میں پاسٹی

مذہب مٹی ہو یا مٹی ہو دھوتی
جو تیز تھے بن گئے ہیں پولو پولی

اسپیچ پہ انجمن میں تالی ہوئی
ہر بات تو سلے جناب عالی ہوئی

لہ جاکے سے تقدس ۱۲

معنی جنگ اردو و ہندی
یعنی ہے اسمیں لطف وصل بتاں

اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی
میٹھے پانی سہی ہے زبان شیریں کا کام

بھائی نہ مجھے کل یہ بات بی منی کی
جیسا موقع ہو بس بٹھا دو وہ نگیں

ملتا نہیں گوشت خیر ہڈی ہی سہی
موقع جو پڑے پہ قواعد کا نہیں

واہ کیا ڈھنگ ہے مرے بھولے کی

مری فغاں پہ مس ناشناس بول اٹھی
بجائیں شوق سے ناقوس برہمن اکبر

کوئی شورش نہیں ہے ہر طرح سے خیر سلا ہے
یہ کلکتہ کی شوخی اور یہ ڈھاکہ کی ادا سمجھی
یہ دیسی ورزشیں ہیں مغربی جمناسٹک ہوا

مہمان فلک کہاں سکون پاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت

در پر مظلوم اک پڑا روتا ہے
کہتا ہے وہ شوخ تال سم ٹھیک نہیں

ہندو ضعیف اسمیں نہ چٹیا ہے نہ لٹیا ہے

اٹھا تو تھا ولولہ یہ دل میں کہ صرف یاد خدا کرینگے
کہاں کے قبلہ کہاں کے قبلی جنید کیسے کہاں کے شبلی

میں یہ سمجھا بہ عالم رندی
خوب ملکر لڑی زباں سے زباں

القاب حبیبی و عزیزی نہ سہی
جاں بخش حرارت عزیزی نہ سہی

تفریق اڑا دو شیعہ سنی کی
ہیرے کی نہ شرط ہو ضد جنی کی

کچھ کھیل ضرور ہے بھسنڈی ہی سہی
چندہ تحصیل کر کبڈی ہی سہی

شکل گولے کی ہیٹ سولے کی

کہ بابوؤں میں تو عادت ہے غل مچانے کی
یہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بجانے کی

نہ سرگرمی پولس کی ہے نہ جاری مارشلا ہے
وہ اک فرشی کبڈی ہے یہ لفظی گیند بلا ہے
نئے سن کی طنابیں ہیں کرسمس کا میلا ہے

آسودہ جو ہیں انھیں بھی ٹہلاتا ہے
ظاہر ہے صریح پیٹ دوڑاتا ہے

بیچارہ بلا میں مبتلا روتا ہے
کیا اسکی سنوں کہ بے سرا روتا ہے

مگر ہیں مغنی کوئی قلی ہے کوئی ملیا ہے

معاً مگر یہ خیال آیا ملی نہ روٹی تو کیا کرینگے
عوض تصوف کے ہمنے طب لی سنینگے سر حسن فرا کرینگے

لہ کانگریس سے کانفرنس ۱۲

اجل سے بھی بچہ نہیں گئے خائف مزاج سے اپنی ہو گئے واقف
اثر گر کچھ ہو مخالف تو آپ اپنی دوا کریں گے

پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ غول بندی کیلئے
کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے

اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے
دیکھو جسے وہ پانیر آفس میں ہے ڈٹا
چشم جہاں سے حالت اصلی چھپی نہیں
دعوے بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو
سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات
اُس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہدیا
اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے
بہر خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے
اخبار میں جو چاہئے وہ چھاپ دیجئے
طول شب فراق کو تو ناپ دیجئے
انجن کی انکے کان میں اب بھاپ دیجئے
زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

شیخ صاحب دیکھکر اُس مس کو ساکت ہو گئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

نہ کچھ انتظار گزٹ کیجئے
بہت بھاتی ہے اسکی پھرتی مجھے
کہاں کا حلال اور کیسا حرام
سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ
بگڑ جائے گا مِس سے سارا کھیل
بہت شوق انگریز بننے کا ہے
اجل آئی اکبر گیا وقت بحث
جو افسر کہے بس وہ جھٹ کیجئے
دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ کی جئے
جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے
کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے
بس ان لعبتوں پر نہ ہٹ کیجئے
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے
اب اِف لٹ کیجئے اور نہ بٹ کیجئے

نہایت حکمت آگیں آپ کی اسپیچ ہوتی ہے
ذرا شربت کا دیجاتی ہے گو وہ پیچ ہوتی ہے

نبض آپکی ہے سست بدن آپ کا یخ ہے
پہونچا میں فلک پر جو نظر تم نے ملائی
اپنے شجر حسن کی وہ خیر منائیں
شاید جلی بیگم سے کسی بات پہ چخ ہے
شاید کہ میں تکّل ہوں نظر آپ کی نخ ہے
عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوج ملخ ہے

لہ اگر سے گر ۱۲

خربے کو سدھارے ہوئے مدت ہوئی اکبر
البتہ علی گڈھ کی لگی ایک یہ چخ ہے

رندی و شراب و بزم شاہد بھی ہے
لیکن قربان حکمت پیر مغاں
منطق بھی ہے دلیل ملحد بھی ہے
دو مولوی بھی ہیں ایک مسجد بھی ہے

دُھن نوکری کی ہے نہ پری ہے نہ حور ہے
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ رو
اب فکر پاس کی ہے قیامت تو دور ہے
امید بے اصول سے اب دل نفور ہے

دن تو جنات کی خدمت میں بسر ہوتا ہے
سلف رسپکٹ کا وقت آئے کہاں سے اکبر
رات پریوں کی خوشامد میں گذر جاتی ہے
دیکھ تو غور سے دنیا کو کدھر جاتی ہے

نوکروں پر جو گذرتی ہے مجھے معلوم ہے
راہ میں لیسنس ہی کافی ہے عزت کے لئے
ڈاکٹر صاحب سے ملنا آپ کا اچھا نہیں
تیزرے کا اثر تھا نزع کی آمد نہ تھی
بس کرم کیجئے مجھے بیکار رہنے دیجئے
بس یہی لے لیجئے تلوار رہنے دیجئے
بیٹھئے گھر میں مجھے بیمار رہنے دیجئے
خیر اُٹھیئے توبہ استغفار رہنے دیجئے

کامیابی کا سدیشی پر ہر اک در بستہ ہے
چونچ طوطا رام نے کھولی مگر لب بستہ ہے

مقام آگرہ

شومیکری[لہ] شروع جو کی اک عزیز نے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی
کہنے لگے ہے اسمیں بھی اک بات نوک کی
جو تیغ سے ملاتے تھے بہرام گور سے
موروث تمھارے آگئے تھے غزنیں و غور سے
روٹی ہم اب کماتے ہیں جوتے کے زور سے

موکل چھٹے اُن کے پنجے سے جب
پپیہے پکارا کئے (۴) پی کہاں
تو بس قوم مرحوم کے سر ہوئے
مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے

پردے کے واسطے تو عبث بیقرار ہے
آغا تقی میں حسن نہ اب وہ سنگار ہے
زاہد ایسے بے خبر ہیں ابر سے خمار سے
پردہ درد دل کا راز تو خود آشکار ہے
پردہ اُٹھا کے دیکھو تو گوا گھار ہے
جس طرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

لہ جوتا بنانا

پریوں کا شوق ہے نہ مجھے فکر حور ہے — کالج سے ہے نجات تو ذکر حضور ہے

بابو صاحب نے کہا اک باغ ہے میرا کلام — اسمیں کیا شک ہے مگر یہ باغ شالامار ہے

سوئے فلک یہ چلے جو غبارے میں بیٹھ کر — منہ حاسدوں کے غصہ و غیرت سے مڑ چلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج — شکر خدا کہ اب تو یہ بابو بھی اڑ چلے

سینۂ مس کا ابھار اے دل فساد انگیز ہے — لوگ سچ کہتے ہیں باد نجان باد انگیز ہے
عدل انگلش من سے تو نیند آ رہی ہے شیخ کو — بابوؤں کی شورش البتہ جہاد آمیز ہے
علم کی حد تک عقیدے سب یقیں یکساں ہیں — اسکے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا — آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے — گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

لندن میں بگڑ جاؤ گے وسواس یہی ہے — تم پاس رہو میرے کہ بڑا پاس یہی ہے

ہر اک ریمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے — مجھ کو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے
مجھ سے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن — اُس سے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے

یاروں کو فکر روز جزا کچھ نہیں رہی — بس کام ہے انھیں رہ عیش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل — بائیسکل پہ گذریں گے ہم پل صراط سے

خلقت اسی سمت صف بہ صف جاتی ہے — با عود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے
ہے نور خدا ابھی طالب رزق کا دوست — ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں نیک شخص — یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہیں خود ہنود — پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہے
یعنی اُردو ہے چیز انھیں کے مذاق میں — اُردو کی تین جزو یہی صاف صاف ہے

ذوق سخن نہیں نہ مجھے اے اکبر — سن لے یہ بات گر نہ تجھے شک ہے
شیخ سے چھوٹے اٹھے انجمن میں — اُسمیں کب بک تھی نہیں بکبک ہے

ہر چند کہ مجھ کو اعتقاد اب تک ہے — تاہم بلحاظ وقت دل میں شک ہے
بیٹھے تو بہت ہیں سر جھکا کر یہ حضور — کیا جانئے مراقبہ ہے یا پینک ہے

کی ہے عدو نے کمیٹی پیٹ میں — بائی لا ہر رگ کے اندر بٹھایا ہے
حضرت نزلہ ہیں صدر انجمن — دم بدم انکی بھی اک تحریک ہے

تیرے قدم سے رونق شہر پراگ ہے — یعنی ترے ہی دم سے تبول کا سہاگ ہے
بھڑکی ہے دل کی آگ گوالن کے عشق میں — احباب ہنستے ہیں کہ یہ کنڈے کی آگ ہے

سب سمجھتے ہیں کہ یہ عشق بتاں اک روگ ہے — لیکن اسکو کیا کریں ملتا جو موہن بھوگ ہے
شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھ کو قبول — ٹال دیتے ہیں یہ کہکر آپ کالا لوگ ہے

دیکھوں عروس دہر کو کیوں آنکھ کھول کے — بہتر یہی ہے کام نکالوں ٹٹول کے

جو مرد ہیں وہ پاک ہیں دنیا کے میل سے — سچ ہے خبیث ملتے ہیں ایسی چڑیل سے
چہرے کے نیچے قہر ہے ڈاڑھی کا جھول جھال — اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے — ہنسکے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے

دل میں جو پڑگئی ہے گرہ کھول ڈالئے — اکدم میں کل متاع سخن تول ڈالئے
ترکیب ہے ترقی اُردو کی بس یہ خوب — جو آپ بول سکتے ہیں سب بول ڈالئے

واہ اک آپ بس مقیم کول ہو کر رہ گئے — خود فروشی کی نہیں انمول ہو کر رہ گئے
عرض و طول ہند میں تم نے نہ دوڑائے خطوط — دل کشی مرکز میں پائی گول ہو کر رہ گئے

ہم سے شب وصال وہ بیمیل ہو گئے — افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے
درگاہ کے چراغ کو چھوڑا برائے لیمپ — سب کی نظر میں گھی تھے مگر تیل ہو گئے
بوڑھوں نے پہلے لڑکوں کو خود ہی بنایا کھیل — ان کی نظر میں آپ ہی اب کھیل ہو گئے
اے شیخ جب نکیل نہیں دست قوم میں — پھر کیا خوشی جو اونٹ نر سے ریل ہو گئے
ہم بھی کلیل کرنے لگے گائے کیطرح — اس ملک میں بھی حضرت گو کھیل ہو گئے

میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے
کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے صحیح
ہے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے
لیکن خوش ہو جیے کہ نام آپ کا ہے

مذہب جس کی نظر سے بالکل گم ہے
شائستہ جو ہو تو اُس کو بوٹنی سمجھو
کیونکر میں کہوں وہ داخلِ مردم ہے
ایسا جو نہ ہو تو اک خرِ بے دُم ہے

(آیندہ اردو زبان کا نمونہ)

بابو جی کا وہ بُت ہوا نوکر
بابو کہتے ہیں وہ نہ جائے گا
غیر اُسکو پیام دیتا ہے
میرے انڈر میں کام دیتا ہے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک بتکدے میں صرفِ ایماں کیجئے
تا کجا عشقِ بتانِ سست پیماں کیجئے
ہے یہی بہتر علیگڈھ جا کے سیّد سے کہوں
مجھ سے چندہ لیجئے مجھ کو مسلماں کیجئے

جب اگلا کورس خارج ہو گیا تعلیم اطفال سے
تو اب اغراض ہم کیونکر کریں تعلیم نسواں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
اپنے رُخ سے یہ منھ نہ موڑینگے
ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھ کر قانون کے
شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

نہیں کچھ گفتگو اسمیں یقیناً تیز ہیں حضرت
چمک تیغوں کی ہاتھوں کی صفائی واہ کیا کہنا
مدارِ کار جب ہو اتفاقِ عقل و حکمت پر
بس اتنی بحث باقی ہی یہ کہنا ہی کہ انجن ہی
مگر یہ دیکھ لو کٹھار بر کا ہے کہ گردن ہی
تو اس ہی جو کرے غفلت وہ اپنا آپ دشمن ہی

راہ تو مجھ کو بتا دی خضر نے
اب تو جاگو ایشیائی بھائیو
ہو مبارک جستجوئے خضر انھیں
اب تھیٹر میں ہنسینگے جا کے خوب
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے
نیند میں غفلت کی صدیوں سو لئے
ہم تو اب انجن کے پیچھے ہو لئے
خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یوروپین نان پاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تُلے ہوئے
دھمکا کے بوسہ لوں گا رُخِ رشکِ ماہ کا
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چٹھی اُس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
ایسی پری اور مجھ کو پیارا لکھے
دل جوشِ مفاخرت سے بے قابو ہے
القاب میں دیکھئے ڈیر کلو ہے

ہندی مسلم میں ہند کی بو بھی ہی
اللہ اللہ ہے زباں پر بیشک
افطار میں ہے کھجور تو سیو بھی ہی
لیکن اک رنگِ بم مہادیو بھی ہی

بُرا ہوا کہ رقیبوں میں بڑھ گئے بابو
ذرا سی بات ہوئی اور یہ سیدھے تھانہ چلے

حریصِ زر کی میت پر یہ بولا طالبِ قوت
جو ملجائے تو اسکو کھاؤں یہ سونے کا کشتہ ہی

ہیں لیمپ عزیز شمع بیگانہ ہے
بسکی ہی مسوں کو روئے روشن پہ نگاہ
جلتا ہی چراغ سے جو فرزانہ ہی
جو ہی نئی روشنی کا پروانہ ہی

عبث انکا گلہ ہے مستغیثہ بولتی کیوں ہی
کوئی پوچھے تو ناحق تم نے ڈالی اولتی کیوں ہی

آپ کی انجمن کی ہی کیا بات
حکمتوں سے ہوئی ہے جزوِ تکلم
اس غرض سے کہ سینہ پوش نہو
پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا
آہ چھپتی ہے واہ چھپتی ہے
روح بھی اب تو کورس جلتی ہے
شیخ کی ریش روز بنتی ہے
کس قدر یہ زمیں پٹتی ہے

جو عقل کھری تھی کی وہ کھوٹی اسنے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اُسنے
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اُسنے

کہا جو میں نے کہ ان کی ادا انوکھی ہے
کہا بتوں نے کہ اردو میاں کی چوچھی ہے

نکتہ یہ سنا ہی ایک بنگالی سے
خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو دلاؤ
کرنا ہو بسر جو تم کو خوش حالی سے
غصہ آئے تو کام لو گالی سے

انکی تحریکوں سے یوں رہتی ہے دنیا بےچین
جس طرح پیٹ میں بیمار کے بائی دوڑے

ممبری کے لئے لپکا مری جانب غول
گائے موٹی نظر آئی تو قصائی دوڑے

مار و کژدم رہ گئے کیڑے مکوڑے رہ گئے
صورتیں تو ہیں مگر انساں تھوڑے رہ گئے

خضر عنقا ہو گئے موذی بنے ہیں سد راہ
گر گئے سنگ نشاں سڑکوں پہ روڑے رہ گئے

پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں
اب ہمارے وارثا ایسے ہی نگوڑے رہ گئے

شیخ صاحب چل بسے کالج کے لوگ ابھرے ہیں اب
اونٹ رخصت ہو گئے پولو کے گھوڑے رہ گئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر
مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو برا اُسنے بگاڑے سارے کام
ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اُٹھیں بیگم
اللہ کی مار اسپہ علیگڈھ کے حوالے

کھائی مژگانِ نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ
آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

دیکھ لو حال مرا آہ کی حاجت کیا ہے
دو اور اک تین پہ واللہ کی حاجت کیا ہے

پیچھے انجن کے بس اب ہولیں مسلماں بھائی
اب نہیں خضر کی اور راہ کی حاجت کیا ہے

داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اسپہ کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ناک رگڑی برسوں اس ارمان میں
سن لیں میری بات اک دن کان[۱] میں

قصۂ منصور سنکر بول اُٹھی وہ شوخ مس
کیسا[۲] احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا

کاش اے اکبر وہی حالت مجھے بھی پیش آئے
اور یہ کافر پکارے در پناہِ من بیا

کہتے ہیں اکبر تیری عقل کا کیا پھیر ہے
طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں سیر ہے

عرض کرتا ہوں کہ میں بھی ہونگا حاضر عنقریب
ہو چکا ہوں پیر بس نابالغی کی دیر ہے

مِلتا نہیں گھی تو خشک روٹی ہی سہی
نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی

میں قوم کی فربہی کا مشتاق نہیں
بس جائیے میری عقل موٹی ہی سہی

نفرت تھی مجھ کو بیشک مچھر کے بولنے سے
کہتا تھا اپنے دل میں بیچارہ کیا برا ہے

[۱] واہ کیا ناک اور کان ہیں اب یہی شاعری ہے ۱۲ [۲] نقل کفر کفر نباشد ۱۲

آخر کھلا یہ عقدہ نفرت کا مجھ کو اکبر
آواز بے تکی ہے کمبخت بے سرا ہے

چند ذرّے کیمیا سے رنگ کی پڑیا بنے
شیخ صاحب ہوش ہی کھو بیٹھے اور گڑیا بنے

مغربی کل نے مجھ کو پیسا ہے
سرا چونا ہے اور کلیسا ہے

آپ ہی گا کے جھوم لیتے ہیں
بار بد ہے نہ اب نکیسا ہے

نکالا شیخ کو مجلس سے اُسنے یہ کہہ کر
یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

تم ناک چڑھاتے ہو میری بات پہ اے شیخ
کھینچونگا کسی روز میں اب کان تمہارے

عادت جو پڑی ہو تو شبہ سے وہ دور بھلا کب ہوتی ہے
رکھی ہے جنوٹی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے

نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلمان رہے
عمر سب مفت میں کھویا کئے نادان رہے

طاقت اسلام کی کہتی تھی مسلمانوں سے
جب میں جاؤں کہ میرے بعد میرا دھیان رہے

انکی سب سنتے ہیں اپنی نہیں کہہ سکتے کچھ
کیا قیامت ہے زباں کٹ گئی اور کان رہے

تھی بہت انکو مسلمانوں کی تہذیب کی فکر
بولے مسجد کے تلے مے کا بھی سامان رہے

راحت جاں ہے تری نظم دلاویز اکبر
تندرستی رہے ایمان رہے جان رہے

ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو،
کس کو سونپیں تمہیں اللہ نگہباں رہے

انگریز میں عظمت جہانبانی ہے
ہم میں اک شان علم روحانی ہے

لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں،
بازو نہ قوی نہ قلبِ نورانی ہے

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر
نامی پریس لکھنؤ میں چھپا
جولائی ۱۹۳۱ء

Md. Abdul [illegible]
X [illegible], wale
Kulyathe - Akbar Allahbad,